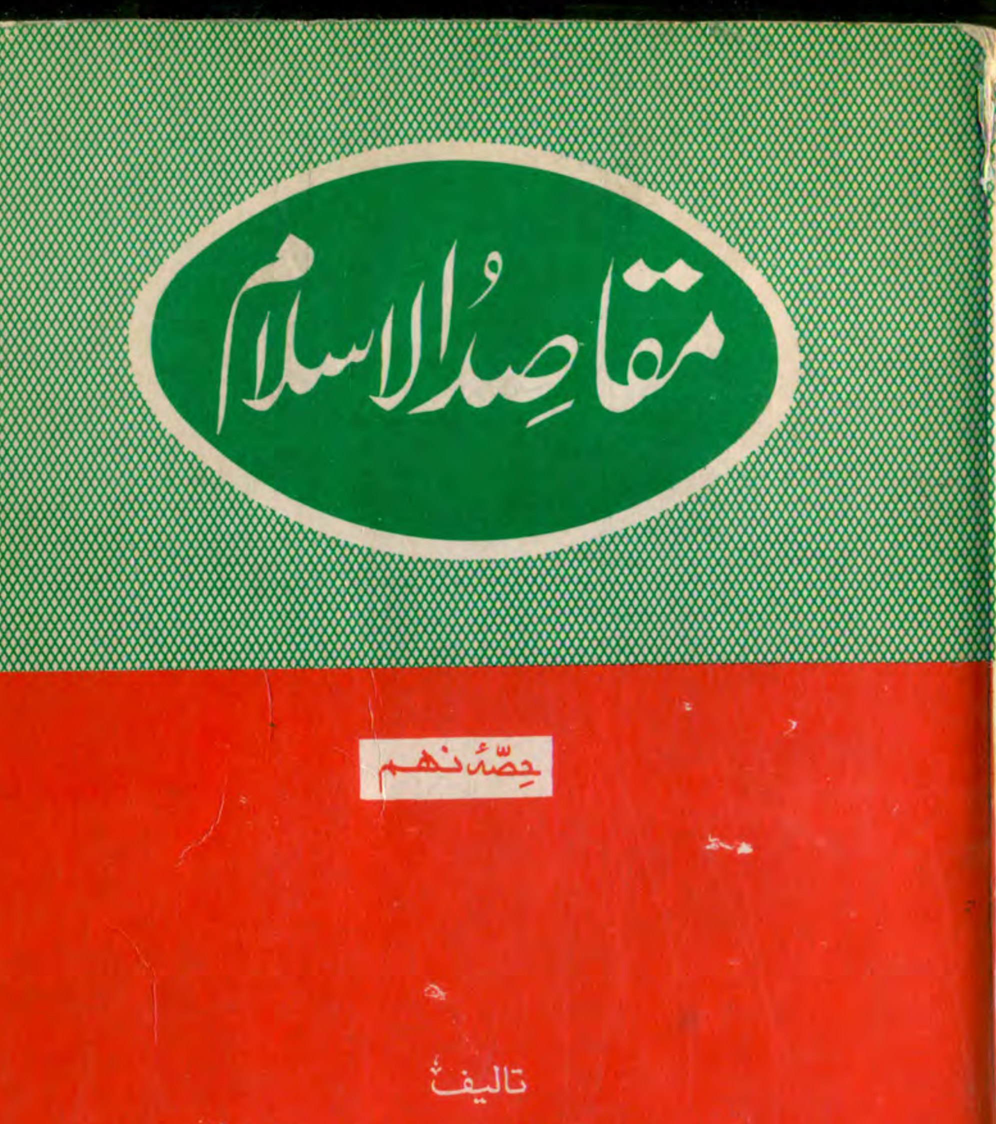


تالیف

حضرۃ العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر محمد انوار اللہ فاروقی

فضیلت جنگ قدس اللہ سرہ العزیز، بانی جامعہ نظامیہ

مطبوعات مجلس اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد ۵۰۰۲۶۴ (آپی) الہند



از افاداتِ سراپا برکات حقائق آگاہ معارف دستگاہ عارف باللہ شیخ الاسلام
مولانا الحاج خان بہادر حافظ محمد انوار اللہ فاروقی قدس سرہ العزیز
المخاطب نواب فضیلت جنگ سابق معین المہام امورِ مذہبی سرکارِ عالی
بانیٔ جامعہ نظامیہ

مقاصد الاسلام

حصہ نہم

زیرِ خرید کتب خانہ جامعہ نظامیہ

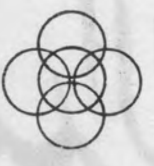
حسب الحکم میر مجلس اشاعۃ العلوم
فضیلت مآب حضرت مولانا الحاج سید حبیب اللہ قادری صاحب (رشید پادشاہ)

باہتمام: مولانا الحاج محمد خواجہ شریف صاحب معتمد مجلس اشاعۃ العلوم و شیخ الادب جامعہ نظامیہ

طبعِ ثالث (عکسی) ◉ تعداد : دو ھزار

بمطبع : انٹرنیشنل آفسیٹ پرنٹنگ پریس کنگ کوٹھی حیدرآباد

جمادی الاوّل ۱۴۱۳ھ مطابق نومبر ۱۹۹۲ء



ناشر

مجلسِ اشاعۃ العلوم

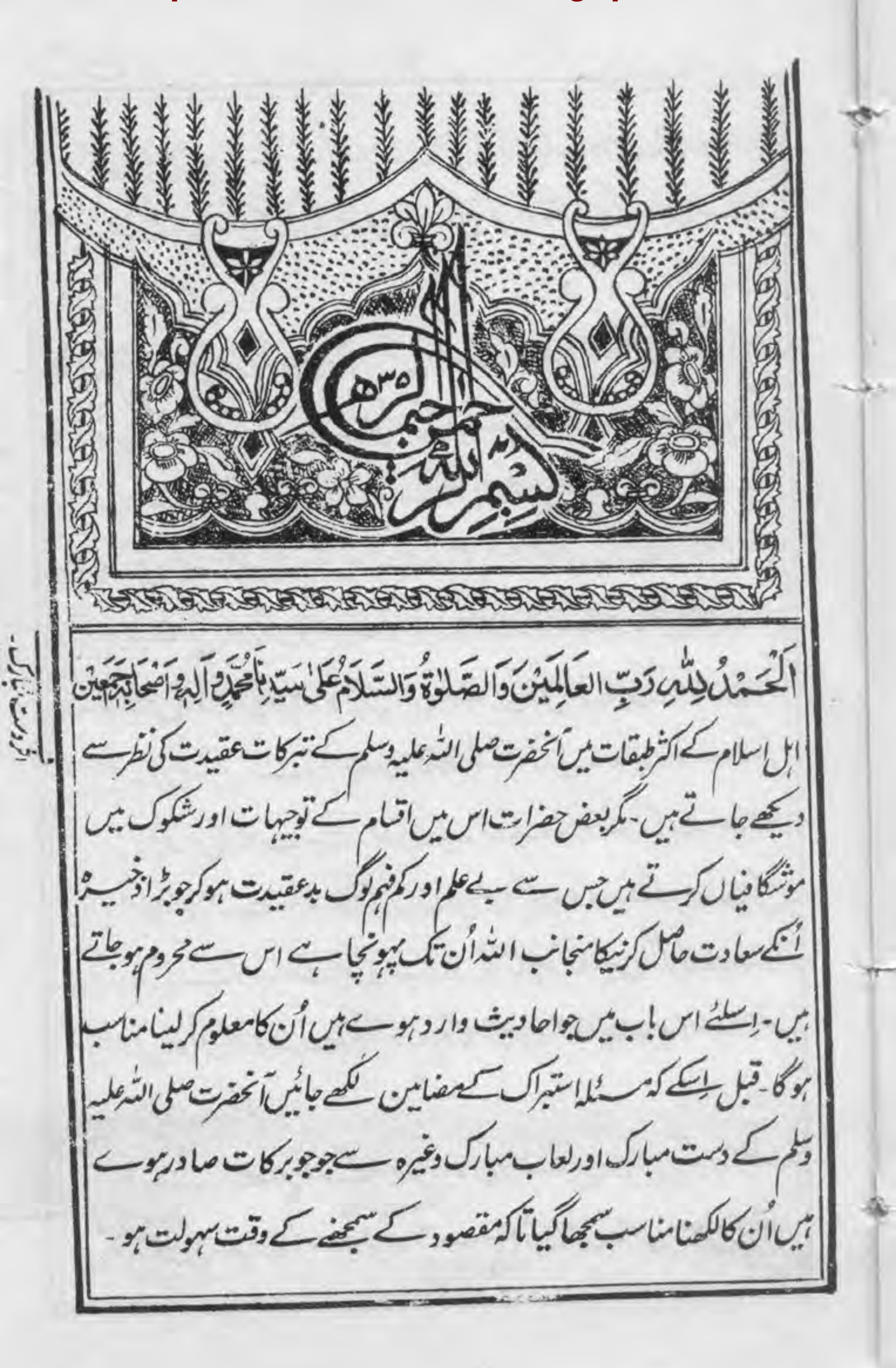
پتہ

دفترِ اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ

حیدرآباد ۵۰۰۲۶۴ اے پی (الہند)

فون: ۵۲۱۷۷۲

فہرستِ مضامین مقاصد الاسلام حصہ نہم



اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

اہل اسلام کے اکثر طبقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات عقیدت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ مگر بعض حضرات اس میں اقسام کے توجیہات اور شکوک میں موشگافیاں کرتے ہیں جس سے بے علم اور کم فہم لوگ بدعقیدت ہوکر جو بڑا ذخیرہ اُنکے سعادت حاصل کرنیکا منجانب اللہ اُن تک پہونچا ہے اس سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اِسلئے اس باب میں جو احادیث وارد ہوے ہیں اُن کا معلوم کر لینا مناسب ہوگا۔ قبل اِسکے کہ مسئلہ استبراک کے مضامین لکھے جائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور لعاب مبارک وغیرہ سے جو جو برکات صادر ہوے ہیں اُن کا لکھنا مناسب سمجھا گیا تاکہ مقصود کے سمجھنے کے وقت سہولت ہو۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ عبداللہ بن جحش کی تلوار جنگ احد میں جاتی رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کھجور کی چھڑی عنایت کی۔ فوراً وہ تلوار ہو گئی جس سے وہ لڑتے رہے انتہیٰ۔

لکڑی کی قلب ماہیت ہو کر لوہا ہو جانا سائنس والے تو شاید جائز نہ رکھیں گے مگر اسکو تو متاخرین حکماء بلکہ اہل سائنس نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ اجزاے دیمقراطیسی کے حالات بدلنے سے تمام چیزیں ظاہر ہوتے ہیں دراصل جو چیز محسوس ہوتی ہے وہ مجموعہ اُنہی اجزا کا ہے۔ اگر پتھر ہے تو انہی اجزا کا مجموعہ ہے جو خاص وضع پر واقع ہوے ہیں۔ اور اگر ہوا ہے تو اُنہی اجزا کا مجموعہ ہے جو خاص وضع پر واقع ہوے ہیں۔ غرضکہ پتھر اور ہوا میں اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ دونوں اجزاے دیمقراطیسیہ ہیں۔ فرق ہے تو اسیقدر ہے کہ شاید اُسکے نزدیک نزدیک ہونے کی وجہ سے پتھر میں کثافت ہے۔ اور نزدیک نزدیک نہ ہونے کی وجہ سے ہوا میں لطافت ہے۔ یہ امر عقلا کی راے پر محول کر دیا جاتا ہے کہ ہر جزو دیمقراطیسی کی ماہیت یہ ہے کہ وہ بہت چھوٹا ہے اور ٹوٹتا پھوٹتا نہیں۔ اگر وہ اجزاے کثیف ہیں تو اُن کا جو مجموعہ ہوگا کثیف ہوگا۔ پھر ہوا کا لطیف ہونا۔ اور پتھر وغیرہ کا کثیف ہونا کیسا۔

بہرحال جو لوگ ایسے اجزا کے وجود پر ایمان لاتے ہیں لایا کریں مگر ہمارا مطلب اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ اجزا چھڑی میں خاص وضع پر تھے۔

کھجور کی لکڑی کا تلوار ہو جانا۔

اجزاے دیمقراطیسیہ کا حال اور قلب ماہیت کا امکان۔

اور جب حضرت نے اُس سے تلوار کا کام لینے کے لئے اِنھیں دیا تو وہی اجزا خاص وضع پر ہو گئے اور تلوار کا کام دینے لگے۔ جب آجکل کی فلسفی عقل نے اِسے مان لیا کہ تمام عالم اجزاءِ مذکورہ جو قدیم سے موجود ہیں بچھڑتے رہتے ہیں اور جیسے جیسے اُن کے اشکال بحسب اتفاق بنتے ہیں اُسکے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو اب یہ ماننا کوئی دشوار نہیں کہ انہی اجزا نے چھڑی کی شکل چھوڑ کر تلوار کی شکل کو قبول کر لیا۔ مگر فرق اتنا ہو گا کہ اِس صورت میں خدا و رسول کے حکم کو ماننے کی ضرورت ہو گی اور اتفاقی شکلیں جو وہ قبول کرتے ہیں اُس میں خدا کے حکم کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ اہل اسلام اس سے اِتنا مطلب نکال سکتے ہیں کہ جب سائنس نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ اجزا پتھر پانی وغیرہ خود بخود بنجاتے ہیں تو خدا تعالےٰ کے حکم سے بننا کیوں خلاف عقل ہو سکتا ہے۔

سبحان اللہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ قدرت میں یہ بات تھی کہ ایک پتلی لکڑی کو خاصی تلوار بنا دیں تو کہئے کہ اب ایسی کونسی چیز ہو گی جو حضرت سے نہ ہو سکے۔ یہاں یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ جب اِتنی قدرت تھی تو پھر تکمیل دین میں تاخیر کیوں ہوئی اسکا جواب یہ ہے کہ کسی مہم اعظم کو وقت واحد انجام دینے میں لُطف نہیں آتا اسلئے بیس بائیس برس تک حضرت کافروں کے ساتھ مقابلے کرتے اور اُنکے حوصلے بڑھاتے رہے اور دراصل یہ سنت الٰہی ہے کہ باوجود اِسکے کہ ایک کُن سے سب کچھ کر سکتا ہے مگر کئی روز میں زمین و آسمان بنائے۔

بغیر دوا کے قدرتی علاج۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ معاویہ ابن حکم کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے میرے بھائی کے پاؤں کو خندق کی دیوار کی سخت ٹھوکر لگی۔ جس سے خون جاری ہوگیا۔ وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنا ہاتھ زخم پر پھیر کر بسم اللہ فرمائی۔ اور وہ فوراً چنگا ہوگیا اور درد بھی اُسیوقت جاتا رہا۔ انتہیٰ۔

کیا کوئی حکیم یا ڈاکٹر دعوی کرسکتا ہے کہ اس قسم کا فوری علاج کرے یہ قدرتی علاج اُنہیں حضرات سے متعلق ہے جنکو عالم اکوان میں تصرف کرنے کا اقتدار دیا گیا ہے۔

دست مبارک سے چہرہ روشن ہوگیا۔

خصایص کبریٰ میں ہے کہ عائذ ابن عمر کہتے ہیں کہ جنگ حنین میں میری پیشانی میں ایک تیر لگا جس سے خون جاری ہوا اور سینے تک پہونچا۔ حضرت نے اپنے دست مبارک سے اُس خون کو پونچا۔ راوی کہتے ہیں کہ اُن کو ہم نے دیکھا کہ اُن کا چھرہ اور سینہ جہاں تک دست مبارک پہونچا تھا روشن ہوگیا تھا انتہیٰ۔

ظاہراً مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی قدر تھا کہ خون دور کیا جائے اور زخم چنگا ہو جائے۔ غالباً یہ بات پیش نظر نہ ہوگی کہ اُن کا چھرہ اور سینہ روشن بھی ہو جائے۔ مگر چونکہ دستِ شفقت کا یہ لازمہ تھا کہ کوئی خاص قسم کی خصوصیت باقی رہے اسلئے وہ مقام ہمیشہ کے لئے روشن ہوگیا۔ یہ تو جسمانی برکات تھے معلوم نہیں کہ روحانی برکات دست شفقت سے اور کیا کیا حاصل ہوئے ہونگے۔

الصیرۃ النبویہ میں ہے کہ شیبہ ابن عثمان رضہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ فتح مکہ کے بعد ہوازن سے جنگ کرنے کو نکلے تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ موقع اچھا ہے قریش کیساتھ میں بھی چلوں۔ شاید کہ ایسا موقع ملجائے کہ گڑبڑ میں محمدؐ کو قتل کرڈالوں جس سے قریش کے خونریزی کا بدلہ ہوجاے اور میرے باپ اور چچا اور بنی اعمام کو جو انھوں نے جنگ احد میں قتل کیا تھا اُسکا بھی بدلہ لے لوں۔ اُسوقت میرا خیال تھا کہ اگر تمام عرب وعجم کے لوگ محمدؐ کے تابع ہوجائیں۔ اور کوئی شخص اُنسے علٰحدہ نہ ہو تو بھی میں اُن کا تابع نہ ہونگا بلکہ اُس سے میری عداوت اور بھی بڑھتی جائیگی۔ جب عین جنگ میں گڑبڑ ہوئی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیادہ ہوگئے اُسوقت میں حضرت کے قریب تھا۔ تلوار کھینچکر ہاتھ بلند کیا اور چاہتا تھا کہ وار کروں یکایک ایک شعلہ آگ کا مثل برق کے میری جانب آیا جس سے میری آنکھیں چکاچوند ہوگئیں اور بے اختیار آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ اُسوقت حضرت نے مڑکر میری طرف دیکھا اور تبسم کرکے فرمایا اے شیبہ میرے نزدیک آؤ اور تین بار میرے سینے پر دست مبارک مارا جس سے میرے دل میں حضرت کی محبت ایسی پیدا ہوگئی کہ اُس سے زیادہ متصور نہیں ہوسکتی۔ تمام مخلوقات سے زیادہ حضرت کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہوئی۔ اُس کے بعد حضرت نے جنگ کرنے کو فرمایا۔ میں حضرت کے آگے بڑھا اور تلوار چلانا شروع کیا۔ خدا جانتا ہے کہ اُسوقت یہ دوست رکھتا تھا کہ اگر کوئی وار حضرتؐ پر

آئے تو میں اُسے اپنے پرلوں۔ اگر میرے باپ زندہ ہوتے اور اس وقت میرے سامنے آتے تو میں اُن پر بھی تلوار چلاتا۔ غرضنکہ میں حضرت کے سامنے اُسوقت تک رہا کہ اہل اسلام جن کے پیر اُکھڑ گئے تھے وہ ایک بارگی پلٹ کر آگئے۔ اور میں نے حضرت کی سواری کو نزدیک کیا اور آپ اُسپر سوار ہو گئے۔ اُسکے بعد جب حضرت اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے تو میں بھی حضرت کیساتھ چلا گیا۔ دیکھا کہ حضرت کے چہرۂ مبارک پر آثار مسرت نمایاں ہیں اور فرمایا کہ اے شیبہ خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے جو ارادہ کیا تھا وہ بہتر ہے اُس چیز سے کہ تم نے ارادہ کیا تھا۔ پھر حضرت نے میرے اُن تمام خیالات کو بیان فرمایا جو کسی سے میں نے کہا نہ تھا۔ میں نے توحید و رسالت کی گواہی دیکر عرض کی کہ میرے لئے حضرت استغفار فرماویں۔ ارشاد ہوا کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں بخشدیا اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں حضرت کے ساتھ کھڑا تھا اسوقت ابلق گھوڑے مجھے نظر آنے لگے۔ میں نے اُسکی خبر حضرت کو دی۔ حضرت نے فرمایا اے شیبہ یہ گھوڑے تو کافروں کو دکھا کرتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابلق گھوڑوں پر فرشتے سوار ہو کر حضرت کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے اور وہ صرف کافروں ہی کو نظر آتے تھے تاکہ اُن کے دلوں پر کثرت فوج کا رعب پڑے۔ یہی وجہ تھی کہ تھوڑا سا لشکر اسلام کفار کے لشکر کثیر کے مقابلہ میں جاتا اور فتح یاب ہوتا تھا اور کسی مصلحت خاص

کیوجہ سے کبھی کفار کی آنکھوں میں لشکر اسلام کم بھی نظر آجاتا تھا۔ غرضکہ حقتعالے کو
اپنے دین کی ترقی منظور تھی۔ جسکے تدابیر وقتاً فوقتاً کیئے جاتے تھے۔
حضرت نے شیبہ کے سینہ کو تین بار جو مارا اُس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلی
ضرب میں اُنکے دل سے کفر کو نکال دیا اور دوسری ضرب میں ایمان کو داخل کیا
تیسری ضرب میں محبت بھر دی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت کی محبت کافر کے دل میں
کبھی جاگزیں نہیں ہوسکتی۔ اُسکے لئے ایسا برگزیدہ سینہ و دل درکار ہے کہ نور ایمان
سے منور ہو۔

خصایص کبریٰ میں ہے کہ عثمان ابن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت
سے شکایت کی کہ قرآن مجھے یاد نہیں رہتا۔ فرمایا اس کا سبب ایک شیطان ہے
جسکو (خِنزَب) کہتے ہیں۔ اے عثمان تم میرے نزدیک آؤ۔ پھر آپنے اپنا دست
مبارک میرے سینہ پر رکھکر فرمایا۔ اے شیطان عثمان کے سینہ سے نکلجا۔
وہ کہتے ہیں اِسکے بعد میری یہ حالت ہوئی کہ جو کچھ سُنتا وہ مجھے یاد رہجاتا تھا۔
یہاں اطبا کو حیرانی ہوگی کہ نسیان فرط یبوست و برودت وغیرہ سے ہوا کرتا
ہے۔ اور اس حدیث سے ثابت ہے کہ شیطان بھی بھلا دیا کرتا ہے۔
یہ حیرانی اُسوقت تک دفع نہیں ہوسکتی کہ خدا یتعالیٰ کی قدرت پر پوری طور سے
ایمان نہ لایا جاوے۔ یہ کمال درجہ کی ہٹ دھرمی ہے کہ آدمی اپنے معلومات پر
اعتماد کرکے دوسروں کے معلومات کو نظر انداز کردے۔

نفخ قرآن بہ برکت دست مبارک

عقلا اسباب بیماری وغیرہ پر ہمیشہ غور و فکر کیا کرتے ہیں اور اُسکے بدولت اُنکے پاس نئے نئے معلومات کا ایک ذخیرہ حاصل ہو جاتا ہے۔

ابھی کا ذکر ہے کہ جنوں کا انکار کیا جاتا تھا۔ اور وہی شخص عقلمند سمجھا جاتا تھا جو جنوں سے متعلق واقعات میں اُن کو پُرانے خیالات تصور کرے۔ چنانچہ سر سید احمد خانصاحب نے بڑی شدو مد سے جنوں کا انکار کر کے ایک رسالہ بھی لکھدیا جسکو نئی روشنی کے لوگ اپنے استدلال میں پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر یورپ کی کمیٹی نے جو جنوں کے تحقیقات کے واسطے قائم ہوئی تھی فیصلہ کر دیا کہ جنوں کے حیرت افزا واقعات سب صحیح ہیں۔ اور ڈاکٹر خانوں میں اعلان دیدیا کہ مرض جنون کے اسباب صرف مادی نہیں ہیں بلکہ جنوں کے مسلط ہونے سے بھی ہوا کرتا ہے اسکا مفصل حال ہم نے مقاصد الاسلام کے کسی حصہ میں لکھا ہے بہر حال مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کی خبر دی ہے اُن کو بالکل صحیح و قابل وثوق جانیں اور شیطانی وسوسے جو بے علمی کی وجہ سے دل میں خطور کرتے ہیں لاحول پڑھ کر اُن کو دور کر دیا کریں۔

جنوں کے وجود اور اُن کے حیرت افزا واقعات کو اہل یورپ نے مان لیا۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں گھوڑے پر سوار ہوتا تو گر جاتا تھا۔ حضرت سے یہ حال عرض کیا۔ آپنے میرے سینہ پر اپنا دست مبارک مار کر فرمایا اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا۔ وہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد میں گھوڑے پر سے کبھی نہ گرا۔ انتہیٰ۔

برکت دست مبارک سے شہسواری میں پختگی۔

اگر سلاطین کے روبرو کوئی سپاہی سپاہی اپنے اس قسم کی حالت کو ظاہر کرے تو مورد عتاب شاہی ہو جائے۔ مگر سبحان اللہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کس صفائی سے جریر رضہ نے اپنا یہ عیب بیان کیا۔ اور کس عمدگی سے حضرت نے اُسکی اصلاح فرمائی۔

اصل یہ ہے کہ صحابہ رضہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ جو چاہیں کریں۔ اس وجہ سے وہ ایسے ایسے امراض و حوایج پیش کرتے تھے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی دوسرا اُسکا علاج اور حاجت روائی نہ کر سکے۔ اور حضرت بھی اُن کے خیال کے موافق اُن کی حاجت روائیاں فرماتے تاکہ اُن کا اعتقاد راسخ اور ایمان مستحکم ہو جائے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت فرما دیتے کہ گھوڑے پر سے گر جانا تمہارا طبعی امر ہے مجھے اس سے کیا تعلق بخلاف اُسکے حضرت نے دست مبارک اُن کے سینہ پر مار کر یہ ثابت فرما دیا کہ ہمارے دست قدرت میں حق تعالیٰ نے یہ بات رکھی ہے کہ ہمیشہ کے لئے تمہاری یہ شکایت کو دفع کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ وہ ہمیشہ معرکوں میں گھوڑوں پر سوار ہوتے اور شہسواری کی داد دیتے۔

دفع جنون۔

خصایص کبریٰ میں ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے اپنا لڑکا حضرت کی خدمت میں لا کر عرض کی یا رسول اللہ اِسے جنون ہے۔ اور ہم جب صبح اور شام کا کھانا کھاتے ہیں تو اُسے جوش ہوتا ہے اور وہ ہم پر مُصیبت

ڈالتا ہے۔ حضرت نے اُسکے سینہ پر دست مبارک پھیر کر کچھ دعا کی۔ اسکے ساتھ ہی اُسنے کھنکارا اور اُسکے پیٹ میں سے کوئی سیاہ چیز نکلی اور اُسکو شفا ہوگئی۔ انتہیٰ۔

یہ روحانی تاثیرات ہیں طب جسمانی میں طبیب کو اسباب وعلامات دریافت کرکے دوا تجویز کرنیکی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں اُس کی ضرورت نہیں برائے نام ہاتھ پھیر دیا اور صحت ہوگئی۔ خواہ وہ بیماری اخلاط سے متعلق ہو یا جن وارواح خبیثہ کا اثر ہو۔

ایضاً ا

خصایص کبریٰ میں ہے کہ وازع رضہ حضرت کے پاس اپنے لڑکے لائے جنکو جنون تھا۔ آپنے اپنا دست مبارک اُن کے منہ پر پھیرا۔ اور دعا کی۔ اُسکے بعد وہ صاحبزادے ایسے عقلمند ہو گئے کہ وفد میں اُنسے زیادہ کوئی عقلمند نہ تھا۔ انتہیٰ

اس سے ظاہر ہے کہ دست مبارک کی برکت فقط اُسی مقام پر محدود نہیں ہوتی تھی جہاں وہ پھیرا جاتا تھا کیونکہ دست مبارک تو چہرہ پر پھیرا گیا تھا۔ اور جنون جسکا تعلق قواے دماغیہ سے ہے وہ زائل ہوکر قوت عاقلہ بجاے اسکے قائم ہوگئی۔ اور وہ بھی کیسی کہ بہ نسبت اوروں کے بدرجہا زائد۔

ایضاً

خصایص کبریٰ میں عمران بن حصین رضہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ یکایک حضرت فاطمہ رضہ تشریف لائیں اور حضرت کے سامنے کھڑی ہوئیں اُسوقت اُن کا چہرہ زرد تھا حضرت چہرہ دیکھکر پہچان گئے کہ بھوک کی شدت سے یہ بات ہوئی ہے اور دست مبارک اُنکے

دست مبارک رکھنے سے بھوک جاتی رہی۔

گلے کے نیچے جہاں قلادہ ہوتا ہے رکھکر انگلیوں کو کشادہ کیا اور دعا کی کہ یا اللہ بھوکوں کو سیر کرنیوالے اور پست کو بلند کرنے والے فاطمہ رضؓ بنت محمدﷺ کو بلند کر۔ عمران رضؓ کہتے ہیں کہ بمجرد اسکے بھوک کے آثار اُن چہرہ سے جاتے رہے۔ پھر اُسکے کئی روز بعد میں نے حضرت فاطمہ رضؓ سے اسباب میں سوال کیا تو فرمایا کہ اُس روز کے بعد سے مجھے بھوک سے اذیت کبھی نہیں ہوئی۔ انتہیٰ۔

یہ واقعہ پردہ سے پہلے کا ہے۔

اس حدیث شریف سے اہل بیت کے گزران کا حال ظاہر ہے کہ حضرت موصوفہ پر کتنے وقت کا فاقہ گزرا ہوگا۔ کہ جسم کا خون تحلیل ہو کر چہرے پر زردی نمایاں ہوئی۔ باوجود اسکے ایک روز بھی زباں پر نہ لائیں کہ ہم ایسے فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں اور آپ خزانے کے خزانے لٹا دیتے ہیں جس سے اجنبی لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ ان کو نفوس قدسیہ کہتے ہیں۔

اب یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ایک بار دست مبارک رہنے سے عمر بھر کی اذیت کا بند وبست ہوگیا۔ ایسے کام خدائی طاقت سے متعلق ہیں انمیں قوت بشری کو کوئی دخل نہیں جب یہ کام حضرت کے دست مبارک سے ظہور کیا تو اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر قدرت الٰہی ٹھہرے۔

چاند کے دو ٹکڑے کرنا اور عالم علوی اور سفلی میں تصرف کرنا اُسی قدرت سے متعلق ہے۔ جو لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہیں اُن کو بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے

فقر و فاقہ اہل بیت کرام۔

معجزات کا ظہور قدرت الٰہی سے ہوتا تھا۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت کی قدرت مانی جائے تو شرک لازم آجاتا ہے۔ اسوجہ سے وہ اکثر معجزات سے انکار ہی کر دیتے ہیں۔ زمانۂ سابقہ میں معتزلہ نے اس قسم کے اصول قائم کئے تھے۔ مگر اہل سنت وجماعت برابر معجزات کے قائل رہے۔ چنانچہ اسی جماعت کثیرہ کی وجہ سے ہم تک وہ معجزے پہونچے اگر وہ حضرات اس قسم کا خیال کر کے معجزوں کے احادیث کو موضوع خیال کر کے اپنی کتابوں میں نہ لکھتے تو ہم تک ہرگز پہنچ نہ سکتے۔ جو لوگ مدعی نبوت پچھلے زمانہ میں گزرے وہ سب جانتے تھے کہ مسلمان جب تک خوارق عادات نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائینگے۔ اسلئے وہ خوارق عادات ظاہر کرنیکے تدابیر سوچتے اور شعبدے وغیرہ لوگوں کو بتلا بھی دیتے جس سے بعضے لوگ اُنکے معتقد ہوتے اور بہت سارے اُن کی جلسازیوں پر مطلع ہو کر اُن کی تکذیب کرتے تھے۔ قادیانی مرزا صاحب نے اس قسم کے معجزات کا قطعی طور پر انکار ہی کر دیا۔ اور اُن سے متعلق احادیث کو موضوع ٹھیرایا۔ تاکہ معجزے دکھانے کا جھگڑا ہی جاتا رہے۔ افادۃ الافہام میں ہمنے اِسکے متعلق تفصیلی بحث کی ہے۔

خصایص کبریٰ میں خزیمہ رضؓ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے حضرت نے اُنکے چہرہ پر ہاتھ پھیرا۔ اُسکا اثر یہ ہوا کہ مرنے تک اُن کا چہرہ تروتازہ رہا۔ یعنی کبر سنی سے جو تغیرات واقع ہوتے ہیں وہ آنے نہ پائے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ دست مبارک کے

دست مبارک نے خزیمہ کے چہرہ کو ضعفی کے آثار کو روک دیا۔

اثر سے ہمیشہ اُنکے چہرہ سے جوانی نمایاں تھی دست مبارک کا یہ اثر کہ ہمیشہ جوانی باقی رہے ایک روحانی اثر ہے۔ ورنہ ہر سن کے فطرتی آثار ولوازم کسیطرح ترک نہیں ہو سکتے یہاں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت نے اسلام لاتے ہی اُن کے چہرے پر دست مبارک خصوصیت کے ساتھ کیوں پھیرا۔ مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اندرونی راز کوئی ضرور تھا۔ جس سے مقصود یہ تھا کہ اُن کا چہرہ ہمیشہ تر و تازہ رہے۔

خصائص کبریٰ میں ولید ابن عقبہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ بعد فتح مکہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ اپنے بچوں کو حضرت کی خدمت میں لاتے۔ اور حضرت اُنکے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ میری ماں نے مجھے بھی خوشبو لگا کر حضرت کی خدمت میں حاضر کیا مگر حضرت نے میرے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا۔ انتہیٰ۔

بیہقی نے یہ روایت بیان کر کے لکھا ہے کہ اُسکی وجہ یہ تھی کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید کو عامل بنایا تو اُسنے شراب پی نماز میں تاخیر کی۔ اور اقسام کے بُرے کام کئے جو مشہور ہیں یہی امور تھے جو عثمان رضہ کے قتل کے باعث ہوئے اسوجہ سے حضرت نے اُسکو ہاتھ نہیں لگایا۔ انتہیٰ۔

اُس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک کسی پر پھیرنا باعث سعادت دینوی و اُخروی تھا۔ اور جو اس سعادت کے مستحق نہ ہوتے اُن کی نسبت یہ شفقت نہیں ہوتی تھی۔ کیوں نہ ہو ہر شخص کے حالات آئندہ حضرت کے پیش نظر تھے پھر دیدہ و دانستہ اسکو اس برکت سے کیوں مشرف فرماتے

نفوذ ... (حاشیہ: [illegible])

زنا کے اجازت کی درخواست اور اس خواہش کا دفع ہونا

خصائص کبریٰ میں ابوامامہ رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک جوان نے حضرت
کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ یہ سنکر
ہر طرف سے اُنپر زجر و توبیخ کے نعرے بلند ہوئے حضرت نے اُن سے فرمایا
نزدیک آؤ۔ وہ نزدیک آئے۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں اچھا
معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ماں کے ساتھ کوئی زنا کرے۔ عرض کی یا رسول اللہ خدا تعالیٰ
مجھکو آپ پر سے فدا کرے۔ خدا کی قسم یہ ہرگز مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ فرمایا ایسطرح
لوگوں کو بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اُن کی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ پھر فرمایا
کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تمہاری بیٹی سے زنا کرے۔ عرض کی ہرگز نہیں
فرمایا اسیطرح لوگوں کو بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اُن کی بیٹیوں کے ساتھ
زنا کرے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تمہاری بہن کے ساتھ
زنا کرے۔ کہا ہرگز نہیں۔ فرمایا اسیطرح لوگوں کو بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ
کوئی اُن کے بہنوں کے ساتھ زنا کرے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے
کہ کوئی تمہاری پھوپھی کے ساتھ زنا کرے۔ کہا ہرگز نہیں۔ فرمایا اسیطرح لوگوں
کو بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اُن کی پھوپیوں کے ساتھ کوئی زنا کرے۔ پھر فرمایا
کہ کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تمہاری خالہ کے ساتھ زنا کرے۔ عرض کی
ہرگز نہیں۔ فرمایا اسیطرح لوگوں کو بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اُن کے خالاؤں
کے ساتھ زنا کرے۔ پھر حضرت نے اُن پر دست مبارک رکھکر فرمایا

یا اللہ ان کے گناہوں کو بخشدے اِن کے دل کو پاک کر۔ اور ان کو زنا سے بچا۔
راوی کہتے ہیں اُسکے بعد اُن کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھتے انتہیٰ۔
ف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی عورت پر عاشق ہو گئے تھے اور وصال کی ٹھہر بھی گئی
تھی۔ مگر خوف خدا سے بغیر اجازت نبوی اُس فعل کا مرتکب ہونا اُنہیں ناگوار ہوا۔
ہر چند جانتے تھے کہ زنا کی کسقدر بُرائیاں ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک یہ فعل کیسا
شنیع ہے یہاں تک کہ رجم اُس کی سزا ہے۔ مگر اُن کی راستبازی اور کمال ایمان
نے اس بات پر اُن کو آمادہ کیا کہ درخواست اجازت تو کرلیں۔ شاید خاص طور پر اجازت
ہو جائے۔ اسیوجہ سے عین مجمع میں حجاب کو بالائے طاق رکھکر درخواست کی۔
اس بدنما سوال کا تمام صحابہ پر ایسا اثر پڑا کہ ہر طرف سے زجر و توبیخ کے نعرے بلند ہوئے
اگر حضرت کا خیال نہ ہوتا تو تعجب نہیں کہ اچھی طرح اُن کی تادیب ہوتی جب صحابہ کا
یہ حال ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سوال کس قدر شاق گزرا ہوگا۔ مگر سبحان اللہ
موعظت حسنہ اِسے کہتے ہیں کس خوبی اور شائستگی سے اور نرمی سے آپنے
جواب دیا کہ خود اُن کی زبان سے اُنکا جواب کھلوا دیا۔ زبان سے جواب ہو جانا
آسان بات ہے۔ آدمی عقل کی بات کو مان ہی لیتا ہے۔ مگر اُس پر عمل پیرا ہونا مشکل
بات ہے۔ اسیوجہ سے علمائے واعظین ہمیشہ احادیث پڑھتے پڑھاتے اور
لوگوں کو سُناتے رہتے ہیں۔ مگر اُن میں عمل کرنیوالے اگر دیکھے جائیں تو بہت
تھوڑے نکلیں گے۔ اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ السلام

موعظت حسنہ

جیسے جلیل القدر نبی فرماتے ہیں وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کا بھی انتظام فرما دیا ۔ کہ دست مبارک کی برکت سے انکا وہ جوش کہ جنون کی حد سے قریب پہونچگیا تھا ٹھنڈا ہو گیا ۔ اور عمر بھر دست مبارک کا اثر باقی رہا کہ کبھی کسی عورت کو انھوں نے اچٹتی نگاہ سے بھی نہیں دیکھا ۔

اثر دست مبارک سے شک کا جاتا رہنا

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ ابیؓ ابن کعبؓ نے دو شخصوں کو دیکھا کہ قرأت قرآن میں اختلاف کر رہے ہیں ۔ ہر شخص کہتا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی پڑھایا ہے ۔ وہ اُن دونوں کو حضرت کی خدمت میں لے آئے ۔ حضرتؐ نے اُن دونوں سے پڑھوا کر سنا اور فرمایا کہ تم دونوں اچھا پڑھتے ہو ۔ ابیؓ کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے مجھے اس قدر شک پڑ گیا کہ جاہلیت میں بھی اتنا نہ تھا ۔ حضرت نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اللھم اذھب عنہ الشیطان یعنی اے اللہ شیطان کو اُن سے دور کر ۔ اُسکے بعد میری یہ حالت ہوئی کہ مارے شرم کے پسینہ پسینہ ہو گیا اور خوف الٰہی اس قدر غالب ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں انتہیٰ ۔

وجہ اختلاف قرأت کا بیان ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلام شریف مختلف الفاظ میں نازل ہوا ۔ چنانچہ اسی بنا پر سات قرأتیں ہوگئیں جو مشہور ہیں ۔ اختلاف قرأت کی حقیقت سمجھنا مشکل کام ہے اسیوجہ سے ابی ابن کعبؓ کو حضرت کی نبوت ہی میں شک پڑ گیا تھا ۔ اگر دست مبارک کی تائید نہ ہوتی تو اُن کے ایمان کا خاتمہ ہو گیا تھا ۔ اگرچہ انھوں نے کوئی ایسی بات

نہیں بتائی جس سے اصل قرآن میں اختلاف ہونیکی وجہ معلوم ہو سکے۔ مگر جب یہ کہدیا گیا
دست مبارک رکھنے کے بعد تسکین ہوگئی تو اب ہم کہ سکتے ہیں کہ وجدانی طور پر
بہ توفیق الٰہی اہل ایمان کو کوئی بات ضرور سمجھ میں آجاتی ہے جسکو بیان سے کوئی
تعلق نہیں۔ اور شیطان ہزار طرح سے شک ڈالے کچھ نہیں ہوتا۔

خصائص کبریٰ میں علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ
آنحضرت نے مجھے یمن کو قاضی بنا کر بھیجنا چاہا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ
آپ مجھے ایسی قوم کی طرف بھیجتے ہیں جہاں بوڑھے بوڑھے لوگ ہیں اور میں
ایک کم عمر شخص ہوں اور جانتا بھی نہیں کہ فیصلہ کسے کہتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مار کر بارگاہ کبریائی میں عرض کی یا اللہ اُن کو
فیصلہ کرنے کا طریقہ بتلا دے۔ انتہیٰ۔

علی رض فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اُسکے بعد مجھے کسی دو شخصوں کے فیصلہ کے وقت
ذرا بھی شک نہ آیا۔ دست مبارک کا یہ اثر ہوا کہ حضرت علی رض سے بہتر فیصلہ کرنیوالے
صحابہ رض میں کوئی نہ تھے۔ جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہے۔ اس میں شبہ
نہیں کہ ایسے مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو دعا کرتے تھے وہ دعا مقبول
ہوجاتی تھی۔ اور خدا یتعالےٰ کی طرف سے اُن امور کا ظہور ہوجاتا۔ مگر دست مبارک
جو ایسے موقعوں میں رکھا جاتا تھا۔ یہ حرکت بھی آنحضرت کی بے سبب نہ تھی۔ ورنہ
حضرت دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے جیسا کہ عادت شریف تھی۔ ہاتھ نہ اُٹھا کر

دست مبارک سے [illegible]

سینے پر ہاتھ رکھنا اس بات پر قرینہ ہے کہ شرح صدر ہونیکے لئے آپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ چونکہ شرح صدر بغیر حکم الٰہی نہیں ہوسکتا تھا۔ اِسلئے دعا بھی کی اور عالم اسباب میں ظاہری سبب کی بھی ضرورت ہے۔ اِسلئے اپنا دست مبارک شرح صدر کے لئے رکھا۔ تاکہ اُس کی بھی تاثیر ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ جسطرح دوائیں وغیرہ اسباب عالم اسباب میں تاثیر کیا کرتے ہیں۔ اسیطرح دست مبارک میں بھی تاثیر رکھی تھی جس کا ثبوت احادیث کثیرہ سے ملتا ہے۔

دست مبارک کی تاثیر سے چہرہ روشن ہوگیا۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ بشر بن معاویہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپنے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا کی۔ جہاں تک حضرت کا دست مبارک پہونچا تھا وہ مقام ممتاز اور روشن ہوگیا تھا۔ وہ روشنی بظاہر نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں محسوس تھی جو اُنکے جسم میں منتقل ہوئی اور نہ اُنکے جسم میں پوشیدہ تھی جسکو حضرت نے ظاہر فرمایا ہو۔ بلکہ دست مبارک کے اثر سے وہ روشنی اُسیوقت پیدا ہوگئی۔ یہ تھی دست مبارک کی تاثیر جس کا دسترس معدومات تک تھا۔

دست مبارک سے پانی کا پیدا ہونا۔

خصائص کبریٰ میں انس رضہ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قُبا کے طرف تشریف لے گئے حضرت کی خدمت میں ایک چھوٹا قدح لایا گیا۔ آپنے اُس میں دست مبارک داخل کرنا چاہا۔ مگر اُس میں گنجائش نہ تھی صرف انگلیاں اُسمیں رکھدیں اور حاضرین کو پانی پینے کے لئے فرمایا۔ انس رضہ کہتے ہیں

کہ میں دیکھ رہا تھا کہ پانی حضرت کی انگلیوں میں سے جوش مار رہا ہے۔ اور حاضرین وہ پانی پی رہے ہیں۔ یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے۔ اور وضو کر لیا۔ انسؓ سے ہم نے پوچھا کہ اُسوقت کتنے لوگ ہونگے۔ کہا اسّی سے زیادہ تھے۔ انسؓ سے دوسرا واقعہ اسی قسم کا مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام زورا میں ایک قدح منگوایا اور اُس میں اپنا دست مبارک رکھا۔ آپ کے انگلیوں میں سے پانی جوش مارنے لگا۔ جس سے کل صحابہ نے وضو کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اُنسے پوچھا کہ اُسوقت صحابہ کتنے تھے۔ کہا تین سو سے زیادہ تھے۔

یہ روایتیں بخاری اور مسلم میں موجود ہیں جنکا انکار ہو نہیں سکتا خصوصاً حضرات غیر مقلدین تو ان میں ذرا بھی شک نہیں کر سکتے۔ دیکھئے ان روایات میں اسکا ذکر بھی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پانی انگلیوں سے موجود کرنا چاہا۔ اُسوقت دعا کی ہو کہ الٰہی تو میری انگلیوں سے پانی پیدا کر کے سب کو سیراب فرما۔ بلکہ بطور خود پانی میں ہاتھ رکھدیا۔ اور پکار دیا کہ پانی پینے چلے آؤ۔ کونسا پانی جواب تک معدوم تھا اور اب حضرت کے دست مبارک کے کرشمہ سے وجود میں آیا ہے۔ کیا اس مقام میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے احادیث بیان کرنے والے مشرک ہیں جنکی تقریر سے شرک فی التخلیق لازم آتا ہے۔ میری دانست میں یہ کہنا بے ادبی ہوگا۔ کیونکہ اگر ایسے خیالات مشرکانہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا

احادیث سے تصرف فی الاکوان کا ثبوت اور انکی حقیقت

کہ پانی کی زیادتی کے لئے دعا کر کے اُس شرک سے لوگوں کو بچاتے۔ اس قسم کے حملے صرف علماؤں پر ہی نہیں بلکہ درباطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیں۔ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف سے پانی جو پیدا ہو گیا وہ مستقلانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف نہ تھا۔ بلکہ ہر مسلمان سمجھتا ہے کہ وہ تصرف و اقتدار خدا تعالے کیطرف سے حضرت کو عطا ہوا ہے شرک تو جب ہو کہ حضرت کو یا اولیاء اللہ کو مستقل بالذات با اقتدار مانیں۔ یعنی یہ اعتقاد ہو کہ اگر خدا تعالیٰ بھی اُن کے تصرف کو روکنا چاہے تو نہ رک سکے۔ چونکہ آنحضرت ؐ نے خدا تعالیٰ کی قدرت مستقل اور دوسروں کی عطائی یا ظلّی ہونا بارہا بیان فرمادیا تو اب اس کی ضرورت نہ رہی کہ ہر وقت دعا کر کے مسلمانوں کو معلوم کرائیں کہ ہماری قدرت مستقل نہیں ہے۔

انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا۔

خصائص کبریٰ میں زیاد ابن حارث صدائیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں طلوع فجر سے پہلے اُتر کر حاجت بشری کو تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو مجھسے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس پانی ہے۔ میں نے عرض کی بہت تھوڑا ہے جو آپ کو کافی نہ ہوگا۔ فرمایا اسکو ایک برتن میں ڈالکر لے آؤ۔ جب میں نے حاضر کیا تو اپنا دست مبارک اُس میں رکھا۔ ساتھ ہی حضرت کے دو انگلیوں کے بیچ میں سے ایک چشمہ جوش مارنے لگا اور فرمایا پکارو کہ جن کو پانی کی حاجت ہو آویں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اُس میں سے پانی لئے۔

حضرتؐ کی دعا سے کنوئیں میں پانی کا زیادہ ہونا

ہم نے عرض کی یارسول اللہ ہمارے قبیلہ میں ایک کنواں ہے۔ موسم سرما میں اُسکا پانی کافی ہوتا ہے۔ اور ہم سب وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جب موسم گرما آجاتا ہے تو اُسکا پانی کم ہو جاتا ہے۔ اور ہم لوگ متفرّق ہو کر جہاں پانی پاتے ہیں وہاں چلے جاتے ہیں۔ اب ہم لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور اطراف کے قبیلے ہمارے دشمن ہیں۔ آپ دعا فرمائیں کہ ہمارے کنوئیں کا پانی ہمیں کافی ہو جائے اور ہم ایک ہی جگہ جمع رہیں۔ متفرّق ہونے کی ضرورت نہ ہو۔ حضرتؐ نے سات کنکر منگوائے اور انکو اپنے ہاتھ میں لیکر کچھ دعا کی۔ پھر فرمایا کہ یہ کنکریاں لیجاؤ اور جب اُس کنوئیں پر پہنچو۔ اللہ کا نام لیکر ایک ایک اُس میں ڈالدو۔ وہ کہتے ہیں کہ جب وہ کنکر اُس میں ڈالے گئے تو اُس کنوئیں میں اتنا پانی آیا کہ ہم اُسکے تہ تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ انتہیٰ۔

انگلیوں کے بیچ میں سے پانی کا جوش مارنا ہرگز سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ حضرتؐ کے جسم مبارک میں کوئی پانی کا چشمہ تو تھا ہی نہیں جسکے کھولنے سے جاری ہو گیا۔ اور وہ بھی کسقدر کہ سینکڑوں آدمی اُس سے سیراب ہوئے اور وضو وغیرہ کئے۔ اِس قسم کی باتیں اُسوقت تک سمجھ میں آ نہیں سکتیں۔ کہ اللہ تعالےٰ پر اور اُسکے قدرت کاملہ پر پورا ایمان نہ ہو کہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اُس کی طرف "کُن" کا خطاب ہوتا ہے۔ اور وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے۔ جب مسلمانوں نے خدائتعالےٰ کے کلام کو بصدق دل مان لیا تو اب

اُن پر اُسکا سمجھنا آسان ہے کہ جہاں سے چاہے خدا تعالیٰ پانی کا دریا بہاوے اور جن لوگوں کو اِسپر ایمان ہی نہیں اور برائے نام مسلمانوں میں شریک رہنا چاہتے ہیں وہ خلاف عادت ہونے کا حیلہ کرکے معجزات کا اِنکار ہی کر دیتے ہیں

اِس حدیث شریف میں جو مذکور ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کو ہاتھ میں ملکر کنوئیں میں ڈالنے کو فرمایا اور اُس سے پانی بیحد بڑھ گیا۔ اِس سے ظاہر ہے کہ دست مبارک کا اثر اُس کنوئیں تک پہونچانا منظور تھا۔ اُسکی تدبیر یہ کی گئی کہ کنکریوں کو دست مبارک سے متاثر فرمایا۔ اور وہ اثر کنوئیں میں پہنچا۔ اور پانی فوراً بڑھ گیا۔ ظاہراً دست مبارک کا اثر کنکریوں میں محسوس نہ تھا مگر معنوی اثر اس قدر اُسمیں تھا کہ اُس کنوئیں کے پانی کو حد سے زیادہ بڑھا کر چھوڑا غرضکہ اِس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدار معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا ارادہ فرمایا اُسکو وجود ہو گیا۔ اُن لوگوں نے جب دست مبارک کا اثر دیکھا کہ اُس سے پانی جاری ہوتا ہے تو اپنے کنوئیں کا پانی زیادہ کرنے کی درخواست پیش کی اُسوقت حضرت کا بنفس نفیس تشریف لیجانا متعذّر تھا۔ اور اُن کی درخواست کو رد کرنا بھی مناسب نہ معلوم ہوا۔ اِسلئے کنکریوں کے ذریعہ سے دست مبارک کی برکت کو وہاں پہونچا دی۔

جن کنکریوں کو دست مبارک کا چھونا تھا اُن سے کنوئیں کے چشمے جاری ہو گئے۔

خصائص کبریٰ میں ابو یعلیٰ انصاریؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک روز پانی کے میسر نہ ہونیسے

سب پیاسے ہو گئے اور حضرتؐ کے پاس شکایت پہنچی حضرتؐ نے ایک گڑھا کھدوایا اور اُس میں چمڑا بچھا کر اُس پر اپنا دست مبارک رکھدیا اور فرمایا کہ کچھ پانی ہے ایک شخص نے تھوڑا پانی ڈولچی میں لایا۔ اُس سے فرمایا کہ میری ہتیلی پر وہ پانی ڈالدو۔ اور اللہ کا نام لو۔ ابو یعلیٰ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرتؐ کی انگلیوں میں سے فوراً پانی جوش مارنے لگا۔ اور اِتنا کثرت سے جاری ہوا کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے۔ اور اپنے سواری کے جانوروں کو بھی پلا دیا دیکھئے جب ہر طرف سے پیاس کی شکایت پہونچنے لگی تو حضرت نے کس وثوق سے گڑھا کھدوا کر اُس میں چمڑا بچھوایا۔ اور تمام لشکر کو پانی پلانے کا سامان کیا۔ ہر چند بعضے دیکھنے والوں کی عقل شاید اِس راز تک نہ پہونچی ہو گی کہ یہ کیا حرکت ہے۔ مگر اہل بصیرت سمجھ گئے ہونگے۔ کہ تمام لشکر کو پانی پلانیکی تدبیر کیجا رہی ہے۔ اگر بالفرض پانی کا چشمہ جاری نہ ہوتا تو لوگوں میں کس قدر چہ میگوئیاں ہوتیں۔ معلوم نہیں کہ کتنوں کے ایمان تباہ ہو جاتے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ جس بات کا ارادہ حضرت نے فرمایا اُسکا ظہور نہ ہو۔ کیونکہ اگر ظہور نہ ہوتا تو حضرتؐ کی رسالت میں شک پڑ جاتا اور ممکن نہیں کہ خدا تعالےٰ آپکو رسول بنا کر رسوا کرے البتہ بعضے مواقع میں حضرتؐ کے خلاف مرضی بعض امور واقع ہوے ہیں۔ مگر اُسکے اسباب دوسرے ہیں جنکو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے ؏

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند۔

معجزوں کی ضرورت۔

چند جزئی امور سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی امور صادر کیا کرتا تھا۔ بلکہ مقتضائے عقل یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل افعال مرضی الٰہی کے موافق تھے۔ اور حقتعالیٰ ہمیشہ آپ کی مدد فرمایا کرتا تھا۔

انگلیوں سے چشمے جاری ہونا۔

خصائص کبریٰ میں ابو عمر انصاری رضہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے ایک روز لوگ بہت پیاسے ہوے۔ آپنے ڈولچی منگواکر اُسکو اپنے روبرو رکھا اور تھوڑا پانی اُسمیں ڈالکر اُس میں کلی کی اور کچھ تلفظ فرمایا۔ پھر اپنی چھوٹی انگلی اُس میں رکھدی۔ راوی قسم کھاکر کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت کے تمام انگلیوں سے چشمے جاری ہیں پھر حسب ارشاد لوگوں نے خود پانی پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا۔ اور مشکیں ڈولچیاں بھر لیں۔ یہ دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔ یہاں تک کہ حضرتؐ کے کل دندان مبارک نظر آے۔ اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمدؐ اُسکے بندے اور رسول ہیں۔ جو شخص کہ اِن دونوں باتوں کو قیامت کے دن اللہ کے روبرو پیش کردیگا وہ ضرور جنت میں داخل ہوجائیگا۔ انتہیٰ۔

عرب کے جنگل میں جہاں پانی منزلوں نہیں ملتا۔ جب تمام لشکر پیاسا ہوگیا ہوگا تو کسقدر پریشانی کا وقت ہوگا۔ ایسی حالت میں حضرتؐ کے دست مبارک سے

خوشگوار چشمے پانی کے جاری ہو جاتا گو تن بیجان میں جان آجاتا تھا۔ اور دست مبارک کو وہ کس وقعت کی نظر سے دیکھتے ہونگے اسوقت کا تبسم فرمانا اس شعر کا مصداق تھا

ہر لبش گاہِ تبسم معجزہ دار دجدا ✤ یک لبش جاں میستاند یک لبش جاں میدہد

فیض دم صبح از لب خندانِ تو یا بند ✤ شہد یست شکر خندہ کہ در شانِ تو یابند

حضرت نے اِس واقعہ کے بعد جو خدا تعالیٰ کے معبود ہونے اور اپنے رسول ہونیکی گواہی دی اِس سے ظاہر ہے کہ افعال بغیر خدا تعالیٰ کے حکم کے صادر نہیں ہو سکتے۔ اور جنکے ہاتھ پر وہ صادر ہوتے ہیں اُسکے دعوے کے صداقت کی دلیل ہیں۔

شفاء اور اُس کی شرح میں روایت ہے کہ شرحبیل رضی اللہ عنہ کے ہتیلی میں غدود ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ تلوار یا گھوڑے کی باگ تھام نہیں سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت پیش کی آپنے چند بار دست مبارک اُن کی ہتیلی پر پھیرا فوراً اُن کی وہ شکایت دفع ہو گئی۔ اور کچھ اثر اسکا باقی نہ رہا

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ بشر بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُن کے والد معاویہ ابن ثور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ اور انکو تقید کیا کہ صرف تین باتیں عرض کرو۔ نہ کم نہ زیادہ۔

پہلے السلام علیک یا رسول اللہ کہو۔ اُسکے بعد عرض کرو کہ یا رسول اللہ میں اور دوسرے یہ لوگ صرف سلام کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔ اور تیسرے یہ عرض کرو کہ

دست مبارک کے اثر سے غدود کا جاتا رہنا۔

اثر دست مبارک سے دفع تنگی۔

آپ میرے لئے برکت کی دعا فرمائیں۔ بشیر رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ حضرتؐ نے تیسرے معروضہ کے بعد میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی راوی کہتے ہیں کہ جہاں دست مبارک لگا تھا وہ مقام اُن کا روشن ہوگیا۔ اور اُن میں یہ تاثیر پیدا ہوگئی تھی کہ جس چیز کو وہ چھوتے اچھی ہو جاتی انتہی ملخصاً۔ سبحان اللہ تینوں باتیں جو فرزند ارجمند کو تعلیم کیں کیسی شستہ اور برجستہ تھیں کہ اُنسے اخلاص ٹپک رہا ہے۔ صرف سلام کے لئے دور و دراز سے حاضر ہونا کمال اخلاص کی دلیل ہے۔ پھر دعا جو طلب کی اُس میں تو خاتمہ ہی کر دیا۔ برکت ایک ایسی چیز ہے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی اس میں متصور ہے۔ لغت میں "برکت" کے معنی نیک بختی' اور افزائش' و فزونی' کے ہیں۔ جب کسی کو نیک بختی اور ہر کام میں افزائش ہو تو اب کس چیز کی ضرورت رہی۔ اِس دعاے مبارک کے آثار تو ابدالآباد جاری رہیں گے۔ سردست اِسکے یہ آثار ظاہر ہوئے کہ جس بیمار و مصیبت زدہ اور معیوب چیز کو خواہ آدمی ہو یا جانور وغیرہ ہاتھ لگا دیا وہ اچھا ہو گیا۔ یہ شان نبوت تھی کہ حضرتؐ نے اُن کو نہ یہ فرمایا کہ میرے ہاتھ لگانے سے تم میں برکت آگئی۔ اور نہ یہ کہ تمہارا ہاتھ جسکو لگجاوے وہ اچھا ہوجائے گا۔ باوجود اسکے اِن تمام امور کا ظہور منجانب اللہ ہوتا گیا۔

ہمارے زمانہ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنی رسالت ثابت کرنے پر بڑا ہی زور لگایا۔ قران شریف سے استدلال کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جو کہا تھا۔

انی مبشرا برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد الخ وہ میں ہی ہوں ایسے مستند اور نص قطعی سے جو نبوت اپنے زعم میں ثابت کی گئی اُس کی یہ کیفیت کہ قسمیں کھا کھا کر باور کراتے ہیں کہ چنیں ہوگا اور چناں ہوگا۔ اور جب کچھ ہوا تو اُسکے خلاف چنانچہ مرزا صاحب قادیانی نے قسم کھا کھا کر کہا کہ خدا نے مجھسے کہدیا ہے کہ مرزا احمد بیگ کی لڑکی کے ساتھ میرا نکاح ہوگا۔ اور کسی دوسرے کیساتھ ہوگا تو اُسکا شوہر اور باپ تین سال کے اندر مر جائینگے۔ اور ایک الہام آتھم صاحب کے مقابلہ میں خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ مسٹر آتھم پندرہ مہینے میں مر جائیگا۔ اگر نہ مر جائے تو میرا منہ کالا کیا جائے۔ اور میرے گلے میں رسّہ ڈالدیا جائے اور مجھکو پھانسی دیجائے۔ باوجود اس وثوق کے وہ نہ مرا اور مدتوں زندہ رہ کر مقابلہ کرتا رہا۔ اس قسم کے کئی واقعات ہیں۔ اہل انصاف اصلی نبوت اور جعلی نبوت میں ان وقائع سے تمیز کرلیں گے۔ یوں تو باتیں بنانا آسان ہے کہہ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کا اِس میں کوئی قصور نہیں۔ نعوذ باللہ خدا تعالے نے جھوٹ کہدیا۔ کیونکہ مولویوں کی ایک جماعت اِس زمانہ میں امکان کذب باری کے قائل بھی ہوگئی ہے۔ مگر جن لوگوں کے نزدیک خدا تعالے اور برحق نبی کی وقعت و منزلت ہے۔ ایسی باتوں سے اِن کی تسکین نہیں ہوسکتی۔

یہ امر خاص توجہ کے قابل ہے کہ جس مقام میں دست مبارک پہنچا تھا وہ روشن ہوگیا۔ یہ امر ظاہر ہے کہ روشنی کا کوئی مادہ دست مبارک میں نہ تھا جو خیال کیا جائے

کہ وہ ڈالدیا گیا۔ نہ کوئی دوا لگائی گئی۔ پھر ہمیشہ کی روشنی کہاں سے آگئی۔ یہ معمّا اُسوقت تک حل نہیں ہوسکتا کہ یہ یقین کرلیا جائے کہ خالق عزّ وجل کو منظور رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہمیشہ نیک نام رہیں اور آپ کا نظیر قائم نہ ہو سکے۔

اثر دست مبارک۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ جابر بن سمرہ رضؓ کہتے ہیں کہ لڑکے حضرت صلعم کی خدمت میں آتے تو کسی کے ایک رخسار پر اور کسی کے دونوں رخساروں پر آپ ہاتھ لگاتے۔ ایک بار میں بھی حاضر ہوا۔ حضرتؐ نے میرے ایک رخسار کو دست مبارک سے مشرف کیا۔ چنانچہ وہ دوسرے رخسار سے خوش منظر ہوگیا

اثر دست مبارک بر چہرہ۔

کنز العمّال کی کتاب الحج میں ہے کہ حارث سہمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرفات پر تھے۔ عرب لوگ جوق جوق آتے اور چہرۂ مبارک کو دیکھکر کہتے ھٰذا وجہٌ مبارکٌ۔ میں بھی اس موقع میں حاضر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میری مغفرت کیلئے دعا فرمائیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اغفر لنا اور جھک کر میرے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کا چہرہ لنکے انتقال تک نہایت تر و تازہ تھا۔ انتہیٰ۔

یہ دست مبارک کی برکت ایسی محسوس تھی کہ کوئی اسکا انکار نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ تازگی معمولی نہ تھی ورنہ تخصیص سے بیان کرنیکی ضرورت ہی کیا۔

اثر دست مبارک و تاثیر آن بمحاسن

کنز العمّال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ خذیم رضی اللہ عنہ نے

اپنے فرزند حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ عرض کی۔ آپ نے اُن کو نزدیک بلا کر اُن کے سر پر دونوں ہاتھ رکھے اور فرمایا بارك الله فيه راوی کہتے ہیں کہ اُسکے بعد ان کی یہ کیفیت ہوئی کہ جس کسی کے چہرے پر ورم آجاتا یا کسی بکری کی تھن سوجھ جاتی تو لوگ ان کے پاس لے آتے اور وہ اپنے سر پر ہاتھ رکھکر یہ کہتے بسم الله على اثر يد رسول الله صلى الله عليه وسلم پھر وہ ہاتھ ورم کی جگہ پر مل دیتے فوراً ورم اُتر جاتا۔ انتہیٰ ملخصاً۔

دیکھئے حضرتؐ نے حنظلہ کے لڑکپن میں انکے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور اثر دست مبارک کا ان کی عمر بھر رہا اور اثر بھی کیسا کہ فقط وہی اس سے مستفید نہ تھے۔ بلکہ ہر کس و ناکس کو اس سے شفا ہوتی تھی۔ یہاں عقل حیران ہے کہ دست مبارک کی برکت اُن کے سر کے پوست پر قائم ہوئی۔ اسپر جب کبھی اپنا ہاتھ لگاتے اُن کے ہاتھ میں برکت آجاتی۔ پھر وہ برکت بیمار تک پہنچتی اور وہاں جاکر یہ اثر کرتی کہ اسکو صحت ہو جاتی۔ خیال کیجئے کہ کیسی دیرپا وہ برکت تھی اور کیسی متعدی کہ اُسکا سمجھنا عقول متوسطہ کے احاطۂ ادراک سے خارج ہے کیوں نہ ہو عقول متوسطہ کا تعلق جسمانیات سے ہے روحانیات سے اُن کو کیا تعلق۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں عطاؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سائبؓ کو دیکھا کہ اُن کے سر کا درمیانی حصہ سیاہ تھا اور باقی

سراور داڑھی سفید ہوگئی تھی ۔ میں نے اِسکا سبب دریافت کیا ۔ انہوں نے کہا میں لڑکپن میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسطرف گذر ہوا ۔ میں بڑھکر حضرتؐ پر سلام کیا ۔ حضرتؐ نے جواب دیکر فرمایا تم کون ہو میں نے عرض کی میں مزید کا بیٹا سائب ہوں ۔ حضرتؐ نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا بارك الله فيك ۔ دست مبارک کا یہ اثر ہے کہ وہ ہرگز سفید نہ ہوگا ۔ انتہیٰ ملخصاً ۔

دیکھئے یہ دست مبارک کا محسوس اثر تھا جسکو لوگ دیکھکر متعجب ہوتے تھے اور کسی کو اُس میں کلام کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی ۔ معقول کو محسوس کر دکھانا حق تعالیٰ ہی کا کام ہے ۔ اس میں بڑی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل ایمان سمجھ جائیں کہ آثار نبویؐ کے برکات جسطرح یہاں محسوس ہوئے دوسرے عالم میں بھی اُنکے برکات بطریق اولے محسوس ہونگے ۔ کیونکہ اس عالم میں تو عموماً اعراض جواہر کی شکل میں نمایاں ہونگے جیسا کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ وہاں میزان قائم ہوگی اور اعمال جو اس عالم میں اعراض تھے اس میں تُلینگے ۔ جب یہ امر مشاہد ہوگیا کہ آثار متبرکہ کے برکات کا ظہور مختلف طریقوں سے ہوا اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ زائرین آثار متبرکہ پر مختلف طریقوں سے اُن کے برکات اُس عالم میں ظاہر ہونگے ۔ بہر حال اُمید ہے کہ برکات سے کوئی خوش اعتقاد محروم نہ رہیگا ۔

اثر دست مبارک کا غلبہ طبیعت انسانی پر

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ محمد بن فضالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دو ہفتہ کا تھا کہ میری والدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مجھے لائیں اور درخواست کی کہ میرے حق میں برکت کی دعا فرماویں حضرت علیہ السلام نے دعا کر کے دست مبارک میرے سر کے پچھلے حصہ پر رکھا۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ جب وہ بوڑھے ہوئے تو اُن کے تمام جسم کے بال سفید ہو گئے تھے مگر وہ حصہ جہاں دست مبارک گزرا تھا اُس میں کوئی تغیّر نہ ہوا۔ انتہیٰ ملخصاً۔

سُبحان اللہ کیسا پُر زور اثر تھا کہ طبیعت تمام جسمانی قویٰ اور آلات جنکو اس کام میں دخل تھا متوجہ تھے۔ کہ جسطرح تمام بالوں پر اپنا اثر ڈالا اس متبرک مقام پر بھی اثر ڈالیں مگر اس اثر دست مبارک نے جو اس مقام کی حمایت کی کسی سے ایک بال بیکا نہ ہوا۔ کیا تعجب ہے کہ خوش اعتقاد زائرین کی حمایت پر آثار متبرکہ آمادہ ہو جائیں اور وہ آفات سے بال بال بچ جائیں۔

لکڑی کا تیر ہو جانا

شفا میں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ اُحد کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیر کی لکڑیاں دیتے تھے جنکو پیکان نہ ہوتا اور فرماتے چلاؤ تو وہ لکڑیاں تیر کا کام کرتی تھیں۔ انتہیٰ۔

یہ فقط دست مبارک کی برکت تھی ورنہ تیر کی لکڑی اگر تیر کا کام کرے تو پیکان لگانیکی ضرورت ہی کیوں ہوتی وہ مصنوعی تیر اس معرکہ کارزار میں یہ کہتا ہوا پہنچتا تھا شعر

تو مرا دل دہ و دلیری بیں
روبۂ خویش خوان و شیری بیں

شفاء اور اس کی شرح میں یہ روایت ہے کہ اُحد کے روز قتادہ رضؓ کی آنکھ میں تیر لگا اور آنکھ رخسار پر نکل پڑی۔ وہ حضرت کی خدمت میں اسی حالت سے حاضر ہوئے حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر چاہتے ہو تو آنکھ درست کر دیتا ہوں اور صبر کرتے ہو تو تمہارے لئے جنت ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ جنت بیشک بڑی اور نہایت عمدہ عطا ہے مگر مجھے کانے پن کا عیب گوارا نہیں ہوتا۔ آپنے دست مبارک سے آنکھ قدیم جگہ پر قائم فرمادی اور جنت کی دعا بھی کی۔ راوی کہتے ہیں کہ اُس آنکھ میں دوسری آنکھ سے زیادہ حسن و خوبی اور بصارت بڑھی ہوئی تھی۔ انتہیٰ۔

اس کی وجہ ظاہراً یہ معلوم ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو جس کو اصلاح میں دخل ہے اُسمیں حُسن بڑھا رہے تا کہ شانِ محبوبی عالم میں ممتاز طور پر نمایاں ہو۔

خصائص کبریٰ میں انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے طرف ایک لشکر روانہ فرمایا جس میں ابوبکر رضؓ بھی تھے اور فرمایا کہ بہت جلد جاؤ۔ کیونکہ تمہارے اور مشرکین کے بیچمیں پانی ہے۔ اگر وہ اس پر پہلے پہنچ جائیں گے تو تم لوگوں پر مشقت ہوگی اور پیاسے رہجائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ آدمیوں کے ساتھ پیچھے رہگئے۔ اور اُنسے

خارج شدہ آنکھ بحال ہو جانا

حسنِ جیب کی

تھوڑے سے پانی سے لشکر کی سیرابی

فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تھوڑی دیر آرام کر کے لوگوں کو ملا لیں؟ اُن لوگوں نے عرض کی بہتر ہے۔ چنانچہ سب سو رہے اور جب دھوپ کی تیزی نے اُن کو بیدار کیا تو حضرتؐ نے اُنسے فرمایا کہ حاجت سے فارغ ہو کر آجاؤ جب حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ کسی کے ساتھ پانی بھی ہے ایک شخص نے عرض کی میری ڈولچی میں تھوڑا پانی ہے۔ فرمایا لاؤ۔ جب حاضر کیا گیا تو دست مبارک اُسکو لگا کر برکت کی دعا کی۔ پھر حاضرین سے فرمایا وضو کرلو اور آپ اُن کو وضو کرانے لگے یہانتک کہ سب وضو کرلئے حضرتؐ نے اُن کو نماز پڑھا کر فرمایا کہ ڈولچی کی حفاظت کرو۔ کیونکہ قریب ہے کہ اُسکے لئے ایک شان ہوگی۔ پھر حضرتؐ سوار ہو کر لشکر کے جانب روانہ ہوئے۔ اصحاب سے فرمایا کہ تم کیا خیال کرتے ہو کہ اُن لوگوں نے کیا کیا؟ لوگوں نے عرض کئے۔ خدا اور اُسکے رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا اُن میں ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔ لوگوں کو راہ راست پر رکھیں گے۔ مگر مشرکین سبقت کر کے پانی پر پہنچگئے۔ اور لوگ سخت مشقت میں ہیں۔ اور وہ اور اُن کے جانور سخت پیاس میں مبتلا ہیں۔ جب حضرتؐ وہاں پہنچے تو وہ ڈولچی منگوائی۔ جسمیں تھوڑا سا پانی تھا۔ پھر اعلان دیا کہ سب آکر پانی پئیں۔ اور حضرتؐ نے پانی پلانا شروع کیا یہانتک کہ سب سیراب ہوگئے۔ پھر جانوروں کو پلایا اور جتنے پانی کے برتن یعنی ڈولچیاں مشکیں پکھال تھیں سب بھر لئے گئے۔ پھر حضرتؐ و صحابہؓ مشرکین کیطرف متوجہ ہوئے

اُسوقت منجانب اللہ ایک ہوا ایسی چلی کہ مشرکوں کے منہ پھر گئے۔ اور وہ بھاگنے لگے۔ چنانچہ بہت سے قتل اور بہت سے قید کئے گئے۔ اور بہت غنیمت ملی۔ اور حضرتؐ کامیابی کے ساتھ خیر وعافیت سے واپس تشریف لائے انتہٰی
تھوڑے پانی سے تمام لشکر کا سیراب ہونا سوا ے قدرت الٰہی کے ممکن نہیں۔ اسی قدرت کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے ہوا۔
خصائص کبرٰے میں ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھسے پوچھا کہ تمھارے ساتھ کچھ ہے؟ میں نے عرض کی کہ توشہ دان میں تھوڑی کھجور ہے فرمایا لے آؤ۔ میں نے حاضر کیا۔ وہ کل اکیس دانہ تھے۔ دست مبارک اُسپر پھیر کر کچھ دعا کی اور فرمایا کہ دس شخصوں کو بلالو میں نے بلایا وہ آئے۔ اور سیری سے کھا کر چلے گئے۔ پھر دس شخصوں کو بلانیکا حکم ہوا۔ وہ بھی فارغ ہوے۔ اسیطرح دس دس شخص بلاے جاتے اور سیری سے کھا کر اُٹھ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام لشکر کو اُن چند دانوں نے سیر کردیا اور تھوڑے باقی رہگئے۔ مجھے ارشاد ہوا کہ یہ تم اپنے پاس توشہ دان میں رکھ لو۔ جب تمھیں ضرورت ہو ہاتھ ڈالکر اُس میں سے نکال لیا کرو مگر یہ احتیاط رہے کہ سب اونڈیل کر پھیلا نہ دئے جائیں۔ ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ حضرتؐ کے زمانہ میں میں وہی کھجوریں کھایا کیا۔ اسکے بعد ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں اُن کھجوروں کو خرچ کرتا رہا۔ تخمیناً پچاس وسق فی سبیل اللہ

دیا۔ اور دو سو وسق سے زیادہ میں نے کھایا اور کھلایا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو وہ کھجوریں میرے پاس سے جاتے رہے۔ انتہیٰ۔

منتہی الارب میں لکھا ہے کہ "وسق" ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ہر صاع تخمیناً چار سیر کا۔

اکیس کھجوروں سے تخمیناً ڈیڑھ ہزار من کھجوریں خرچ ہونا۔ صرف خدا تعالیٰ کی قدرت سے متعلق ہے جس چیز کو وہ چاہتا ہے برکت دیکر زیادہ کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اُس میں برکت نہیں دیتا ہے۔ بلکہ زیادہ کو کم کر دیتا ہے ایک برگد کے درخت ہی کو دیکھ لیجیے کہ کتنا بڑا ہوتا ہے۔ اور جس تخم سے اُس کی نشو و نما ہوتی ہے وہ کس قدر چھوٹا ہے۔ اُس چھوٹے سے تخم سے جو دانہ خشخاش سے کسی قدر بڑا ہوتا ہے۔ اِتنا بڑا درخت جسکو وزن کیا جائے تو ہزارہا من ہو۔ اور جسامت دیکھی جائے تو ہزارہا آدمی اُسکے سایہ میں آسکتے ہیں۔ یہ نشو و نما کیسی قدرت نمائی ہے۔ جو در اصل یہاں بھی وہی برکت ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُس چھوٹے سے تخم میں برکت دیکر اُسکو اِتنا بڑھایا۔ کہ لاکھوں حصے اُس سے زیادہ ہو گیا۔ اگر یہاں یہ کہا جائے کہ درخت میں ہر روز بلکہ ہر وقت مٹی سے اُس کی مدد ہوتی ہے۔ جس سے وہ بڑھتا ہے تو ہم کہیں گے اس میں شک نہیں کہ خدا تعالیٰ جب برکت دیتا ہے تو اندرونی مدد ضرور ہوتی ہے۔ مگر یہ کہنا بلا دلیل ہو گا کہ زمین کی مٹی اُس کی

اکیس کھجوروں سے تخمیناً ڈیڑھ ہزار من کا خرچ ہونا

جسامت میں شریک ہو کر اُسکو بڑھاتی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کی جڑیں زمین میں گڑھی رہتی ہیں اور زمین اپنی حالت پر رہتی ہے۔ اگر زمین کے اجزا درخت کے جسامت میں صرف ہوتے تو جتنا درخت بڑا ہو تخمیناً اتنا ہی غار اُسکے جڑوں کے قریب ہوتا۔ حالانکہ برخلاف اُسکے جڑیں جب زمین میں گھستی ہیں تو وہاں کی مٹی متکاسف ہو جاتی ہے (یعنی سمٹ جاتی ہے) بہرحال یہ ہرگز ثابت نہ ہوسکیگا کہ درخت کے جتنے اجزا ہیں وہ صرف مٹی ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ سلالہ زمین اُس میں داخل ہوتا ہے مگر اُس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ کل سلالہ ہے۔ اُس میں برکت الٰہی کو دخل نہیں ؟

ایک پیمانہ کھانے سے اسّی آدمی سیر ہوے۔

خصائص کبریٰ میں ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوے۔ اور فرمایا کہ اہل صفہؓ کو بلاؤ۔ میں نے بلایا۔ اُسکے بعد ایک بڑا پیالہ رکھا گیا جسمیں جَو کی پکی ہوئی کوئی غذا تھی جو تخمیناً ایک مد یعنی ایک پسّو ہوگی۔ حضرتؐ نے اپنا دست مبارک اُس پر رکھ کے فرمایا کہ ہاں بسم اللہ۔ ہم نے کھانا شروع کیا۔ اور تقریباً اسّی شخص سیر ہو کر کھاے۔ جب فارغ ہوے تو وہ اُسی قدر بھرا ہوا تھا جو رکھنے کے وقت تھا البتہ اس قدر فرق ہوا تھا کہ حضرت کی انگلیوں کے آثار اُس میں نمودار تھے انتہیٰ۔

خصائص کبریٰ میں ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا کہ مکان کو جا کر کھو کہ کھانا جو کچھ تمھارے

پاس موجود ہو لاؤ۔ چنانچہ ایک صحنک مجھے دی گئی جسمیں عصیدہ تھا۔ جو ایک قسم کا کھانا آٹے اور گھی اور میٹھی چیز سے تیار کیا جاتا ہے۔ میں وہ لیکر حاضر ہوا۔ ارشاد ہوا کہ مسجد والوں کو بلالو۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ کھانا اتنا ہے۔ اور مسجد کے لوگ بہت۔ اگر نہ بلاؤں تو معصیت ہوئی جاتی ہے۔

بہر حال اُن کو بلایا اور سب جمع ہو گئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی انگلیاں رکھدیں۔ اور فرمایا اللہ کا نام لیکر کھاؤ۔ چنانچہ سب کھائے اور سیر ہوئے۔ اور میں نے بھی کھایا اور سیر ہو گیا۔ اور جب میں نے اسکو اُٹھایا تو جتنا رکھنے کے وقت تھا اُتنا ہی اٹھانے کے وقت بھی تھا۔ مگر فرق یہ تھا کہ اس وقت حضرت ؐ کے انگلیوں کا نشاں تھا۔

خصائص کبریٰ میں ابو قرصافہ رضؓ سے روایت ہے کہ ابتدائے اسلام میں میں یتیم اور ماں اور خالہ کی زیر پرورش تھا۔ اپنی چند بکریاں چرایا کرتا تھا۔ میری خالہ مجھے اکثر کہتی تھیں کہ اے لڑکے! اس شخص یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی نہ جانا۔ کیونکہ وہ اغوا دے کر گمراہ کردیں گے۔ میں چراگاہ کو جاکر بکریوں کو چھوڑ دیتا۔ اور حضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ارشادات مبارک کو سُنتا۔ پھر بکریوں کے پاس جاتا تو اُن کو دُبلے اور اُن کے تھنوں کو سوکھے پاتا۔ میری خالہ نے مجھ سے کہا کہ تیری بکریوں کو کیا ہوا۔ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں دوسرے روز ایسا ہی کیا۔ پھر تیسرے روز حضرت ؐ کی خدمت میں

کرامت کی برکت سے تبرک بر طرف ہے ہمارا ایمان۔

حاضر ہوکر اسلام سے مشرف ہوا۔ اور اپنی خالہ کا حال بیان کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ بکریوں کو لے آؤ۔ میں نے حاضر کیا حضرتؐ نے اُن کی تھنوں اور پیٹ پر ہاتھ پھیر کر دعا سے برکت کی۔ ساتھ ہی وہ چربی اور دودھ سے بھر گئیں۔ جب میں نے خالہ کے پاس اُن بکریوں کو لے گیا تو کہا کہ اے لڑکے! ایسے ہی چرانا چاہیئے۔ جب میں اُن کو یہ سب واقعہ کہہ سنایا تو وہ اور میری والدہ دونوں مشرف باسلام ہوئیں انتہیٰ۔

توفیق ازلی جب مددگار ہوتی ہے تو ایسے ہی آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھئے صاحبزادے جو یتیم و نابالغ تھے اُن کو حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا خیال پیدا ہونا اور بکریوں کو جن پر اُن کی روزی کا مدار تھا کس بیکسی کی حالت میں چھوڑ دینا حیرت انگیز بات ہے۔ کیونکہ یہ عمر تو ایسی نہیں ہوتی کہ اُسمیں آدمی اپنے منافع اُخروی کیطرف توجہ کرے۔ بلکہ یہ عمر تو وہ ہے کہ دنیوی منافع حاصل کرنیکے طرف بھی پوری توجہ نہیں ہوتی۔

غرض اُنسے یہ کام جو صادر ہوا بہت سے بڑے بڑے عقلا بھی نہ کر سکے

ع ایں سعادت بزور بازو نیست۔

خصائص کبریٰ میں ابو العالیہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اُس وقت بہت سے صحابہؓ جمع تھے آپکا خیال ہوا کہ اُن کو کچھ کھلائیں آپنے ہر محل سے کھانا طلب فرمایا۔ نوٗ ں

محلوں سے صاف جواب آیا کہ کھانے کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ آپ نے
ایک کم عمر بکری دیکھی کہ گھر میں کھڑی ہے اُسکے تھن پر ہاتھ پھیرا فوراً اُسکے تھن
پاؤں میں لٹکنے لگے۔ اور ایک کاسہ منگوا کر اُس کا دودھ ہر محل مبارک میں ایک
ایک کاسہ بھیجا گیا۔ اور سب صحابہؓ نے بہ سیری تمام اُسکو پیا۔ انتہیٰ۔

اہل انصاف اس واقعہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کا
کیا حال تھا۔ نو محلوں میں سے بھی تھوڑی سی کھانیکی کوئی چیز نہ نکل سکی۔
اس سے ظاہر ہے کہ جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ مجھے دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اسکا ثبوت صدہا ہزارہا واقعات سے
ہوتا ہے۔ یہ اصلی نبوت کے آثار ہیں کہ صرف ہدایت خلق اللہ مقصود تھی۔
برخلاف اِسکے حضرتؐ کے بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعوےٰ کیا ان کو سوائے
دنیا اور پیسہ کمانے کے اور کوئی مقصود نہیں۔ اُن کی یہ حالت ہے کہ
ہمارے اسلام ہی کے مسائل میں کچھ اُلٹ پھیر کر کے گھڑ لیتے ہیں کہ خدا
نے الہام کیا۔ وحی اُتری۔ اگر خوش اعتقاد لوگوں نے مان لیا اور ہر
طرف سے آمد شروع ہوگئی تو پھر کیا کہنا ہے بریانی ہر قسم اقسام کی نعمتیں استعمال
کیجاتی ہیں۔ جنکا تھوڑا سا حال ہم نے افادۃ الافہام میں لکھا ہے۔

اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ جو اقسام کی تدبیریں کر کے توفیر آمدنی کے ذرائع
قائم کرے۔ اور ایک بڑا حصہ اپنی آسائش اور منافع ذاتی میں خرچ کرے۔

کیا اُسکو نبوّت سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کے منافع بیحساب بیان فرمائے اور قرآن شریف میں بھی اُسکے لئے بہت کچھ ترغیب دی گئی ہے چنانچہ ہر فردِ بشر حتےکہ فقیر تک حضرتؐ کی خدمت میں صدقے لالاکے پیش کرتے۔ مگر حضرتؐ نے پہلے سے ہی فرمادیا کہ صدقات میرے اور میرے اہل بیت کے حق میں حرام ہیں۔ اور اس باب میں احتیاط اس قدر کہ کہیں کھجور پڑی ہوئی تھی۔ حضرت امام حسین رضؓ نے جو نہایت کم عمر صاحبزادے تھے کھانا چاہا۔ آپنے سختی سے اُن کو اس خیال سے منع فرمایا کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔ اب دیکھئے کہ مصنوعی نبوتوں اور اصلی نبوّت کے آثار ولوازم میں کسقدر فرق ہے۔

آپنے یہ بھی دیکھ لیا کہ ایسی بکری جو کبھی بیاہ نہ گئی ہو اُس سے اس قدر دودھ دھوہا گیا کہ کئی گھر کے لوگ اور ایک جماعت سیراب ہو گئی۔ اصلی نبوّت کے یہ آثار ہوتے ہیں۔

جعلی نبوّت میں جب اِس قسم کے معجزات کا صدور ممکن نہیں۔ اِسلئے مرزا صاحب نے صاف لکھدیا کہ جسقدر معجزات بیان کئے جاتے ہیں سب بے اصل محض ہیں۔ اِس سے زیادہ کیا ہو کہ قرآن شریف میں جن معجزات کا ذکر ہے اُن کا بھی اِنکار کرکے ایسی تاویلیں کیں کہ جسکو ذری بھی عربیت اور عقل ہو

مرزا صاحب نے معجزات کا انکار کیا۔

دست مبارک سے داد کا دفع ہونا

وہ ہرگز خیال نہ کرے گا کہ وہ معنی خدا تعالیٰ کی مراد ہیں۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ ابیض ابن حمال رضہ کے منہ پر داد تھا جو انکی ناک کو چر گیا تھا۔ حضرتؐ نے انکو بلا کر اُنکے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ فوراً دفع ہو گیا۔ اور اُسکا اثر بھی نہ رہا۔

اطباء لکھتے ہیں کہ امراض سوداویہ بہت دیر میں علاج پذیر ہوتے ہیں۔ کیسا ہی طبیب حاذق ہو۔ اگر داد کا علاج کرتا تو اُسکو کتنا زمانہ درکار ہوتا۔ پھر داد اگر زائل بھی ہوتا تو ناک جسکو داد نے چر گیا تھا۔ اُسکو از سر نو پیدا کرنیکی کیا صورت۔ میری دانست میں ایسی دوا کا ملنا نہایت دشوار ہے جو ناک کے اجزاء کو بڑھا کر اُسکو ہیئت اصلیہ پر لے آوے۔ ایسی سخت بیماری کو حضرتؐ نے صرف ہاتھ پھیر کر زائل فرما دیا۔

دست مبارک سے سفید بالوں کا سیاہ ہونا اور زبان کی گرہ کا کھلنا

خصائص کبریٰ میں ہے کہ بشیر بن عقربہ کہتے ہیں کہ جب جنگ اُحد میں میرے والد شہید ہوئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتا ہوا آیا۔ فرمایا کیوں روتے ہو کیا تم اسپر راضی نہیں ہو کہ میں تمھارا باپ اور عائشہؓ تمھاری ماں ہوں۔ اسکے بعد آپنے میرے سر پر ہاتھ پھیرا جسکا اثر یہ ہوا کہ باوجودیکہ تمام سر کے بال بوجہ پیرانہ سالی سفید ہو گئے تھے۔ مگر جہاں دست مبارک لگا تھا وہ اب تک سیاہ ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ میری زبان میں گرہ تھی جس کی وجہ سے میں بات برابر نہیں کر سکتا تھا۔ حضرتؐ نے اسپر تھوکا فوراً وہ گرہ کھل گئی اور عقدہ کشائی

ہو گئی۔ اسکے بعد ارشاد ہوا کہ تمھارا نام کیا ہے۔ میں نے عرض کی بحیر فرمایا نہیں تم بشیر ہو۔ انتہیٰ۔

لعاب مبارک سے جو بشیرؓ کی زبان کی گرہ کھل گئی یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس قسم کی عقدہ کشائیاں ہمیشہ ہوا کرتی تھیں۔ اور آپ نے اِن کا نام جو بدلدیا اسکی وجہ یہ تھی کہ بحیر کے معنی بدی اور عیب کے ہیں۔ آپکو ایسا نام پسند نہیں تھا۔ جسکے معنی میں کسی قسم کی بُرائی ہو اگرچہ کہ اعلام میں معنی کا لحاظ نہیں ہوتا مگر یہ تو ظاہر ہے کہ اگر کسی کا نام مثلاً شیطان یا خبیث رکھدیا جائے اور اس نام سے اُسے پکاریں تو اسکی خاطر شکنی ضرور ہو گی۔ ماں باپ جب کوئی بُرا نام اپنے بچے کا رکھدیتے ہیں تو عقل آنے کے بعد وہ کچھ کر تو نہیں سکتا مگر اُس نام سے پکارا جانا اُسکو بُرا ضرور معلوم ہوتا ہے اِسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بُرے ناموں کو بدلدیا کرتے تھے۔ یہ حضرتؐ کی کمال شفقت کا باعث تھا کہ دلشکنی کے اسباب کو آپ دور فرمادیا کرتے تھے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اکثر معاملات اور اخلاق حسنہ میں وہی امر ملحوظ ہے اور اسی پر اصلاح تمدن کا مدار ہے

شفاء اور اس کی شرح میں یہ روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں سخت بیمار ہوا اور حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا درد کی شدت میں یہ دعا کرتا تھا کہ الٰہی اگر موت آگئی ہے تو اس درد سے مجھے راحت دے اور اگر نہیں آئی تو شفاء دے اور اگر یہ آزمائش ہے تو

اسکو

[illegible]

سبجھے صبر عطا فرما۔ حضرتؐ نے سُنکر مجھے دعا دی اور ایک ٹھوکر ماری اسکے بعد وہ درد مجھے کبھی نہ ہوا انتہی ملخصاً۔

ٹھوکر کا یہ اثر تھا کہ مہلک درد ہمیشہ کے لئے جاتا رہا در اصل یہ اثر حضرتؐ کے قدم مبارک کا تھا جو اُن کے جسم کو لگ گیا۔

خصائص کبریٰ میں ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کسی شخص کو کہیں بھیجا اُس نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ناقہ نے مجھے تھکا دیا۔ وہ اپنے مقام سے اُٹھتی ہی نہیں۔ حضرتؐ نے وہاں تشریف لیجا کر اُسکو ٹھوکر ماری۔ ابوہریرہ رضؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ سامنے چلنے والوں سے بڑھجاتی تھی۔ انتہی۔

یہ ٹھوکر کا اثر تھا کہ ایسے مُردہ کو زندہ اور چُست و چالاک بنا دیا۔

شمس التواریخ وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانیکے بعد تین دن مکہ میں رہے۔ آنحضرتؐ کی طرف سے لوگوں کی امانتیں اُن کو سپرد کر کے مکہ سے باہر نکلے اور مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ رات کو پیادہ پا چلتے اور دن کو کسی ایک گوشے میں چھُپ رہتے ابھی حضرتؐ محلہ قبا ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ بھی پہنچ گئے۔ پیادہ روی کے باعث پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے اور نہایت ہی درد تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنا دست مبارک اُن کے پاؤں پر پھیر دیا۔ اور دعا رشفا کی۔ اُسی دم

آرام ہو گیا۔

ہر چند حضرت علی کرم اللہ وجہہ امام الاولیا ہیں اور اس قسم کے کرامات خود آپ سے صادر ہوتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کے مقابلہ میں اُن کا وجود ایسا ہی تھا جیسے چاند وغیرہ کواکب کا وجود آفتاب کے مقابلہ میں۔ اسیوجہ سے آبلہ وغیرہ کی شکایت کو دور نہ کر سکے جب تک کہ آنحضرتؐ کے دست مبارک نے دستگیری نہ فرمائی۔

سیرۃ النبویہ اور شمس التواریخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت میں لکھا ہے کہ اثناء راہ میں منزل قدید پر جو رابغ کے قریب ہے ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے حضرتؐ کا گزر ہوا۔ یہ ایک بہت عاقلہ بوڑھی عورت تھی۔ جو کوئی اُسکے خیمہ کے پاس سے نکلتا تھا اُسکی مہمانی کرتی تھی۔ آنحضرتؐ نے اُس سے خرما اور گوشت طلب فرمایا۔ اُس نے ایک آہ بھری اور کہا افسوس اس نواح میں ایسا سخت قحط ہے کہ ہمیں کئی کئی دن تک کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ میں مجبور ہوں آپ کی خدمت نہیں کر سکتی حضرتؐ کو بھی اسکے حال پر رحم آیا۔ آپ نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک بکری نظر آئی۔ آپنے دریافت کیا کہ یہ کس کی بکری ہے۔ ام معبدؓ بولی کہ ہے تو میری مگر لاغری اور بھوک سے کوئی دم کی مہمان ہے۔ اب اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی آپنے فرمایا کہ یہ تو بتاؤ کہ یہ دودھ بھی دیتی ہے یا نہیں۔ ام معبد نے جواب دیا کہ

جب لاغری کا یہ حال ہے تو دودھ کیا دیگی۔ آپ نے فرمایا کہ تم اجازت دو تو میں دودھ لوں۔ اُسنے جواب دیا شوق سے لیجئے۔ آپ نے اُس بکری کو اپنے پاس منگواکے اُسکے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ اور فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللھم بارك لھا فی شاتھا۔ یعنی اے اللہ ام معبد کی بکری میں اُسکے لئے برکت دے۔ فوراً اُسکے تھن دودھ سے بھر گئے۔ آنحضرت ؐ نے برتن منگا کر اپنے ہاتھ سے دوہا پہلے اہل خیمہ کو پلایا بعد ازاں اپنے ہمراہیوں کو۔ پھر خود پیا۔ اِس لاغر بکری سے اِتنا دودھ ملا کہ حاضرین نے دو دو بار پیا۔ اور ام معبد کے سارے برتن بھر دئے۔ آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسکا خاوند ابو معبد اکثم ابن ابی الجون آیا۔ اور گھر کے سب برتن دودھ سے بھرے دیکھکر حیران رہ گیا بیوی سے پوچھا گھر میں تو کوئی شیر دار جانور نہ تھا۔ پھر یہ دودھ کہاں سے آیا۔ ام معبد نے جواب دیا کہ ایک نہایت متبرک آدمی آیا تھا اُسکے ہاتھ کی برکت ہے۔ اِسی مُردہ بکری نے اِتنا دودھ دیا ہے۔ اُس مرد فرشتہ سیرت کی باتیں میٹھی صورت پیاری اور زبان فصیح اور بیان ملیح تھا۔ ابو معبد بولا واللہ وہ مرد قریشی ہے اُسے لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں جسکا شہرہ تمام عالم میں مچ رہا ہے۔ اگر میں اُسوقت موجود ہوتا تو اسکا ساتھ کبھی نہ چھوڑتا۔ اب میری آرزو ہے کہ میں اُس سے جا ملوں۔ غرضکہ دونوں میاں بیوی مدینہ میں پہنچکر

مسلمان ہو گئے۔

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی تلوار جنگ بدر میں جب ٹوٹ گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موٹی لکڑی اُن کو دی جو کسی درخت کی جڑ تھی۔ اور فرمایا کہ اس سے مارو۔ وہ اُنکے ہاتھ میں ایک دراز ڈول دار سخت چمکتی ہوئی تلوار ہو گئی جس سے وہ لڑتے رہے۔ چنانچہ ہر جنگ میں وہ اُسی سے لڑتے تھے۔ اُس تلوار کا نام عون رکھا گیا۔

لکڑی کا تلوار ہو جانا۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ قبیلۂ بنی اشہل کے کئی لوگوں نے خبر دی کہ سلمہ ابن اسلم کی تلوار جنگ بدر میں ٹوٹ گئی اور وہ نہتے رہ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈالی کھجور کی اُن کو دے کر فرمایا کہ اس سے لڑو۔ یکایک اُن کے ہاتھ میں وہ نہایت عمدہ تلوار ہو گئی۔ اور وہ ہمیشہ اُسکو اپنے پاس رکھتے تھے یہاں تک کہ شہید ہوئے۔

شمس التواریخ وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم کیا کہ مدینہ طیبہ کو ہجرت کر کے چلے جائیں۔ اور سب چلے گئے۔ اور صرف علی کرم اللہ وجہہ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے تو کفار کو یہ فکر ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہیں تشریف نہ لے جائیں اسلئے ایک رات کفار نے مکۂ معظمہ کے دار الندوہ میں مشورہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسطرح نجات پائیں۔ مختلف رایوں کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ ہر قبیلہ

ایک مشت خاک نے سب کو اندھا بنا دیا۔

سے ایک ایک جوان دلاور منتخب کیا جاے اور وہ سب مجتمع ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے قتل کر ڈالیں۔ جب ایسا ہوگا تو اُن کا خون سب قبائل پر بٹ جاے گا۔ اور بنی عبد مناف کو سارے قبائل کے مقابلہ کی طاقت نہ ہو گی۔ اور خونبہا پر راضی ہو جائیں گے۔ جب رات ہوئی تو قریش حضرتؐ کے آرام فرمانے کے منتظر بیٹھے۔ اور سرداران قریش مثل ابوجہل اور ابولہب وغیرہ نے اِس کام کو انجام دینا اپنے ذمہ لیا۔ آنحضرتؐ نے علی مرتضی رضہ کو فرمایا کہ کفار کا اِس قسم کا ارادہ ہو گیا ہے۔ اب میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ تم میری جگہ سو رہو تمھیں کچھ نقصان نہ پہنچیگا۔ اور یہ امانتیں جو قریش کی میرے پاس ہیں اُن کو پہنچا کر تم بھی مدینہ کو چلے آنا۔ یہ فرما کے حضرتؐ باہر نکلے۔ دیکھا کہ کفار مستعد کھڑے ہیں آپنے ایک مُشت خاک اُنپر ڈالی اور چند آیتیں پڑھیں۔ وہ مُشت خاک کل کفار کے آنکھوں میں پڑی اور کسی نے آپ کو نہ دیکھا جب حضرتؐ تشریف لے گئے تو ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑے ہو اور کس کا انتظار ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا صبح ہونے کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ صبح ہوتے ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مار ڈالیں گے۔ تاکہ بنی ہاشم دیکھ لیں کہ سب نے اکٹھا ہو کر اُن کو مارا ہے۔ اور اُنھیں بدلا لینے کی ہمت نہ بندھیگی۔ اُسنے کہا کہ لعنت ہے تم پر اندھو یہی شخص جو ابھی تمھارے سامنے سے نکلا اور چلا گیا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ اب تو ابوجہل اور سب کافروں نے سر پیٹ لئے

اور سب نے مٹی اپنے اپنے سروں پر پائی۔ یہ وہی مٹی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے وقت پھینکی تھی۔ انتہیٰ ملخصاً۔

دیکھئے دست مبارک کی مٹی میں کیسی برکت ہوئی کہ ان سب کفار کے آنکھوں میں اور سر پر پڑی اور اُن کو اندھا بنا دیا۔ اور حضرتؐ کے جاتے وقت کسی کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ کون شخص جاتا ہے۔ یہ سب قدرت نمائیاں تھیں کہ ہر طرح سے کفار پورے طور پر حضرت پر مسلّط کئے گئے۔ تمام شہر دشمن ہر شخص خون کا پیاسا اور ہر وقت قتل پر آمادہ اور رات کا وقت ہے کہ تمام سرداران قریش حضرتؐ کے دولتخانہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ اور حضرتؐ تنِ تنہا نہ گھر پر کوئی دربان ہے نہ محافظ نہ یار نہ رفیق۔ ایسی حالت میں اندرونی حکم صادر ہوا کہ اپنی جگہ علی کرم اللہ وجہہ کو سلا کر مدینہ کی جانب ہجرت کیجئے۔ جب آپ نے دروازے کے باہر قدم رکھا ہوگا اُس وقت حضرتؐ کی کیا حالت ہوگی کبھی تو اُن کی حماقت پر ہنسی آتی ہوگی۔ کہ یہ حمقا خدا کے مقابلہ کے لئے آکر کھڑے ہیں۔ اور کبھی شان کبریائی پر نظر پڑتی ہوگی۔ کہ کیسے کیسے سر برآوردہ اور کار آموزدہ بہادران قوم کو جن کی شجاعت تمام ملک عرب میں مسلم تھی مقابلہ کے لئے لاکر کھڑا کر دیا اور تدبیر یہ بتلائی کہ ایک مُشت خاک سے اُن کے سب منصوبے خاک میں ملا دئے جائیں۔ اسباب ظاہری پر جن لوگوں کو گھمنڈ ہوتا ہے اُن کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہیے کہ مسبب الاسباب کے مقابلہ میں کوئی سبب کارگر نہیں ہوتا۔ اور ایک ادنےٰ سبب ایسا پیدا ہو جاتا ہے

جو سارے اسباب کو نیست و نابود کر ڈالتا ہے۔

تفسیر ابن جریر میں آیۂ وما رمیت اذ رمیت کی تفسیر میں کئی احادیث نقل کئے گئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ قریش جب جنگ بدر میں حضرتؐ کے مقابل ہوئے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مُٹھی مٹی کفار کے طرف پھینکی۔ وہ مٹی ہر ایک کی آنکھ میں ناک میں، منہ میں پڑی اور وہ بھاگ گئے۔ اور صحابہ رضؓ نے اُن کا قتل اور قید کرنا شروع کیا انتہیٰ۔

دست مبارک کی برکت دیکھئے کہ ایک مُٹھی میں جس قدر مٹی آتی ظاہر ہے اتنی سی مٹی تمام لشکر کفار کے آنکھ، ناک، منہ میں جا پڑی۔ حالانکہ کفار نوسو (۹۰۰) سے زیادہ تھے۔ یہ واقعہ قرآن شریف میں موجود ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمیٰ۔ اِسکے بعد کون مسلمان ہوگا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت کا انکار کرسکے؟ کیا یہ واقعہ عقل کے موافق ہوسکتا ہے کہ ایک مشت خاک لشکر کی ہزیمت کے لئے کافی ہو ھرگز نہیں۔ یہ اثر دینا صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ اِسکا ظہور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے ہوا۔ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت تھی۔ جس نے ہر کافر کی آنکھ میں اُس مٹی کو پہنچایا۔ مگر در باطن وہ قوت اور قدرت الٰہی تھی اسواسطے آیۂ شریفہ میں ارشاد ہے کہ آپنے جب مٹی پھینکی آپنے نہیں پھینکی بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکی جسکا مطلب ظاہر ہے کہ بظاہر آپ کا پھینکنا تھا۔ اور

باطن میں وہی پھینکنا خدائتعالےٰ کا تھا۔ اسی پر تمام معجزات کو قیاس کر لیجئے کہ ظاہراً اُن کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و زبان وغیرہ جوارح سے ہوتا تھا۔ مگر در باطن وہ خدائتعالےٰ کا فعل تھا۔

خصائص کبریٰ میں ابوسفیان ابن سہل سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر پر چڑھائی کی تو یہود نے وہاں کے قلعوں میں پناہ لی۔ اور وہاں سے تیر مارنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک تیر حضرتؐ کے کپڑوں میں لگا حضرتؐ نے ایک مٹھی بھر کنکر قلعہ پر مارے جس کی وجہ سے اُس کی دیواروں میں زلزلہ ہوا اور زمین میں دھنس گئیں اور صحابہؓ نے اندر گھس کے اُن لوگوں کو گرفتار کرلیا انتہیٰ ملخصاً۔

چند کنکریوں کا قلعہ کی مستحکم دیواروں کو زمین میں دھنسا دینا اُس قوت کا اثر تھا جو دست مبارک سے نکلکر اُن کے ساتھ ساتھ قلعہ کی دیواروں تک پہنچی تھی۔ ورنہ کجا چند کنکر اور کجا دیوار قلعہ اور جو قوت کہ کنکریوں کیساتھ تھی اُسکے ساتھ حضرتؐ کی خاص توجہ کام کر رہی تھی جیسا کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو خصائص کبریٰ میں جابرؓ اور عروہؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ خیبر میں ایک حبشی غلام حضرتؐ کی خدمت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا نبی اللہ اگر میں اسلام لاؤں تو میرے لئے کیا ہوگا۔ فرمایا جنّت۔ چنانچہ وہ اسلام لایا اور جنگ کرنے پر آمادہ ہوکر عرض کی کہ یہ بکریاں جنکو میں چراتا ہوں لوگوں کی ہیں۔ کسی کی ایک۔

کسی کی دو۔ کسی کی زیادہ اُن کو مالکوں کے پاس پہنچانے کی کیا صورت ہے؟ فرمایا
کہ چند کنکریاں لیکر اُن کو مار کر ہانک دو۔ وہ سب اپنے مالکوں کے پاس چلی جائیں گی
چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ بس ہانکنے کے وہ بکریاں دوڑیں اور سب اپنے
اپنے مالکوں کے گھر پہنچگئیں اور اس ادائی امانت کے بعد وہ بزرگوار صف
کارزار میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے۔ اُنھوں نے کبھی نماز پڑھی نہ سجدہ
کیا۔ مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن کے پاس دو حوریں آئیں ہیں۔
انتہی ملخصاً۔

اُن بزرگوار کے کنکر مارنے سے جو بکریاں اپنے اپنے مالکوں کے گھر گئیں
وہ اُن کی قوت کا اثر نہ تھا۔ بلکہ وہ حضرت کی توجہ کا اثر تھا۔ اِس روایت میں
جو مذکور ہے کہ اُنھوں نے نہ نماز پڑھی نہ سجدہ کیا۔ باوجود اِسکے وہ جنتی
ہو گئے۔ اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ جنت میں جانیکے لئے نماز روزہ وغیرہ
کی ضرورت نہیں حالانکہ جنت معاوضہ اعمال قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ
حق تعالیٰ فرماتا ہے تلك الجنة التي اورثتموها بما كنتم تعملون۔ یعنی تم کو
اِس جنت کا اُن کاموں کے بدلے میں وارث کیا گیا جو تم کیا کرتے تھے
تلك الجنة التي نورث من عبادنا من كان تقيا۔ یعنی یہ وہ جنت ہے
کہ جسکا ہم سب اپنے بندوں میں سے اُسکو وارث کرتے ہیں جو پرہیزگار ہوتا ہے قولہ تعالیٰ
ونودوا ان تلكم الجنة اورثتموها بما كنتم تعملون۔ یعنی اُنکو سنا دیا جائیگا

جنت معاوضہ اعمال ہے

کہ تم اِس جنّت کے وارث کئے گئے ہو۔ اُن عملوں کی وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے ۔ اِن نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ جنّت جزائے اعمال حسنہ ہے ۔ اس لحاظ سے یہ کہنا پڑیگا کہ بغیر اعمال حسنہ کے آدمی مستحق جنّت نہیں ہوسکتا ۔ اس صورت میں مطلب اس حدیث شریف کا یہ ہوگا کہ ایمان لاتے ہی تھوڑی دیر میں وہ بزرگ شہید ہوگئے ۔ کیونکہ کوئی نماز کا وقت اُنپر نہیں گزرا جس سے اُنپر نماز واجب ہوسکے ۔ باوجود نماز واجب ہونیکے نہ پڑھنا اور مستحق جنّت ہونا کسی حدیث شریف سے ثابت نہیں ہوسکتا ۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ خدائے تعالےٰ اپنے فضل سے جنّت میں داخل کردے ۔

سیرۃ النبویّہ میں لکھا ہے کہ گروہ مخالفین میں حبان ابن العرفہ اور ابو سلمۃ جشمی فن تیراندازی میں اُستاد تھے ۔ نشانہ اُن کا بہت کم خطا کرتا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعید بن ابی وقاص کو حکم دیا کہ تم جا کر اُن کا مقابلہ کرو ۔ سعد یہ حکم سُنتے ہی کپڑوں میں پھولے نہ سمائے اور اُن دونوں کے مقابل کھڑے ہوکے تیر چلانے لگے ۔ حبان ابن العرفہ کا تیر ام ایمن کے جامہ پر دائیں طرف لگا وہ اُسوقت لشکر اسلام میں زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں ۔ حبان کی تیر سے اُن کا جامہ اتنا کھلگیا کہ ٹخنہ اور ساق نظر آگئی ۔ اُسپر ابن عرفہ قہقہہ مارکے ہنسا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسکی یہ حرکت نہایت ناگوار معلوم ہوئی ۔ آپ نے ایک تیر بے پیکان کا سعد کو دیکر فرمایا کہ اس سے حبان کو مارو ۔ سعد نے حکم انور کی تعمیل کی ۔

سعد بعد اظہار امتثال امر مستجاب الدعوات ہوگئے ۔

وہ تیر ٹھیک اُس کے سینے پر بیٹھا اور ابن عرفہ زمین پر گرا۔ اور ننگا ہو گیا۔ حضرت ؐ نے یہ دیکھکر تبسّم فرمایا اور سعدؓ کے حق میں دعا کی کہ الٰہی تو کبھی سعد کے سوال کو رد نہ کیجو۔ حضرت سعد رضؓ اُسوقت سے مستجاب الدعوات ہو گئے۔ پھر مدینہ میں جس کسی کو کوئی مشکل پیش آتی۔ وہ سعد سے دعا کراتا۔ فوراً اُس کی مراد بر آتی انتہی۔ لکڑی نے جو تیر کا کام کیا وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا اثر تھا۔ دراصل حضرتؐ کے غیرت کو بھی اُس میں دخل تھا۔ کیونکہ ابن عرفہ نے جو ساق کے کھلنے سے قہقہہ مارا تھا۔ اُس کو بھی اسی قسم کی سزا دینی منظور تھی۔ چنانچہ جب وہ گر کر ننگا ہو گیا تو حضرتؐ نے اس پر تبسم فرمایا اور سعدؓ نے جو حضرتؐ کی غرض پوری کی کہ بغیر چوں وچرا کے بے پیکان تیر مارا اور یہ عذر نہ کیا کہ یا رسول اللہ بے پیکان تیر مارنے سے کیا فائدہ۔ اِس امتثال کے صلہ میں یہ نعمت عظمیٰ عطا ہوئی کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں۔ وہ فوراً قبول ہو جائے۔

جس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کو اُن کا بے چوں وچرا حضرتؐ کے امر کا امتثال کرنا نہایت پسند ہوا اُس کے صلہ میں گویا وعدہ فرمایا۔ کہ سعدؓ جو کچھ ہم سے خواہش ظاہر کریں گے وہ چیز اُن کو دیجائیگی۔

سیرۃ النبویہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب مکہ معظمہ فتح ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر کے اونٹ سے اوترے۔ خانہ کعبہ میں دیکھا تو تین سو ساٹھ بُت برابر

ے چُنے ہوے تھے جن کے پاؤں زمین میں سیسے سے ایسے مضبوط جمائے گئے تھے۔ کہ کلہاڑی اور کُدال سے اُن کا اُکھڑنا مشکل تھا۔ حضرتؐ کے ہاتھ میں اُسوقت ایک چھڑی تھی۔ اُسسے ہر بُت سے لگا دیتے اور فرماتے تھے۔ جاء الحق وزھق الباطل وہ بُت اوندھے منہ زمین پر آجاتا تھا لوگ تعجّب کرتے تھے کہ سیسے سے جمی ہوئی مورتیں چھڑی کی اطاعت کر رہی ہیں۔ انتہیٰ ملخصاً۔

سبحان اللہ دست مبارک کا کیا اثر تھا کہ چھڑی میں وہ اثر پیدا کر دیا کہ بمجرد لگنے کے زمین میں گڑھے ہوے مستحکم بُت اوندھے منہ گر جاتے تھے۔ کیوں نہ ہو چھڑی حضرتؐ کے دست مبارک میں تھی اور حضرتؐ کا دست مبارک دست قدرت الٰہی میں۔ دیکھنے کو تو وہ حضرتؐ کا دست مبارک تھا۔ مگر دراصل اُس ہاتھ کی حقیقت ہی کچھ اور تھی جسکا ادراک معمولی عقلوں سے ممکن نہیں۔

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ فتح مکہ کے وقت جب حضرتؐ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ بن عمر رضؓ نے اپنے دل میں کہا کہ یہ موقع حضرتؐ کے قتل کا اچھا ہے۔ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف کرتے ہوے اُسکے نزدیک پہنچے تو حضرتؐ نے اُس سے فرمایا کیا فضالہ ہو؟ اُنھوں نے کہا! ہاں ہاں یارسول اللہ میں فضالہ رضؓ ہوں۔ فرمایا تم دل ہی دل میں کیا باتیں کر رہے تھے۔ کہا کہ کچھ نہیں۔ اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ سن کر حضرتؐ نے تبسم کر کے

خیالات فاسدہ کا دور ہو کر محبت پیدا ہونا۔

فرمایا کہ خدا سے مغفرت چاہو۔ پھر دستِ مبارک اپنا اُن کے سینے پر رکھ دیا جس سے اُن کے دل سے خیالاتِ فاسدہ دور ہو گئے۔

اِسکے بعد فضالہ رضہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم حضرتؐ نے اپنا دست مبارک میرے سینے سے نہیں اُٹھایا تھا۔ کہ میرے دل کی یہ کیفیت ہو گئی کہ مخلوق میں کوئی حضرتؐ سے زیادہ تر میرا محبوب نہ تھا۔ انتہیٰ۔

فضالہ رضہ کو ذکر الٰہی میں مشغول ہونے کی برمحل سوجھی۔ کیونکہ حضرتؐ اُسوقت طواف میں مشغول تھے۔ مگر بارگاہ نبوّت میں ایسی چالاکیاں کب چل سکتی تھیں۔ وہاں تو جس طرح چہرہ پیشِ نظر ہوتا ہے۔ دل پیش نظر ہوتے تھے حضرتؐ کا اُس موقع میں ہنسکر استغفار کرنے کے لئے فرمانے کا جو اثر فضالہ رضہ کے دل پر ہوا ہوگا۔ اُسکو اُنھیں کا دل جانتا تھا۔ مگر اِس شقاوت کو حضرتؐ نے اپنا دستِ شفقت پھیر کر دور کر دیا۔ اور اُس کا اِس قدر اثر ہوا کہ حضرتؐ سے زیادہ وہ کسی کو اپنا محبوب نہیں سمجھتے تھے۔ جب ایسے لوگوں کے ساتھ جو قتل کی تاک میں رہتے تھے۔ حضرتؐ کی یہ شفقت ہو تو خیال کیا جائے کہ محبّانِ صادق پر کیسی عنایتیں مبذول ہونگی۔

دوستاں را کجا کنی محروم　　تو کہ با دشمناں نظر داری

غرض کہ دست مبارک کا اُن میں یہ اثر ہوا کہ صرف ایمان ہی نہیں بلکہ کامل طور پر آپ کی محبت اُن کے دل میں جاگزیں ہوئی جس سے ہر طرح کے مراتب عالیہ

کے مستحق ہوئے۔

سیرۃ النبویہ صفحہ ۱۴۲ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز کعبۃ اللہ سے نکلکر مسجد حرام میں معہ صحابہ رضہ تشریف فرما تھے۔ ابوبکر رضہ اُٹھے اور جاکر اپنے والد ابو قحافہ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت ؐ کی خدمت میں لائے۔ کیونکہ وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت ؐ نے اُن کو فرمایا کہ اُن کو گھر ہی میں کیوں نہ رہنے دیا۔ میں خود اُن کے پاس جاتا۔ ابوبکر رضہ نے عرض کی یا رسول اللہ ان کو حضوری خدمت کا شرف حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ اِسکے بعد ابوبکر رضہ نے اپنے باپ کو حضرت ؐ کے روبرو بٹھایا۔ اور حضرت ؐ نے اُن کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا اسلم تسلم یعنی اسلام لاؤ۔ تو سلامت رہو گے۔ چنانچہ وہ اسلام لائے۔ اور حضرت ؐ نے ابوبکر رضہ کو اس کی مبارکباد دی۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ ؐ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپ کو نبی بنایا۔ اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ تر ابو طالب کے اسلام سے میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی۔ کیونکہ ابو طالب کے اسلام لانے کی زیادہ تر آپ کو خواہش تھی انتہیٰ۔

یہ دست مبارک کی تاثیر تھی۔ جس سے وہ فوراً مسلمان ہو گئے ورنہ ابتدا سے نبوت سے جس کو تخمیناً بیس سال سے زیادہ عرصہ گذرا تھا۔ وہ اِس

دست مبارک کے اثر سے اسلام لانا۔

دولت سے محروم تھے۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر آدمی زیادہ بوڑھا ہوتا ہے۔ اُس میں سخن شنوی کا مادہ کم ہوتا جاتا ہے۔ غرض کہ دست مبارک کے اثر سے اُن کو دولت ابدی حاصل ہوئی جس کی خوشی میں حضرتؐ نے صدیق اکبرؓ کو مبارکباد دی۔ فی الحقیقت صدیق اکبرؓ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ پہلے تو اُن کے والد کو سعادت ابدی حاصل ہوئی۔ دوسرے وہ عیب جاتا رہا جو باپ کے کافر ہونے سے لگتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ عکرمہؓ نے حضرتؐ کے روبرو شکایت کی کہ لوگ مجھے عکرمہ ابن ابی جہل کہتے ہیں حضرتؐ نے اُس سے لوگوں کو منع فرمادیا اس سے ظاہر ہے کہ باپ کے کفر وغیرہ کا اثر اولاد کے دل پر پڑتا ہے غرضکہ اِس عار کے دفع ہونے سے ابوبکرؓ کو بہت خوشی ہوئی جس کی مبارکباد حضرتؐ نے دی۔ مگر انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ ابوطالب اگر ایمان لاتے تو مجھے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی۔ کیونکہ حضرتؐ کی ذاتی خوشی اِسی میں متصور تھی۔ اس سے صدیق اکبرؓ کی محبت کا حال معلوم ہوتا ہے کہ بالذات فرحت پر بالعرض فرحت کو تفوق دیا۔ یہ کمالِ ایمان کا مقتضیٰ تھا۔ کہ جس بات میں حضرتؐ کی خوشی ہو اپنی خوشی، اور جس بات سے حضرتؐ کو رنج ہو اپنے کو رنج، اور جس پر حضرتؐ کا غصہ ہو اپنا غصہ، خواہ وہ بیٹا ہو یا باپ۔ جب تک یہ بات مسلمانوں میں رہی اسلام کا غلبہ رہا۔ اور جب سے

یہ بات کم ہوتی گئی۔ اسلام میں ضعف آتا گیا۔ اور اب تو یہ نوبت پہنچگئی ہے کہ تقریباً وہ صفت ہی مفقود ہے۔ احادیث سے ظاہر ہے کہ کن امور کو حضرت پسند فرماتے تھے۔ اور کن امور سے نفرت تھی۔ اور کن صفات کے لوگوں سے دشمنی یا دوستی تھی۔ بہت سے لوگ یہ سب جانتے ہیں۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ جس کام میں اپنا نفع دیکھا وہ کرلیا۔ خواہ وہ کیسا ہی مبغوض خدا و رسول کیوں نہ ہو۔ اور جس سے کوئی دنیوی کام نکلنے کی اُمید ہوا اُسکے ساتھ خاص تعلق اور میل جول پیدا کرلیا اور اِس کی کچھ پروا نہیں کہ حضرت ؐ نے اُن سے احتراز کرنے کے لئے کیسی کیسی تاکیدیں کیں ہیں۔

ایک مشت خاک سے لشکر کو بھگا دینا

سیرۃ النبویہ میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا تو ہوازن جو ایک بہت بڑا قبیلہ فنون جنگ میں نہایت ماہر اور تیر اندازی میں مشہور تھا۔ حضرت ؐ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوا اور تیس ہزار (۳۰۰۰۰) کا لشکر فراہم کرکے بارادۂ جنگ پیش قدمی کی۔ حضرت ؐ بھی بارہ ہزار کے لشکر کیساتھ روانہ ہوئے۔ جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اور ہوازن کے تیر متصل پڑنے لگے۔ مسلمانوں کے پیر اُکھڑ گئے اور لشکر اسلام کو ہزیمت ہوئی۔ حضرت ؐ کے ساتھ صرف چند صحابہؓ کبار تخمیناً سو آدمی رہ گئے اُسوقت حضرت ؐ نے ابن مسعود رضؓ سے فرمایا کہ زمین سے تھوڑی مٹی اُٹھادیں یہ سنتے ہی مادہ خچر جس پر حضرت ؐ سوار تھے اِسقدر جھک گئی کہ اُس کا پیٹ زمین سے

قریب ہو گیا۔ اور حضرت ﷺ نے ایک مٹھی مٹی کنکر زمین سے اُٹھا کر کافروں کی طرف پھینک مارا اُس مٹھی کنکر میں اس قدر برکت ہوئی کہ تمام لشکر کفار کے آنکھوں میں پڑی جو لوگ اُس واقعہ میں شریک تھے اُن کا بیان ہے کہ اُس مٹی سے ہم سب کی آنکھیں اور منہ بھر گئے تھے اور ہمارے سینوں میں رعب کی ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی۔ غرضکہ اُن کو ہزیمت ہوئی۔ اور جن اہل اسلام کے پیر اُکھڑ گئے تھے انھوں نے پلٹ کر اُن کا تعاقب کیا اور مال کثیر غنیمت میں ملا۔ اہل اسلام سے اُس وقت اُس جنگ میں صرف چار آدمی شہید ہوئے۔ اور کفار کے تین سو سے زیادہ مارے گئے۔ اور بہت سے قید کئے گئے۔ اور چھ ہزار عورتیں، چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی اور بہت سارے بیل گائے وغیرہ غنیمت میں ملے۔ اور اِس جنگ کے بعد بہت سے کفار مکہ وغیرہ مشرف باسلام ہوتے گئے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

دیکھئے ایک مشت خاک سے تیس ہزار آدمیوں کے آنکھوں اور منہ کو بھر دینا۔ اور سب کے دل میں رعب پیدا کر کے ہزیمت دینا کیسی بات ہے کیا کسی فرد بشر سے یہ کام ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہر چند حضرت ﷺ کے ساتھ بھی لشکر کثیر تھا۔ یعنی بارہ ہزار کا لشکر جرار تھا۔ جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اس کثرت پر ہم کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے

قرآن شریف میں اس کی خبر دی ہے قولہ تعالیٰ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم
مگر اس لشکر کثیر کو فتح میں کسی قسم کا دخل نہ تھا۔ فتح تو اُسی مشت خاک سے وابستہ
تھی جس نے بہمراہی قوت بازوے نبوی لشکر کفار میں جاکر سب کی آنکھیں اور منہ کو
بھر دیا اور دل میں رعب ڈال دیا۔ ہاں اسلامی لشکر نے اتنا تو کیا کہ بعد فتح
مال غنیمت بہت سا جمع کر لیا۔

باوجود کثرت کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو ہزیمت ہوئی اُس کا سبب سوائے اس کے
اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ کہ اُس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیال میں یہ بات تھی کہ لشکر کثیر
صرف اپنے قوت بازو سے فتح کر لیگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی طرف
ان کی نظر نہ تھی۔ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اُن کو مشاہدہ کرادے کہ جتنے فتوحات
اور ترقی اسلام ہو رہی ہے۔ وہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توجہ کا
اثر ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشارۃً یہ ثابت فرما دیا
کہ ہم ایک مشت خاک سے وہ کام لے سکتے ہیں جو تمہارے لشکر کثیر سے
نہ ہو سکا۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً کسی پر اس موقع میں یہ عتاب نہیں فرمایا کہ
تیس ہزار کے مقابلہ میں اپنے نبی کو تن تنہا چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی غرض
سے بھاگ جانا کس قدر بے حمیتی تھی مگر اشارۃً اس مضمون کو ادا فرما دیا
اس میں بڑا راز یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے اس حرکت سے غالباً غصہ نہ آیا
ہوگا۔ کیونکہ غصہ تو جب آئے کہ اُن کے بھاگ جانے کا برا اثر کچھ حضرت پر

پڑنے کا احتمال ہو۔ وہاں تو یہ اطمینان تھا کہ تیس ہزار تو کیا اگر تمام روئے زمین کے کفار مقابل ہوں تو ایک بال بیکا نہ کر سکینگے۔ چنانچہ ابتداے نبوت سے ہر وقت یہی امر پیش نظر رہا کرتا تھا۔

حضرتؐ کی سواری کے جانور کی وہ حرکت کہ مٹی کی ضرورت کو سنتے ہی زمین سے قریب ہو گیا۔ کس قدر عبرت خیز ہے۔ اور اس سے یہ امر ثابت ہو رہا ہے کہ حضرتؐ کے فتوحات معمولی نہ تھے جیسے سلاطین کے ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ حیوانات، نباتات، جمادات، آپ کی مدد کے لئے مستعد رہا کرتے تھے اسی کو دیکھ لیجئے کہ جب مٹی حضرتؐ کے ہاتھ سے نکلی۔ تو وہ کافروں کے آنکھوں اور منہ کو تلاش کر کے وہاں پہنچ جاتی تھی۔ باوجودیکہ کفار متفرق مقاموں میں پھیلے ہوئے تھے۔ برابر سب کے آنکھوں اور منہ میں جانا کیسی عاقلانہ حرکت تھی۔ بات یہ ہے کہ عقل خدا کی مخلوق چیز ہے۔ جہاں چاہے وہاں پیدا کر دے۔ اور جس سے چاہے چھین لے۔ دیکھئے بہت سے عقلا مجنون ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اُن کی صورت نوعیۂ انسانی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ جب عقلمند کو بے عقل بنانے پر وہ قادر ہے تو اُسی قدرت سے بے عقل کو عاقل بنا دیتا ہے۔ اِسی موقع میں دیکھ لیجئے کہ تقریباً بارہ ہزار جلیل القدر صحابہ رضہ جنکو بلحاظ ایمان کے دیکھا جائے تو قیامت تک کے مسلمانوں سے ایمان میں کامل تر نظر آئیں گے۔ اور عقل کے لحاظ سے اپنے کل اقران و اماثل سے بڑھے ہوئے تھا

زیادہ تر عاقل تھے جس کی وجہ سے توحید اور رسالت کے قائل ہو گئے۔ مگر صرف ایک خطا جو ان سے سرزد ہوئی یعنی (غرور) اس سے اُن کی عقل چھین لی گئی اور حضرتؐ کو تن تنہا چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ اور سواری کے جانور اور مٹی نے وہ عاقلانہ کام کئے۔ جس سے عقلا کی عقلیں حیران ہیں۔

سیرۃ النبویہ صفحہ ۱۸۸ میں عرباض رضؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ تبوک میں تھے۔ ایک رات آپ نے بلال رضؓ سے فرمایا کہ تمھارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ ہم نے توشہ دانوں کو جھٹک کر خالی کر دیا۔ فرمایا۔ دیکھو شاید کھیں کوئی چیز ملجائے یہ سُنکر انھوں نے ایک ایک توشہ دان کو جھٹکنا شروع کیا۔ کسی میں سے ایک کھجور اور کسی میں سے دو کھجوریں گریں۔ یہاں تک کہ اُن کے ہاتھ میں سات کھجوریں جمع ہوگئیں۔ آپ نے ایک برتن منگوایا۔ اور اس میں وہ کھجوریں ڈالدیں۔ اور دست مبارک اُن پر رکھکر فرمایا بسم اللہ کھاؤ۔ تین شخصوں نے اُن کھجوروں کو کھایا۔ میں نے جو کھجوریں کھائیں۔ اُن کے گٹھلیوں کو گنا تو چون ۵۴ تھیں۔ جن کو بائیں ہاتھ میں جمع کر رہا تھا۔ اسی طرح اور دو شخصوں نے بھی سیری سے کھائیں۔ جب ہم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ تب بھی برتن میں سات کھجوریں موجود تھیں۔ حضرتؐ نے اُن کو اٹھا رکھنے کے لئے فرمایا پھر دوسرے روز وہی کھجوریں منگوائیں۔ اور اپنا دست مبارک رکھکر فرمایا۔ بسم اللہ

جنگ تبوک میں صرف سات کھجور کثیر مقدار ہو گئے بہت سے صحابہؓ نے کھانے کے بعد بھی پھر اتنے ہی ہے۔

کھاؤ۔ اس وقت ہم دس آدمی تھے۔ سب نے سیری سے کھائیں اور وہ کم نہ ہوئیں پھر فرمایا کہ اگر مجھے اپنے رب سے شرم نہ ہوتی۔ تو ہم یہی کھجوریں مدینہ تک کھاتے اسکے بعد وہ کھجوریں ایک لڑکے کو دے دیں۔ اور وہ کھاتا ہوا چلا گیا۔ انتہیٰ۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ حضرت کا فقر اختیاری تھا۔ کیونکہ اقتدار میں یہ بات تھی کہ اُن سات کھجوروں میں جتنی چاہتے برکت دیتے۔ مگر خدا تعالیٰ سے شرم کر کے اُن کھجوروں کو خرچ فرما دیا۔ اور اسی سبب سے تو شنگی اور بے سرو سامانی کو ترجیح دی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اُن سات کھجوروں کی کوئی خصوصیت نہ تھی جن کھجوروں پر آپ ہاتھ رکھدیتے اُس میں برکت ہو جاتی۔ مگر آپ کو یہ منظور نہ تھا۔ کہ خودی اور ذاتی تصرف سے اپنا رزق حاصل فرماویں جس سے بظاہر شان ربوبیت اور رزاقیت الٰہی میں کسی قدر کمی ظاہر بینوں کی نظر میں ہونے کا اندیشہ تھا۔ محققین کے نزدیک عبودیت تمام مقامات سے افضل و اکمل ہے اور یہی مقام حضرت کا تھا۔ تو حضرت اس کو کب گوارا فرماتے کہ ظاہر بینوں کو وہ موقع مل سکے؟

غرضکہ آپ ہمیشہ فقر و فاقہ میں خوش رہتے۔ اور جب تک منجانب اللہ کوئی تدبیر نہ ہوتی آپ اپنے اختیار و اقتدار کو اپنے معاملہ میں صرف نہ کرتے۔

اسی قسم کی ایک روایت دوسری بھی ہے جو سیرۃ النبوۃ میں مذکور ہے کہ زیاد ابن حارث صدائی رضؓ کہتے ہیں کہ کسی سفر میں میں حضرت کے ساتھ تھا

مقام عبودیت

اور چونکہ ایک قوی شخص تھا حضرت ؐ سے علیحدہ نہیں ہوا۔ ایک روز صبح کے وقت
حضرت ؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اذان کہو میں نے اپنی سواری ہی پر بیٹھکر
اذان کہدی۔ اور ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ ٹھیرے۔
اور حضرت ؐ حاجت کو جا کر واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ تمھارے پاس
کچھ پانی ہے؟ میں نے عرض کی کہ ڈولچی میں ہے۔ مگر وضو کے لئے کافی
نہ ہوگا۔ فرمایا کہ وہی لاؤ۔ جب میں لایا تو فرمایا۔ ایک بڑے پیالے میں اسے
ڈالدو۔ چنانچہ میں نے لاکر پیالے میں لاکر ڈالدیا۔ حضرت ؐ نے اُس میں ہاتھ
رکھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ حضرت ؐ کے ہر دو انگلیوں کے بیچ میں سے پانی کا
چشمہ جاری تھا۔ پھر حضرت ؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ سے مجھے شرم
نہ ہوتی تو اِسی طرح ہمیشہ ہم پانی پیتے پلاتے رہتے۔ پھر آپ نے وضو فرمایا
اور حکم دیا کہ پکاردو۔ جس کو وضو کی حاجت ہو اِس پانی سے وضو کرلیں۔ چنانچہ
سب لوگ وضو سے فارغ ہوئے۔ اور بلال رضؓ آئے اور چاہتے تھے
کہ اقامت کہیں۔ حضرت ؐ نے فرمایا کہ صدائی رضؓ نے اذان کہی ہے۔
اور جو اذان کہے اقامت بھی اسی کو کہنا چاہیئے۔ پھر حضرت ؐ آگے
بڑھے اور نماز پڑھائی۔ انتہی ملخصاً۔

اِس حدیث شریف سے بھی یہی ظاہر ہے کہ حضرت ؐ کے اقتدار میں یہ بات تھی
کہ جب چاہیں لشکر کو پانی پلادیں۔ مگر حیا دامنگیر تھی کہ یہ کام خاص خدا تعالیٰ کا ہے

اِس میں دخل دینا کہیں خلاف مرضی نہو۔ اِس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر حضرتؐ اپنا اقتدار صرف کرکے ضرورت کے وقت کھلاتے اور پلاتے تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے کوئی عتاب نہ ہوتا۔ ورنہ حضرتؐ یہ فرما دیتے کہ اگر میں ایسا کروں تو مجھے عتاب الٰہی کا اندیشہ ہے۔ بجائے اِس کے فرمایا کہ اِن کاموں کے کرنے سے حیا مانع ہے۔ منشاء اسکا یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق تمام کام انجام دیا کرتا تھا۔ باوجود اِس کے اپنے اقتدار سے ایسے امور کو وجود میں لانا جن کا متکفل خود خدائے تعالیٰ ہے کسی قدر خلاف شانِ نبویؐ تھا۔ خدا جانے اور اِس کے سوا کیا کیا اُمور باعث حیا تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حق تعالیٰ کے باہمی خصوصیات میں ممکن نہیں کہ کسی کی عقل راہ پاسکے۔

غرض کہ یہ سب لوازم کمال عبودیت کے تھے۔ جن کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کسی قسم کی خودنمائی اور خودسری وجود میں نہ آئے۔

یہی وجہ ہے کہ غزوۂ حدیبیہ میں ایسے امور حضرتؐ سے ظہور میں آئے کہ اظہار شانِ نبوت اور حضرتؐ کی علوئے منزلت کے مناسب نہیں معلوم ہوتے۔

چنانچہ مختصراً وہ واقعہ سیرۃ النبویہ وغیرہ کتب سیر سے لکھا جاتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اور صحابہ رضؓ

واقعۂ حدیبیہ

بلبیت اللہ میں امن کے ساتھ احرام کھول کر داخل ہوئے۔ اِس خواب کے بعد حضرتؐ نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ کا قصد فرمایا۔ اور ڈیڑھ ہزار صحابہ رضؓ حضرتؐ کے ہمراہ ہوئے۔ جب حدیبیہ کو پہنچے جو مکہ معظمہ سے نو میل پر واقع ہے۔ کفار کو خبر ہوئی۔ انھوں نے بالاتفاق فیصلہ کر لیا کہ حضرتؐ کو مکہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔ اور یہ بات حضرتؐ کو کہلا دی۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ہم صرف عمرہ لانا چاہتے ہیں۔ ہم تم سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے۔ مگر انھوں نے ایک نہ مانی۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط اشراف قریش کے نام لکھکر عثمان رضؓ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ جس کا مضمون یہ تھا "کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت اور اُس کی تعظیم حرمت کے لئے آئے ہیں"۔ اور عثمان رضؓ سے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں جو غریب ضعیف مسلمان مرد اور عورتیں رہ گئے ہیں اُن کو فتح کی خوشخبری سنا دیں۔ اور یہ کہدیں کہ قریب میں اسلام مکہ میں ظاہر ہونیوالا ہے عثمان رضؓ دس صحابہ رضؓ کو اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوئے اور سرداران قریش کو حضرتؐ کا نامہ دیکر حضرتؐ کا مقصود بیان کیا۔ مگر سب نے یہی کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِس شہر میں کبھی داخل نہیں ہو سکتے۔ عثمان رضؓ کو قریش نے تین روز اپنے پاس روک رکھا۔ اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر دئے گئے۔ جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا کہ اب ہم اُن کفار سے ضرور جنگ کرینگے اور عمر رضؓ سے فرمایا کہ لوگوں میں پکار دیں کہ بیعت کے لئے سب آ جائیں۔

چنانچہ صحابہ رضؓ نے اِس بات پر بیعت کرلی کہ ہم کبھی نہ بھاگیں گے۔ یا فتح کر لینگے یا شہید ہو جائیں گے۔ جب کفار قریش کو اِس آمادگی اور بیعت کی خبر پہنچی تو ان میں کے اہل رائے نے مشورت کی کہ اِس موقع میں یہ صلح کرلینا مناسب ہے۔ کہ اِس سال تو حضرتؐ واپس جائیں۔ البتہ سال آئندہ آکر تین روز رہ سکتے ہیں۔ مگر ہتھیاروں میں صرف تلوار، اور تیر و کمان ساتھ لائیں۔ قریش کے جانب سے سہیل ابن عمرو آیا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ ہم کو بیت اللہ میں طواف کرنے کے لئے کیوں نہیں جانے دیتے؟ اُس نے کہا اس وجہ سے کہ عرب میں یہ چرچا ہو جائے گا کہ زبردستی سے آپ داخل ہو گئے۔ البتہ سال آئندہ آپ آسکتے ہیں۔ اور اِس نے صلح میں شرط لگائی کہ آپ کے پاس ہم میں سے جو کوئی مسلمان ہو کر آوے اُسکو ہمارے پاس واپس کر دینا۔ حضرتؐ نے اُسکو قبول فرمالیا۔ عمر رضؓ نے جب یہ سُنا تو جلدی سے ابوبکر رضؓ کے پاس گئے اور کہا کہ اے ابوبکر رضؓ کیا یہ رسول اللہ نہیں ہیں؟ کہا کیوں نہیں۔ پھر عمر رضؓ نے کہا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کہا کیوں نہیں۔ پھر عمر رضؓ نے کہا جب مسلم ہے تو ہم اپنے دین میں ایسی دناوت اور ذلت کیوں اختیار کریں۔ ابوبکر رضؓ نے کہا اے عمر رضؓ کیا وہ رسول اللہ نہیں ہیں؟ تمھیں معلوم ہے کہ وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور خدا اُن کا مددگار رہے۔ تمھیں چاہئے کہ اُن کی رکاب ہمیشہ تھامے رہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ عمر رضؓ نے کہا کہ یہ گواہی تو میں بھی دیتا ہوں

کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ مگر عمر رضؓ کی بے تابی میں کمی نہ ہوئی۔ اور حضرتؐ کے پاس آکر وہ تمام سوالات کیئے جو ابوبکر رضؓ سے کیئے تھے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور اس کے حکم کی مخالفت نہ کرونگا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ پھر حضرتؐ نے اوس ابن خولہ رضؓ کو بلاکر حکم فرمایا کہ صلحنامہ لکھو۔ سہیل نے کہا کہ صلحنامہ یا تو آپ کے بھائی علی رضؓ لکھیں یا عثمان ابن عفان رضؓ۔ اسوقت عثمان رضؓ مکہ سے واپس آگئے تھے حضرتؐ نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ لکھو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سہیل نے کہا کہ میں رحمان اور رحیم کو نہیں جانتا۔ بسمك اللھم لکھو۔ مسلمانوں نے کہا خدا کی قسم یہ نہ لکھا جائے گا۔ بلکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھنا چاہیئے اُس وقت مسلمانوں میں ایک جوش پیدا ہوگیا تھا۔ حضرتؐ نے اُن کو تھمایا۔ اور فرمایا کہ خیر بسمك اللھم ہی لکھدو۔ پھر فرمایا کہ لکھو یہ وہ امور ہیں کہ جس پر محمد رسول اللہ اور سہیل نے صلح کی ہے۔ سہیل نے کہا کہ اگر میں آپ کے رسول ہونے کو مانتا تو نہ آپ سے لڑتا اور نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتا۔ آپ اپنا نام اور اپنے والد کا نام لکھیئے۔ علی رضؓ آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھ چکے تھے۔ سہیل نے کہا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹادو۔ علی رضؓ نے کہا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر تم ناک بھی رگڑو گے تب بھی میں اسکو کبھی نہ مٹاؤں گا حضرتؐ نے فرمایا مٹادو۔ علی رضؓ نے عرض کی یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔

حضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے اُس لفظ رسول اللہ کو مٹا دیا۔ حضرتؐ نے فرمایا لکھو
یہ وہ صلح ہے کہ محمد ابن عبد اللہ اور سہیل ابن عمرو نے کی ہے۔ یہ لکھ کر فرمایا
کہ اگرچہ اس نے مجھے جھٹلایا مگر میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور میں محمد ابن عبد اللہ
ابن عبد المطلب بھی ہوں۔ علی رضؓ مارے غصے کے رونے لگے اور کہا کہ
میں تو محمد رسول اللہ ہی لکھوں گا۔ حضرتؐ نے فرمایا محمد ابن عبد اللہ لکھو۔
اور تم پر بھی اس قسم کا ایک وقت آنے والا ہے جس میں تم مجبور ہو جاؤ گے
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضؓ میں جب صلح ہوئی اور کاتب
نے لفظ علی رضؓ کے ساتھ امیر المؤمنین لکھا تو اس لفظ کے لکھنے سے
روک دئے گئے۔ اور کہا گیا کہ اگر امیر المومنین ہونے کو ہم تسلیم کرتے تو
جھگڑا ہی کیا تھا۔ لفظ امیر المومنین کو مٹا دو۔ چنانچہ مٹا دیا گیا۔ اُس وقت
علی رضؓ نے اس واقعہ کو یاد کیا۔ غرض کہ علی رضؓ کے ہمزبان اکثر صحابہ رضؓ ہو گئے
اور اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا کہ رسول اللہ کے سوائے دوسرا لفظ ہم نہ لکھنے
دینگے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو ہمارے اور اُن کفار کے بیچ میں تلوار رہے۔ اُس وقت
مسلمانوں میں ایک ہل چل مچگئی۔ اور آواز بلند ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم
اپنے دین میں ایسی ذلت کو کبھی گوارا نہ کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اشارے سے انھیں تھمایا۔ آخر علیؓ نے حسب ارشاد محمد ابن عبد اللہ
لکھا۔ اُسکے بعد سہیل نے کہا یہ لکھو ہمارے یہاں کا یعنی مشرکین میں کا کوئی شخص

اسلام لاکر تمھارے پاس آوے تو اُس کو واپس کر دیں گے۔ اور جو تمھارا شخص ہمارے یہاں آوے ہم اُسکو واپس نہ کریں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا یہ بھی لکھدیا جاوے گا؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ اگر ہمارے یہاں سے کوئی اُن کے طرف جاوے تو ایسے شخص کو خدا تعالیٰ ہم سے دُور کر دے اور جو ہمارے پاس آوے اور ہم اُسکو دے دیں تو خدا تعالیٰ اُس کے لئے کوئی راستہ نکال ہی دیگا۔ مگر صحابہؓ اُس پر بہت اڑے رہے۔ اور سہیل اسپر اڑا رہا کہ جب تک یہ بات نہ لکھی جاوے۔ صلح ممکن نہیں۔ حضرتؐ نے جب اسکے لکھنے کا حکم دیا تو کمال تعجب سے اہل اسلام کہنے لگے کہ جو شخص مسلمان ہو کر ہمارے یہاں آوے۔ ہم اُس کو کافروں کے ہاتھ میں کیونکر دیں گے۔ پھر سہیل نے کہا کہ صلحنامہ میں یہ بھی لکھا جاوے کہ جب مکہ میں آینگے تو سوا ے تلوار کے کوئی ہتیار نہ رکھیں گے۔ اور اگر کوئی مکہ والا آپ کے ساتھ جانے کا ارادہ کرے اُسکو ساتھ نہ لیجائیں گے۔ اور جو کوئی ہمراہیوں میں سے مکہ میں رہنا چاہے اُس کو منع نہ کریں گے۔

یہ امور ہنوز نہیں لکھے گئے تھے کہ ابو جندل بیڑیاں پہنے ہوئے حضرتؐ کی خدمت میں آئے۔ یہ وہ شخص ہیں جو پہلے اسلام لا چکے تھے اور اُن کے باپ سہیل نے اُن کو بیڑیاں پہنا کر قید خانہ میں رکھا تھا۔ جب اُنھوں نے یہ خبر سُنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہ صحابہؓ حدیبیہ میں تشریف لائے ہیں تو

ہمارے یہاں سے جو کوئی ان کی طرف جاوے ایسے شخص کو خدا ہم سے دور کرے۔

کسی حیلہ سے قید خانہ سے نکل کر راستہ سے علٰحدہ پہاڑوں میں سے ہوتے ہوئے حضرتؐ کے پاس بکمال مسرت آئے۔ صحابہؓ اُن کو دیکھکر نہایت خوش ہوئے اور اُن سے ملاقات کی۔ سہیل جو اُن کا باپ تھا۔ اُن کی طرف دوڑا۔ اور نہایت غصے سے ایک خاردار جھاڑ کی ٹہنی توڑی۔ اور اُس سے اُن کے منہ پر زور سے مارا۔ اور کپڑا گلے میں ڈالکر کھینچنے لگا۔ اِس واقعہ سے تمام مسلمانوں پر رقت طاری ہوئی۔ اور رونے لگے۔ سہیل نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلا معاملہ ہے حضرتؐ نے فرمایا کہ اب تک صلح نامہ مکمل نہیں ہوا سہیل نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو صلح کی کارروائی موقوف کر دیجائے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اپنے طرف سے ابو جندل کے لیجانے کی مجھے اجازت دیدو اُس نے کہا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پھر حضرتؐ نے نہایت نرمی سے فرمایا کہ اجازت دے دو۔ کہا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُسکے آنے سے پہلے آپ میں اور ہم میں یہ شرط طے ہو چکی تھی۔ یہ کہکر اُن کے گلے میں کپڑا ڈالا۔ اور قریش کے حوالے کرنے کے لئے چلا۔ ابو جندل نے دیکھا کہ وہ لئے ہی چلا تو نہایت بلند آواز سے چیخا اور فریاد کی کہ اے گروہ مسلماناں میں مشرکین کیطرف واپس کیا جاتا ہوں۔ حالانکہ مسلمان ہو کر پناہ کے لئے تم میں آیا تھا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کیسے کیسے عذاب مجھے دئے گئے؟ اور کیسی مصیبتوں میں مجھے مبتلا کیا گیا؟ اب اگر وہ مجھے لے جائیں گے تو سخت فتنہ میں ڈالینگے

یہ سنکر اور اُن کی حالت دیکھکر مسلمانوں پر عجیب حالت طاری ہوئی۔ کہ اپنے بھائی کو دیدہ و دانستہ کافروں کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے ابوجندل صبر کرو۔ کیونکہ تمہارے آنے سے پہلے صلح تمام ہوچکی تھی۔ اور میں نے تمہارے لئے بہت کچھ کہا۔ مگر تمہارا باپ نہیں مانتا۔ خدا تعالیٰ تمہارے اور اُن ضعفا کے لئے جو مکہ میں ہیں کوئی راستہ نکال ہی دیگا عمرؓ کود کر ابوجندل کے بازو میں آگئے اور کہنے لگے۔ اے ابوجندل صبر کرو۔ وہ لوگ مشرک ہیں۔ اور اُن کا خون کرنا ایسا ہے جیسا کتے کو مار ڈالنا اور تلوار اس خیال سے اُن کے نزدیک لے گئے کہ وہ اپنے باپ کو مار ڈالیں۔ اور کہنے لگے کہ آدمی اپنے باپ کو مار سکتا ہے۔ اگر ہم اپنے باپوں کو حالت کفر میں پاتے تو اُن کو قتل کر ڈالتے۔ ابوجندل نے کہا پھر تم ہی اس کو قتل کیوں نہیں کرتے ہو عمرؓ نے کہا کہ حضرت نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔ ابوجندل نے کہا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کے لئے مجھ سے زیادہ مستحق نہیں ہو۔ غرضکہ ابوجندل کفار قریش کے حوالے کردئیے گئے۔ اس سے صحابہؓ میں نہایت تشویش ہوئی اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خواب مکہ معظمہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ کے طواف کرنے کا دیکھا تھا۔ اس سے اُن کو یقین تھا کہ ضرور طواف کریں گے۔ بخلاف اِسکے صلح یہ ہوئی کہ اس سال واپس جائیں گے۔ اور جو

مسلمان ہو کر آویں اُن کو مشرکوں کے حوالے کردیں گے۔ اور ایک مسلمان شخص کفار کے حوالے بھی کردیا گیا۔ اس سے تمام صحابہ میں ایک تہلکۂ عظیم برپا ہوا۔ اور اکثر کی یہ حالت ہوئی کہ قریب تھا کہ دین کو خیرباد کہدیں۔ انتہیٰ ملخصاً۔

اب غور کیجئے کہ یہ کیسا مصیبت خیز واقعہ تھا۔ کہ مسلمان کتنا ہی ضعیف الایمان ہو اسکے سننے سے پیچ و تاب کھاتا ہے۔ تو خیال کیجئے کہ صحابہؓ جن کی ذاتی اور اسلامی غیرتوں نے اُن کو بزدلی اور کم ہمتی کے عار سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ اور بڑی بڑی سلطنتوں کو مقابلہ کے وقت نیچا دکھا دیا۔ ان کی کیا حالت ہوگی کہ ادنیٰ قریش کے مقابلہ میں اس قدر مجبور ہیں کہ وہ جو چاہتے ہیں لکھوا لیتے ہیں۔ اور طواف خانہ کعبہ کے واسطے مزاحمتیں ہو رہی ہیں۔ یہی لوگ تھے جو لکھوکھا جرار فوجوں کو ہزیمت دے کر ایران، و شام، و افریقہ پر قبضہ کیا۔ حالانکہ اُسوقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے بلکہ صرف حضرتؐ کا نام مبارک تھا۔ اور یہاں تو خود حضرتؐ بنفس نفیس تشریف رکھتے تھے جن کے قبضہ قدرت میں تمام روئے زمین تھا۔ اگر پہاڑوں کو فرما دیتے تو وہ اُن کو کچل ڈالتے۔ زمین کو حکم دیتے تو اُن کو نگل جاتی۔ مگر اس مقام پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ ایسی حالت ہے کہ ایک مسلمان کو کافروں سے لینا چاہتے ہیں۔ مگر وہ نہیں دیا جاتا۔ اور ذریعہ اُن مسلمانوں کے جرار لشکر میں سے چند کفار اُس بزرگ کو نکال ذلت و خواری سے کھینچتے لیجا رہے ہیں۔ مگر کوئی دم مار نہیں سکتا حضرتؐ کے نام مبارک سے

نعوذ رسول اللہ کو مٹانے پر اصرار ہو رہا ہے۔ اور کوئی صحابی اس پر راضی نہیں۔ مگر کفار ہی کی چل گئی۔

غرض کہ جتنی خواہشیں اِدھر کی جانب سے ہوئیں۔ کافروں نے ایک کو بھی منظور نہ کیا۔ اور انھوں نے اپنی مرضی کے مطابق جو چاہا لکھوا چھوڑا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس کے کہ کمال درجہ کے غیور تھے مگر اس موقع میں کچھ بھی نہ کیا۔ یہ ایک قسم کا امتحان تھا۔ اور خدا تعالےٰ کے جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تادیب مقصود تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ادبنی ربی فاحسن تادیبي۔ یعنی خدا تعالےٰ نے مجھے ادب سکھایا اور عمدہ طور پر تادیب کی۔ دیکھئے پہلے خواب دکھایا گیا۔ کہ حضرتؐ طواف کعبہ کرینگے اُس پر سفر فرمایا گیا۔ اور ایسے واقعات پیش آئے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں فتنہ پیدا ہو گیا۔ اور بظاہر ایسے اسباب قائم ہوئے کہ حضرتؐ کی نسبت نفس نبوت میں شیطان کو شک ڈالنے کا موقع حاصل ہوا۔ چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ اس واقعہ سے میرے دل میں ایک امر عظیم پیدا ہوا۔ اور حضرتؐ سے میں نے ایسے سوال و جواب کئے کہ ویسے کبھی نہیں کئے تھے۔ کھلے لفظوں میں اس کا مضمون یہی ہو گا کہ اس واقعہ سے اُن کو حضرتؐ کی نبوت میں بظاہر شک پیدا ہو گیا تھا۔ جب عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا یہ حال ہو تو اوروں کا کیا حال ہو گا۔ مگر صحابہؓ چونکہ سعید ازلی تھے

لیسے واقعات سے اُن کے ایمان میں تذبذب نہیں آسکتا تھا۔ اِس لئے تھوڑی دیر کے بعد سب راضی برضا ہوگئے۔ اور اِس بات کو مان گئے کہ دینی معاملات میں خودسری اور ننگ و عار کوئی چیز نہیں۔ خدا و رسول جس بات کو پسند کریں۔ اُسی کی اطاعت کی ضرورت ہے۔ خواہ وہ نفس کے موافق ہو یا مخالف۔ اور خواہ اُس میں ذلت ہو یا عزت۔

سیرۃ النبویہ میں لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کے معاملہ میں کل صحابہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر تھے۔ مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اِن کی موافقت نہیں کی۔ اِس سے ظاہر ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس باب میں بھی سب صحابہ پر تفوق تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ گو اس میں کیسی ہی مصلحت ہو۔ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی کام کرنے اور رائے قائم کرنے کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ مگر حمیت اسلامی کے موقع میں کبھی حضرتؐ کے خلاف مرضی بھی کر لیا کرتے تھے۔ اگرچہ اِس کا منشا صرف خیر خواہی اسلام ہوتا اور در باطن اس میں رضا جوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملحوظ رہتی تھی۔ مگر وہ بھی مستحسن نہیں سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ سیرۃ النبویہ میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی گئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں اپنی رائے کو متہم سمجھا کرو۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کو اپنی رائے سے حدیبیہ کے روز رَد کرنے لگا۔ اور حق کے ظاہر کرنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ ہر چند حضرتؐ راضی ہوگئے مگر میں انکار کرتا رہا۔

یہاں تک کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ اے عمر رضؓ تم دیکھتے ہو کہ میں راضی ہو گیا اور تم انکار ہی کئے جاتے ہو۔ غرض کہ اس سے ایک عتاب کی صورت نمایاں ہے اسی وجہ سے عمر رضؓ کہتے ہیں کہ اس بے ادبی کے مکافات میں جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روز گفتگو کی تھی۔ کئی غلام آزاد کئے اور ایک زمانہ تک روزہ رکھا۔ اور ہمیشہ صدقہ دیا کرتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں۔ اور لونڈیاں اور غلام آزاد کیا کرتا ہوں۔ دیکھئے عمر رضؓ کا اس روز حضرتؐ سے کچھ گفتگو کرنا نہ بدنیتی سے تھا۔ اور نہ خود غرضی سے۔ بلکہ جوشش مذہبی میں کیسقدر نا ملائم گفتگو ہو گئی۔ اور یہ بعینہٖ ایسی تھی کہ جو اسلام لانیکے دن اُنھوں نے کی تھی۔

چنانچہ کنز العمال میں ابن عباس رضؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر رضؓ سے پوچھا کہ آپ کا نام فاروق کس وجہ سے ہوا۔ فرمایا کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو گیا۔ اور دروازہ کھٹکٹایا تو حضرتؐ باہر تشریف فرما ہوئے۔ اور میرے کپڑوں کو پکڑ کر ایسا کھینچا کہ میں اپنے گھٹنوں کے بل گر گیا۔ پھر فرمایا کہ اے عمر رضؓ کیا باز نہیں آتا؟ یہ سنکر میں نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ اور سب جتنے صحابہ رضؓ اس وقت وہاں تھے اس زور سے تکبیر کہے کہ مسجد حرام والے لوگوں نے سن لیا۔ اس وقت میں نے عرض کی یارسول اللہ ہم خواہ مریں یا زندہ رہیں۔ کیا حق پر نہیں ہیں۔ فرمایا کیوں نہیں۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم حق پر ہو خواہ مرو یا زندہ رہو میں نے

عرض کی پھر چھپنے کی کیا ضرورت۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ باہر تشریف لے چلیں۔ چنانچہ ہم لوگ دو صفیں کئے ہوئے حضرتؐ کے ہمراہ نکلے۔ ایک صف میں حمزہ رضؓ تھے اور دوسری میں میں اور ہم نہایت جوش وخروش سے چلے۔ یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے جب کفار نے مجھے اور حمزہ رضؓ کو دیکھا تو ان پر ایسی مصیبت ٹوٹ پڑی کہ ویسی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام فاروق رکھا۔ انتہی ملخصاً دیکھئے یہاں بھی عمر رضؓ نے کہا تھا۔ السنا علی الحق ان متنا وان حیینا۔ اسی طریقہ پر بحسب اقتضائے طبع حدیبیہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ کھے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جوش اسلام کو جانتے تھے۔ اور اسی قسم کے الفاظ اور حرکات پر فاروق کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ تو یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خیرخواہ اسلام کی نسبت کبیدہ خاطر ہوئے ہوں۔ البتہ مصلحت وقت کے لحاظ سے ان کی اصلاح کی ضرورت تھی۔ جو چند مختصر الفاظ سے کردی۔ کہ جب میں راضی ہوگیا تو تم کیوں راضی نہیں ہوتے اور یہ معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ اس کے بعد یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی۔ لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریبا ومغانم کثیرۃ یاخذونھا یعنی یقیناً خدا تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوا جس وقت وہ درخت کے تلے آپ سے

بیعت کرتے تھے۔ پھر جان لیا جو اُن کے دل میں تھا۔ پس نازل کیا اُن پر سکینہ اور بدلے میں اس کے بہت قریب ایک فتح۔ اور بہت سی غنیمتیں ان کو دیں انتہی ملخصاً۔

اس آیۂ شریفہ میں جو بیعت مذکور ہے۔ وہی بیعت ہے جو درخت کے تلے حدیبیہ میں ہوئی تھی۔ اسی کو بیعت رضوان بھی کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جتنے صحابہ رضؓ حدیبیہ کے دن بیعت میں شریک تھے۔ سب سے خدا تعالیٰ راضی ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ عمر رضؓ اور تقریباً کل صحابہؓ کو اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کی بدگمانی پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اسکے بعد ان کو طمانیت و تسکین ہو گئی جس کی خبر خدا تعالیٰ اس آیۂ شریفہ میں دیتا ہے۔ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینة علیھم الخ۔ یعنی جو بات ان لوگوں کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ اسکو خدا تعالیٰ نے جان لیا۔ اور ان کے دل پر سکینہ یعنی تسکین اور طمانیت نازل فرما دی۔ اور اسکا بدلہ یہ کیا کہ قریب میں بہت سی غنیمتیں ان کو دیں۔

تفسیر کبیر میں اس مقام میں یہ اعتراض کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے ثم قال تعالیٰ۔ فعلم ما فی قلوبھم والفاء للتعقیب وعلم اللہ قبل الرضیٰ لانہ علم ما فی قلوبھم من الصدق ورضی عنھم فکیف یفھم التعقیب فی علم اللہ قبل الرضیٰ۔ اور جواب میں کسی قدر تطویل کے بعد لکھا ہے۔ فعلم ما فی قلوبھم اشارة الی ان الرضیٰ لم یکن عند المبایعة فحسب بل عند المبایعة اللتی

کان معہا علم اللہ بصدقہم والفاء فی قولہ فانزل السکینۃ علیہم للتعقیب الذی ذکرتہ۔ فانہ تعالیٰ رضی عنہم وانزل السکینۃ علیہم وھذا توفیق لا یاتی الا لمن ھداہ اللہ تعالیٰ الی معانی کتابہ الکریم۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ فعلم کا عطف یبایعونک پر ہے جس کی تصریح تفسیر ابو مسعود میں کی ہے اور ما فی قلوبہم کے معنی صدق کے لئے۔ یعنی علم الٰہی انکے صدق سے متعلق ہوا۔ ان کے بعد سکینہ ان پر نازل کیا۔ مگر جب ہم واقعۂ حدیبیہ پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے وقت صحابہ رضؓ کو پورے طور پر صدق اور خلوص تھا۔ مگر اسکے بعد جب صلح ہوئی تو صحابہ رضؓ کے دل میں ایک ناگفتہ بہ کیفیت پیدا ہوئی جسکا حال ابھی معلوم ہوا۔ اسکے بعد بفضل الٰہی وہ حالت ان کے دلوں کی جاتی رہی۔ اور وہی تسکین و اطمینان جو قبل صلح تھا۔ اس نے عود کیا۔ اس صورت میں فعلم کا عطف رضی پر ہوگا۔ اور آیۂ شریفہ کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ ان مسلمانوں سے جنھوں نے زیر درخت آپ سے بیعت کی راضی ہوا۔ پھر جو اُن کے دلوں میں ناگفتہ بہ کیفیت پیدا ہوئی اسکو جان لیا۔ اور اسکے ساتھ ہی ان کے دلوں میں سکون اور اطمینانی حالت پیدا کر دی۔ اس صورت میں جو سیاق و سباق کے ساتھ مناسبت ہے اور سکینہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ وہ اہل انصاف پر پوشیدہ نہ ہوگی۔ غرض کہ اس نص قطعی سے عمر رضؓ اور دیگر صحابہ رضؓ کو بشارت دی گئی۔ اور جو

خیالات فاسدہ ان کے دلوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو دفع کر کے ان کو اطمینانی کیفیت عطا فرمائی۔ اور خدا تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا! اسکے بعد ان کو اس لغزش سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔ حق تعالیٰ جو ارشاد فرمایا ہے

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنہم فی الارض۔

یعنی وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ عمرؓ کا ایمان اور اُن کے نیک کام قبول ہوئے۔ اور وہ خلیفہ بنائے گئے۔ کیونکہ ان کی خلافت تمام ملک عرب و عجم اور شام اور افریقہ میں مسلّم ہو چکی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ باوجود ان تمام بشارتوں اور مقبولیت کے اور باوجود اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آپ سے راضی رہے۔ کیا وجہ تھی کہ آپ کو اس کا خیال لگا رہتا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اس گستاخی کے معاوضہ میں جو حدیبیہ میں کی تھی۔ بہت سے روزے رکھے۔ نمازیں پڑھیں۔ بردے آزاد کئے اور اب تک ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں۔ روزے رکھتا ہوں۔ غلام اور لونڈیاں آزاد کرتا ہوں۔ اور صدقہ دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کا یہ خوف کہ رہ رہ کر ایک ایک قسم کے کفارہ پر آپ کو آمادہ کرتا تھا۔ اس بات پر قطعی قرینہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ادنےٰ درجہ کی گستاخی کو وہ بڑے سے بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ باوجود اعلیٰ درجہ کی بشارتوں کے اسکا خیال جاتا نہ تھا

جس کی وجہ سے کسی نہ کسی قسم کا کفارہ ہر وقت وہ دیا کرتے تھے۔ بخلاف دوسرے گناہوں کے جن کے لئے کوئی ایک کفارہ یا توبہ کافی ہو جاتا ہے طرفہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کو بھی وہ کافی خیال نہیں کرتے تھے بلکہ حضرتؐ سے ان کو معافی قصور کا پورا اطمینان تھا۔ اگر اس واقعہ کے بعد حضرتؐ کے عتاب و ناراضی کے کچھ بھی آثار نمایاں ہوتے تو فوراً معذرت کر کے راضی کر لیتے۔ مگر کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرتؐ نے ملال ظاہر فرمایا۔ یا آثارِ ملال نمایاں ہوئے۔ اور عمرؓ نے معذرت کی۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ گستاخی محبوب رب العالمین کی خدمت میں ہوئی۔ اگر آپ معاف بھی کر دیں تو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ معاف کریگا یا نہیں۔ کیونکہ محبت کا قانون ہی جدا ہے۔

اگر خدا تعالیٰ یہ فرمادے کہ تم نے ہمارے حبیب کی خدمت میں یہ گستاخی کی تھی تو اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ ہمیشہ اس گستاخی کا خیال رکھنا اور اُسکے کفارے ادا کیا کرنا اس امر پر دلیل بیّن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت ان کی نظروں میں بیحد و نہایت تھی۔ کیونکہ کسی گناہ کا ان کو اسقدر خیال نہ تھا جتنا اِس گستاخی کا خیال و ملال تھا۔ آپ معصوم نہ تھے۔ ممکن ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق گناہ کرتے ہوں۔ مگر ان کا کبھی ذکر نہ کیا۔ اب غور کیجئے کہ جب ایسے جلیل القدر صحابی ایک ادنیٰ گستاخی کو اس درجہ کا گناہ قرار دے رہے ہیں کہ

عمر بھر اس کے کفارے ادا کرتے رہے تو بتائیے کہ آخری زمانے کی مسلمانوں کی گستاخیاں جن کے سننے کی تاب کوئی مسلمان نہیں لاسکتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ کیسا رنگ لائیگی۔ خدا تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیقِ ادب عطا فرماوے۔
الحاصل عمر رضؓ پر اسوقت غیرت وحمیت اسلامی کا غلبہ تھا جس سے یہ حرکت صادر ہوئی مگر ابو بکر صدیقؓ کچھ ایسے مہذب تھے اور اپنے آپ کو حضرت کی محبت میں فنا کردیا تھا کہ نہ غیرت وحمیت سے انھیں سروکار تھا نہ ننگ وعار سے تعلق ہمہ تن تابع مرضی مبارک تھے۔ انہی وجوہ سے اہل سنت والجماعت نے آپ کو تمام صحابہ سے افضل تسلیم کرلیا ہے۔ واقعہ حدیبیہ اسی کی تعلیم کرتا ہے کہ دینی کاموں میں مسلمان اپنی حمیت، غیرت، ننگ وعار کو بالائے طاق رکھکر صرف خدا ورسول کی رضاجوئی میں مصروف رہے۔ دیکھیے جو جو واقعات اس موقع میں پیش آئے سب کی نسبت حضرتؓ نے ایک ہی بات فرما دی کہ میں خدا کا بندہ ہوں یعنی حمیت، غیرت اور نفسانیت سے مجھے کوئی تعلق نہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ کامل مسلمان وہی ہے جسکے نزدیک مدح وذم ایک ہو جائے یعنی مذمت کے لحاظ سے برے کاموں کو چھوڑے نہ تعریف کے لحاظ سے اچھے کاموں کو اختیار کرے۔ بلکہ جو کچھ کرے اللہ کے واسطے کرے۔ چونکہ عرب کے نفوس میں حمیت اور تعلّی کا مادّہ بہت کچھ تھا چنانچہ ہر سال مختلف مقامات میں میلے ہوتے۔ اور وہاں مختلف قبائل کے لوگ جمع ہوتے اور اپنے اپنے

قبیلوں کے فضائل میں فخریہ اشعار پڑھے جاتے تھے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے مقام حدیبیہ میں اُن کی پوری نفس کشی کر کے ان کو مہذب بنا دیا۔ اور یہ بات ذہن نشین کر دی کہ باوجودیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اقتدار تام حاصل تھا مگر آپ حمیت اور تعلی کو ایک طرف رکھکر عبدیت کام میں لائے۔ اور وہی خدا تعالیٰ کو پسند ہوا۔ چنانچہ تھوڑے عرصے میں وہی کفار جنھوں نے حضرتؐ کو مجبور کیا تھا سربسجود ہو گئے۔ اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

الحاصل یہ ایک تجربہ ایسا تھا کہ صحابہ رضؓ کو ہمیشہ کے لئے مہذب بنا دیا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرتؐ نے جو فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہم میں سے نکلکر کافروں میں چلا جائے تو خدا تعالیٰ اُسکو دور کرے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر دوسرے فرقوں میں جا ملتے ہیں۔ اُنپر افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسوں کی نسبت صاف کھدینا چاہئے کہ خدا ان کو ہم سے دور کرے۔ کیونکہ ہمارا دین اس بات کا محتاج نہیں کہ نام کے مسلمانوں سے بھیڑ بھاڑ بڑھے۔ جن لوگوں کے ذہن میں دین قومیت کا نام ہے۔ البتہ اُن کی غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ تعداد مسلمانوں کی جس قدر بڑھیگی۔ سرکار سے قومی حقوق کے حاصل کرنے میں سہولت ہوگی۔ ایک حد تک اُن کا یہ خیال درست ہے مگر دنیوی لحاظ سے۔ دین سے اُسکو کوئی تعلق نہیں دین کے لحاظ سے تو ایسے لوگوں کا علیحدہ ہو جانا خس کم جہاں پاک کا مصداق ہے

کیونکہ اُن کی یہ حرکت۔ یہ ثابت کرتی ہے کہ ہمارا دین اور مذہب اُن کے دل میں جاگزیں اور متمکن ہوا ہی نہیں۔ ورنہ غیر مذہب والوں کے شبہات اور اعتراضات سے اُن کو جنبش نہ ہوتی۔ پھر جن کا ایک خیالی مذہب ہو اُن سے دین و مذہب کو فائدہ ہی کیا۔ اسی لئے حضرتؐ نے فرمایا کہ خدا ایسوں کو ہم سے دور کرے۔

وفا داری مدار از بلبلاں چشم
کہ ہر دم بر گلِ دیگر سرایند

سیرۃ النبویہ صفحہ ۲۰۶ میں لکھا ہے کہ جب وفد نجران جس میں ساٹھ سوار تھے۔ حضرتؐ کی خدمت میں عصر کے وقت آیا۔ آتے ہی نماز پڑھنے لگے صحابہؓ نے اُن کو منع کرنا چاہا۔ حضرتؐ نے فرمایا پڑھنے دو۔ پھر اُن کو اسلام کی دعوت کی اور قرآن پڑھکر سُنایا۔ انھوں نے کہا ہم تو آپ کے آنے سے پہلے مسلمان تھے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ جھوٹ کہتے ہو۔ تم میں تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ مانع اسلام ہیں۔ ایک یہ کہ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو، دوسرا گوشت خنزیر کھاتے ہو، تیسرا یہ کہتے ہو کہ خدا کو بیٹا ہے۔ ایک نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں اسلئے کہ اُن کا کوئی باپ نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ مسیح ہی خدا ہے۔ کیونکہ مُردوں کو زندہ کرتے، اور غیب کی خبر دیتے، اور کل بیماریوں کو اچھا کرتے، اور پرندوں کو زندہ کرتے تھے۔ ایک نے کہا باوجود ان فضائل کے آپ اُن کو یہ گالی کیوں دیتے ہو کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا

کہ وہ اللہ کے بندے تھے۔ اور کلمہ تھے جو مریم میں ڈالا گیا تھا وہ یہ سنکر غصہ میں آگئے اور کہا کہ ہم تو جب ہی راضی ہوں گے کہ اُن کو معبود کہو۔ اور حضرتؐ سے کہا کہ اگر آپ سچے ہو تو ایسا بندہ بتلائیے جو مُردہ کو زندہ، اور مادر زاد اندھے اور کوڑی کو اچھا کرتا ہو۔ اور کیچڑ سے پرندے بنا کر اور اُن کو پھوک کر اڑا دیتا ہو۔ حضرتؐ یہ سُنکر خاموش ہو گئے۔ اور وحی نازل ہوئی۔ قولہ تعالیٰ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ الآیہ۔ اور یہ بھی حکم نازل ہوا کہ حضرتؐ مباہلہ کریں۔ چنانچہ حضرتؐ نے اُنسے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم اسلام نہیں لاتے ہو تو میں تمہارے ساتھ مباہلہ کروں یعنی تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں اور لوگوں کو لیکر میدان میں آؤ اور ہم بھی اپنے لوگوں کو لے آتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں کمالِ عاجزی سے دعا کریں کہ جو فریق جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار پڑے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام حسنؓ و امام حسینؓ و فاطمہؓ اور علیؓ کو لیکر تشریف لائے۔ مگر وہ لوگ بخوف ہلاک میدان میں نہ آسکے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

(حاشیہ: وفد نجران سے مباہلہ)

دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے تاثیرات کیسے کیسے وجود میں آیا کرتے تھے۔ اُن کے مقابلہ میں اگر حضرتؐ چاہتے تو جتنے کاموں کی اُنھوں نے درخواست کی اُن کا کر دکھانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ سب سے بڑا کام مُردہ کو زندہ کرنا تھا سو وہ بھی کر بتایا۔ چنانچہ سیرۃ النبویہ میں دلائل بیہقی وغیرہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت کی اُسنے

(حاشیہ: مُردہ کو زندہ کرنا)

کہا کہ اگر آپ میری لڑکی کو زندہ کردیں تو میں اسلام لاؤنگا۔ آپ نے فرمایا اچھا اُس کی
قبر بتلاؤ۔ اُس نے بتلائی آپ نے اُس لڑکی کا نام لیکر پکارا اُس نے لبیک و
سعدیک جواب میں کہا۔ پھر آپ نے اُس سے فرمایا کیا تو چاہتی ہے کہ
دنیا کی طرف لوٹے۔ کہا کہ خدا کی قسم میں ہرگز لوٹنا نہیں چاہتی۔ میں نے خدا کو
اپنے حق میں اپنے ماں باپ سے بہتر پایا۔ اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا انتہیٰ
خصائص کبریٰ میں کعب ابن مالکؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک بار
جابر بن عبد اللہ رضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوے۔ دیکھا کہ
آپ کا چہرۂ مبارک متغیر ہے۔ ساتھ ہی مکان کو لوٹے اور اپنی بی بی سے کہا کہ
چہرۂ مبارک میں حضرتؐ کے مجھے تغیر محسوس ہوا اور میں خیال کرتا ہوں کہ سوائے
بھوک کے اس کی اور کوئی وجہ نہیں۔ کیا تمھارے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے
کہا خدا کی قسم ہمارے یہاں سوائے اس بکری کے اور تھوڑے سے گیہوں کے
اور کچھ نہیں۔ یہ کھکر وہ اُٹھیں اور بکری کو ذبح کیا۔ اور گیہوں پیسکر روٹی اور سالن
پکایا۔ ہم نے ایک بڑے برتن میں چور کر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر کیا۔ حضرتؐ
نے فرمایا کہ تھوڑے تھوڑے لوگوں کو آنے دو۔ چنانچہ ایک ایک جماعت آتی۔
اور سیر ہوکر نکلتی۔ اور دوسرے لوگ آتے۔ یہاں تک سب نے بسیری کھایا اور
برتن میں اسی قدر باقی رہا۔ جو لایا گیا تھا۔ حضرتؐ کھانے والوں سے فرماتے کہ
گوشت کھاؤ مگر ہڈیوں کو نہ توڑو۔ جب سب فارغ ہوئے تو آپ نے ہڈیوں کو جمع کر

اپنا دست مبارک اُس پر رکھا۔ اور کچھ بات کہی جس کو میں نے نہیں سُنا۔ اسکے ساتھ ہی بکری کان ہلاتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ لو اپنی بکری جب میں اُسے گھر لایا تو میری بی بی نے کہا کہ یہ بکری کیسی۔ اُنھوں نے کہا خدا کی قسم یہ وہی بکری ہے جسکو ہم نے ذبح کیا تھا۔ خدا سے دعا کر کے حضرتؐ نے اُسے زندہ کردیا۔ بی بی نے کہا کہ بیشک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ انتہیٰ۔

اس قسم کی باتوں کو وہ لوگ نہیں مانتے جو اپنے آپ کو عقلمند سمجھتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہیں۔ اِحیاے اموات کو اسی وجہ سے وہ خلاف عقل سمجھتے ہیں کہ خلاف عادت ہے۔ کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ کوئی مر کے جیتا نہیں۔ اگر عادت اور عقل میں وہ فرق کرلیں تو معلوم ہوجائیگا کہ عقل کو عادت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی شخص ڈاڑھی مونڈنے کی مثلاً عادت کرے تو کیا یہ سمجھا جائیگا کہ اس کی ڈاڑھی کے بال نمایاں ہوں تو خلاف عقل ہے خلاف عقل تو وہ چیز ہوگی کہ جس کے وجود سے کوئی محال لازم آے۔ مثلاً اجتماع نقیضین کا وجود جس کو عقل باور نہیں کرسکتی۔ اگر عقل کے لیے یہی حد ٹھرائی جاے کہ خلاف عادت چیز کو وہ محال سمجھ لیتی ہے تو وہ عقل ہی کیا ہوئی اسکو وہم کہنا چاہئے۔ بہرحال جن لوگوں نے خلاف عادت کو خلاف عقل سمجھ رکھا تھا وہ اسکے قائل تھے کہ خدا بھی چاہے تو مردے کو زندہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی خبر خدا تعالیٰ نے قرآن میں دی ہے۔ مگر جن لوگوں کی عقل نے

گواہی دی کہ خلاف عادت اور خلاف عقل میں کوئی مناسبت نہیں۔ انھوں نے مان لیا کہ خدائے تعالیٰ مُردے کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور قیامت کے ہونے میں اُن کو کوئی شبہ نہ رہا۔ اس کے بعد آخری زمانہ کے مسلمانوں میں پھر وہی خیالات پیدا ہوئے کہ مُردے کا زندہ ہونا محال ہے۔ اب اگر انکو قیامت کا انکار ہے تو ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں۔ چونکہ ہمارا روئے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے جو اہل ایمان ہیں۔ اور اگر قیامت اور احیاء بعد الموت کو سچ سمجھتے ہیں تو اُن سے پوچھا جائیگا کہ اس قسم کے روایات میں کیوں کلام کیا جاتا ہے۔ آخر یہ زندہ کرنا بھی خدائے تعالیٰ کا کام ہے جو قیامت میں مُردوں کو زندہ کرے گا۔ کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے جسکو ایک وقت خاص میں زندہ کرنے کی قدرت ہے۔ دوسرے وقت میں اس کو قدرت نہیں۔ غرض کہ خدائے تعالیٰ کی نفس قدرت پر اگر پورا ایمان ہو تو عقل یہ ضرور باور کریگی کہ اس کو ہر وقت قدرت حاصل ہے۔ کوئی اس کی قدرت کو مزاحم نہیں ہو سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مُردہ کو زندہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ آپ محبوب رب العالمین ہیں۔ آپ کے امتیوں نے مُردوں کو زندہ کیا ہے چنانچہ

خصائص کبریٰ صفحہ ۶۶ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت کے پاس صُفّہ میں تھے۔ ایک عورت ہجرت کرکے آئی اور اُسکے ساتھ ایک لڑکا تھا جو بالغ ہوگیا تھا۔ تھوڑے دن نہیں گزرے تھے کہ وہ وبا میں مُبتلا ہوا۔

[illegible]

اور کئی روز بیمار رہ کر مر گیا۔ حضرتؐ نے آنکھیں بند کیں۔ اور اُس کی تجہیز و تکفین کے لئے حکم فرمایا۔ جب ہم نے اُسکو غسل دینا چاہا تو ارشاد ہوا کہ اس کی ماں کو خبر دے دو۔ انس رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے اُس کو خبر دی۔ وہ آکر لڑکے کے دونوں پاؤں کے بیچ میں بیٹھ گئی اور کہا کہ یا اللہ میں خاص تیری خوشی کے لئے اسلام لائی اور بتوں کو چھوڑ دیا۔ اور رغبت سے تیری طرف ہجرت کی تھی یا اللہ بُت پرستوں میں میری ہنسی مت کرا اور مجھ پر ایسی مصیبت نہ ڈال کہ جس کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکے۔ انس رضؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ کلام ان کا پورا نہ ہوا تھا کہ لڑکے نے پاؤں ہلائے۔ اور منہ سے کپڑا اٹھایا۔ اور اُس وقت تک زندہ رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد اُس کی ماں کا انتقال ہوا اور انس رضؓ ہی سے یہ بھی اسی میں روایت ہے کہ ایک انصاری کی عیادت کے لئے ہم گئے۔ ان کی ماں بڑھیا اندھی تھی بہت دیر ہم بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ اسکا انتقال ہو گیا۔ ہم نے اُس کی آنکھیں بند کر کے اور منہ پر چادر اُڑھا کر اُس کی ماں سے کہا کہ صبر کرو۔ اُس نے کہا کہ کیا وہ مر گیا؟ ہم نے کہا ہاں مر گیا یہ سنتے ہی اُسنے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور دعا کرنے لگی۔ انس رضؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں وہ لڑکا اپنے چہرے پر سے کپڑے کو ہٹا کر اٹھ بیٹھا۔ اور کھانا کھایا۔ اور ہم لوگوں نے بھی اسکے ساتھ کھایا۔ اِس سے ظاہر ہے کہ حضرتؐ کی اُمت کے بڑھیوں کو یہ کرامت حاصل تھی کہ دعا کر کے

اگر ان الفاظ کی کوئی اصل ہو تو یہ ہے کہ اُٹھ بیٹھا نعوذ باللہ۔

مُردوں کو جلا سکتی تھیں۔

خصائص کبریٰ صـ ۱۹ میں منیر ابن عبید اللہ دوسی سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ
ام شریک کے شوہر جن کا نام ابو العکر رضی تھا اسلام لائے اور ہجرت کر کے حضرت
کے پاس چلے گئے۔ ام شریک کہتی ہیں کہ میرے شوہر کے قرابتدار لوگوں نے
مجھ سے پوچھا کہ شاید تم بھی اُن کے دین پر ہونگی۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں میں
بھی انہیں کے دین پر ہوں۔ انھوں نے کہا ہم تجھ پر عذاب کریں گے چنانچہ
ایک سُست اونٹ پر جو سب اونٹوں سے خراب تھا مجھے بٹھا کر لے چلے
اور روٹی اور شہد مجھے کھلاتے اور ایک قطرہ پانی کا نہیں دیتے تھے۔
اور جب دوپہر ہوتی اور آفتاب شدّت سے گرم ہوتا تو اوتر پڑتے اور خیمہ
لگا کر اُس میں داخل ہو جاتے۔ اور مجھے دھوپ میں چھوڑ دیا کرتے۔ یہاں تک کہ
میری عقل اور سماعت اور بصارت جاتی رہی تین روز تک ایسا ہی کیا تیسرے روز
مجھ سے کہا کہ اُس دین کو جسے تو نے اختیار کیا ہے چھوڑ دے۔ وہ کہتی ہیں کہ
مجھے اُن کی باتیں کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھیں مگر میں آسمان کی طرف اپنی انگلی سے
توحید کا اشارہ کرتی تھی۔ جب وہ مجھے چھوڑ کر حسب عادت خیموں میں چلے گئے
اور میں دھوپ میں پڑی رہی۔ اُسوقت تشنگی سے میں سخت بے تاب تھی۔
کہ یکایک کیا دیکھتی ہوں کہ میرے سینے پر ڈول کی سردی محسوس ہو رہی ہے
اور دیکھا کہ اُس میں پانی ہے۔ میں نے ایک دم میں خوب پانی پیا۔ پھر وہ

مجھ سے علیحدہ ہوگیا۔ میں اسکو دیکھنے لگی تو زمین و آسمان میں معلق ہوگیا۔ اور مجھے اُسکو لینے کی قدرت نہ تھی۔ پھر دوسری بار میرے قریب آگیا۔ پھر میں نے ایک دم میں اور پیا۔ پھر وہ بلند ہوکر معلق ہوگیا۔ پھر تیسرے بار قریب ہوا اُسوقت میں پی کر سیر ہوگئی۔ اور اپنے سر اور منہ اور کپڑوں پر اُسکو انڈیل لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ جب اپنے خیموں سے باہر آئے اور میری یہ حالت دیکھی تو پوچھا کہ پانی کہاں سے آیا۔ میں نے کہا اللہ کے پاس سے جو خاص میرے لئے بھیجا گیا۔ یہ سنکر وہ جلدی سے اپنے مشکوں اور ڈولچیوں کی طرف دوڑے دیکھا کہ سب محفوظ ہیں۔ اُسوقت اُن کو میری بات کا یقین ہوا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا بھی رب وہی ہے جو تمہارا ہے۔ اور جس خدا نے اس مقام اور ایسی خطرناک حالت میں تمہیں پانی پلایا۔ اسی نے اسلام اُتارا۔ چنانچہ وہ سب مسلمان ہوئے۔ اور ہجرت کر کے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوے انتہیٰ ملخصاً

ایمان اسے کہتے ہیں اُن بیوی کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن پر کیا مصیبت گزری ہوگی۔ پیاس لگانے کے اسباب مہیا کئے گئے اور سخت دھوپ میں اُن کو ڈالدیا۔ اور ایک روز نہیں تین روز تک یہی کام کیا گیا یہاں تک کہ سماعت، بصارت، اور عقل زائل ہونے کو تھی مگر اُنھوں نے اشارے سے کچھ کہا بھی تو توحید ہی کا اشارہ کیا۔ جب ایمان اس درجہ کا ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کے نزدیک آدمی مکرم ہوتا ہے۔ اور جب مکرم ہوتا ہے

تو اُس کی خصوصیت ظاہر فرمائی جاتی ہے۔ جسے کرامت کہتے ہیں اور اُس خصوصیت کی وجہ سے وہ بندہ ممتاز ہوتا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ وہ بیوی تھیں تو عورت مگر اُن کی ہمت کیسی مردانہ تھی کہ آخری زمانہ کے ہزارہا مردوں میں شاید کوئی ہو بہ خلاف اُس زمانہ کے کہ ہر شخص کی یہی حالت تھی۔

خصائص کبریٰ میں یہ روایت بھی ہے کہ فروہ ابن عمر بادشاہ روم کی طرف سے عمان پر عامل تھے وہ مسلمان ہوگئے۔ اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں بذریعہ خط اپنے اسلام کی اطلاع دی یہ خبر جب بادشاہ روم کو ہوئی تو اُس نے اُن کو طلب کر کے حکم کیا کہ اس دین سے تم پلٹ جاؤ گے تو میں تمھیں کسی ملک کا بادشاہ بنا دونگا۔ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو تو ہرگز نہ چھوڑونگا۔ اور تم بھی جانتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کی بشارت دی ہے لیکن تم ملک کے لحاظ سے ایمان نہیں لاتے۔ بادشاہ نے انھیں کئی روز قید رکھا اور بہت کچھ سمجھایا مگر نہ مانے۔ آخر اُن کو قید خانہ سے نکال کر قتل کر دیا اور سولی پر چڑھایا تھی۔ دیکھئے ان بزرگوار نے دین کے معاملہ میں نہ ملک کی خواہش کی جس کا وعدہ بادشاہ نے کیا تھا۔ اور نہ جان کی پروا کی۔ اصل ایمان کے یہ کرشمے ہیں۔ ورنہ برائے نام ہر منافق بھی اپنے کو اہل اسلام کے زمرہ میں شریک کر دیتا ہے اس قسم کے صدہا واقعات کتب سیر اور احادیث میں مذکور ہیں اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہے تو کسی موقع میں ذکر کئے جائیں گے۔ عموماً اہل اسلام جانتے ہیں کہ

کہ فروہ بن عمرؓ و صحابہ میں کوئی نامی شخص نہ تھے جب اُن کے ایمان کا یہ حال ہو تو دوسرے اولوالعزم اور جان باز صحابہ کے ایمان کا کیا حال ہوگا جب اُن کا ایمان اس درجہ قوی تھا تو اُن کی مدد بھی حق تعالیٰ فرماتا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے وکان حقا علینا نصر المومنین۔ جتنے فتوحات اوائل اسلام میں ہوئے وہ صرف ان کی کرامت تھی۔ کیونکہ تھوڑے سے لوگ جنکے پاس نہ پورے ہتیار تھے نہ سرمایہ۔ عجم اور شام اور افریقہ جیسے ملکوں کو فتح کرلینا خرق عادت نہیں تو کیا ہے؟ اس دعوے کے ثبوت میں ہم کتب تواریخ کو پیش کرتے ہیں۔ جو شخص ان کتابوں کو دیکھے گا۔ قیصر و کسریٰ کی دولت و شان و شوکت۔ اور عرب کے افلاس اور بے سروسامانی پر ضرور مطلع ہوگا۔ اُسوقت ہمارے بیان کی خودبخود تصدیق ہو جائیگی۔ کہ صرف کرامت سے یہ ممالک فتح ہوئے۔ حق تعالیٰ ہم کو ایمان کامل عطا فرمائے اور ہمارے ایمان میں تزلزل کو راہ نہ دے۔ غرض کہ کرامات حضرتؐ کی اُمت سے بہت سے صادر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفد نجران کے مقابلے میں جو چاہتے کر سکتے تھے۔ مگر وہاں تو یہ مقصود ہی نہ تھا کہ اپنی بڑائی لوگوں میں ظاہر ہو۔ بلکہ ہر وقت یہ امر پیش نظر رہتا تھا کہ خدا تعالیٰ کی کیا مرضی ہے۔ چنانچہ اس موقع میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اور جب حکم ہوگیا کہ مباہلہ کیا جائے تو حضرتؐ اس امر پر آمادہ ہو گئے اور جو اقتدار آپ کو حاصل تھا اس سے کچھ بھی کام نہ لیا یہ شانِ عبودیت تھی۔

ظاہر میں لوگ اس موقع میں اعتراض کرتے ہیں کہ جب کفار نے بر سرِ مقابلہ ہو معجزے طلب کئے تو حضرتؐ نہ دکھا سکے۔ اس وجہ سے معجزوں کی جتنی روایتیں ہیں موضوع ہیں۔ یہ صرف ان کا تراشا ہوا خیال ہے اسلامی دنیا میں ایسے خیالات کو کچھ اثر نہیں۔ یہاں تو خدائی کارخانہ ہے جس میں عقل کی رسائی ممکن نہیں۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس یعنی تنِ تنہا ساری دنیا کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ اور ایک ایسے جنگجو قبیلے میں نئے دین کی طرف دعوت کی جس کو نہ وہ جانتے تھے نہ اُن کے آبا و اجداد۔ اور اُنکے بتوں کی توہین کی جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ ہر چند تمام کفار حضرتؐ کے خون کے پیاسے تھے مگر کسی سے حضرتؐ کا کچھ نہ ہو سکا۔ اور چند سال کے عرصے میں تمام ملک عرب و عجم اور شام اور افریقہ میں اس مقدس دین کا ڈنکا بجگیا اور کروڑہا آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے ؟

غرض کہ خدا تعالیٰ کے مصلحتوں کے خلاف عقل لگانا ورطۂ ہلاکت میں پڑنا ہے معلوم نہیں اس میں کیا مصلحت تھی کہ ان مسیحیوں کے مقابلہ میں حضرتؐ کو معجزہ ظاہر کرنے کا حکم نہ ہوا۔ حالانکہ دن رات ہزارہا معجزے ظاہر ہوتے تھے۔ مگر ان تمام چیزوں سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ خود سری اور کبر و نخوت کو پسند نہیں فرماتا۔ بلکہ عبدیت کو بارگاہِ الٰہی میں نہایت فروغ ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف سے چند روز پہلے اسامہ ابن زید کو

روم کے طرف جہاد کرنے کو روانہ فرمایا۔ اور اُن کو امیر بنا کر ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ
اور عبیدۃ ابن الجراح اور سعد ابن ابی وقاص رضؓ وغیرہ صحابہ کبار کو انکا تابع
بنایا۔ بعضے لوگوں نے اس میں کلام کیا کہ حضرتؐ نے قدیم مہاجرین اور انصار کا
امیر اس لڑکے کو بنایا۔ یہ خبر حضرتؐ کو پہنچی۔ آپ نے انپر سخت غصہ کیا۔ اور
خطبے میں فرمایا کہ اے لوگو! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ میں نے جو اُسامہ رضؓ کو امیر بنایا
اُس میں لوگ کلام کرتے ہیں۔ اگر اُن کی امارت میں تم نے کلام کیا تو کوئی
نئی بات نہیں۔ کیونکہ اُن کے باپ کے امارت میں بھی ایسا ہی تم نے کلام کیا تھا
خدا کی قسم وہ بھی امارت کے قابل تھے اور اُن کے بیٹے اُسامہ رضؓ بھی امارت کے
قابل ہیں۔ انتہی ملخصاً۔

دیکھئے اُسامہ رضؓ صحابہ میں کوئی ایسے سربرآوردہ اور کسی قبیلے کے رئیسوں میں
نہ تھے بلکہ وہ زید کے بیٹے تھے جو خدیجہ رضؓ کے زر خرید غلام تھے۔ پھر سا
کوئی معمر شخص بھی نہ تھے بلکہ اسوقت ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔ ہر شخص جانتا ہے
کہ عقلا کے نزدیک اس عمر کے لڑکوں کی وقعت نہیں ہوتی۔ مگر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی کو سردار بنایا۔ اور صدیق اکبر رضؓ اور عمر فاروق رضؓ وغیرہ
جیسے جلیل القدر اور مدبر اور تمام امت میں برگزیدہ اور سربرآوردہ اصحاب کو
اُن کے تابع اور اُن کی رعیت بنادیا۔ کیا کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے اس فعل پر نکتہ چینی کر سکتا ہے؟ اسی زمانے میں جب اس امر میں نکتہ چینیاں

ہونے لگیں تو وہ حضرتؐ کے کمالِ غضب کا باعث ہوئیں۔ اس سے بھی حضرتؐ کا وہی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ کبر و نخوت اور خود سری مسلمانوں میں نہ رہے چنانچہ سیرۃ النبویہ میں لکھا ہے کہ عمرؓ اپنی خلافت میں جب اسامہؓ کو دیکھتے تو کہتے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا الْاَمِیْر۔ وہ کہتے کہ اے امیر المومنین یہ لفظ آپ میری نسبت کہتے ہو۔ وہ جواب دیتے کہ جب تک میں زندہ رہونگا آپ کو اپنا امیر کہتا رہونگا۔ کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ مجھ پر امیر تھے یہ گویا تمہید اس امر کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف سے پہلے صدیق اکبرؓ کو اپنا جانشین فرما کر تمام صحابہؓ کا مقتدی بنا دیا۔ اس میں کسی کو کلام کی گنجائش نہ رہے۔ کہ باوجود موجودگی حضرت عباسؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو قرابت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر تھے۔ ابوبکرؓ کیونکر جانشین ہوں۔ اسیوجہ سے کل صحابہ نے صدیق اکبرؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ اور وہ اور ان کے بعد کے خلفا جسکو چاہتے کسی لشکر کا امیر بنا کر روانہ کر دیتے۔ اور کسی کی یہ مجال نہ ہوتی کہ اپنی شرافت وغیرہ کے لحاظ سے اس میں کلام کرے غرض کہ صحابہ میں ان امور کے مشاہدے کے بعد خود سری اور نخوت بالکل باقی نہ رہی تھی۔ اور مقام عبدیت اُن کو حاصل ہو گیا تھا جو تصوف میں کمال درجہ کا مقام سمجھا جاتا ہے۔ سیر و تواریخ کے کتابوں سے اس قسم کے بہت سے واقعات پیش نظر ہوتے ہیں۔ جو ہماری اس تقریر کے مؤید ہیں۔

عمرؓ اسامہؓ کو تا وقت وفات امیر المومنین کہتے تھے۔

السیرۃ النبویہ میں عبدالرحمن ابن غنم سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے راستے میں کسی مقام پر پانی کی بہت قلت تھی۔ حضرتؐ نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ اگر چشمے پر کوئی جائے تو اُسوقت تک اُس کا پانی نہ پئے کہ ہم وہاں آجائیں۔ یہ سنکر وہاں چند منافق پہنچگئے اور اُسکا پانی پی لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں تشریف لیجاکر کھڑے ہوئے۔ اور دیکھا کہ اُس میں پانی بالکل نہیں ہے تو فرمایا کہ اس پانی پر ہم سے پہلے کون آگیا۔ عرض کیا گیا کہ فلاں فلاں شخص۔ فرمایا کیا میں نے انکو منع نہیں کیا تھا کہ اس کا پانی نہ لیں جب تک میں نہ آؤں۔ پھر حضرتؐ نے اُن پر لعنت اور بددعا کی۔ اور پانی کے مقام میں اُتر کے اپنے دونوں ہاتھ اُسپر پھیرے۔ اور کچھ دعا کی ساتھ ہی پانی جاری ہوگیا اس قدر کہ زور سے آواز آنے لگی۔ سب لوگوں نے اُس کا پانی پیا۔ اور اپنی حاجتیں روا کیں۔ پھر فرمایا اگر تم میں سے کوئی باقی رہیگا تو سُن لیگا کہ یہ تمام میدان اور اُس کے آگے اور پیچھے کی زمین سرسبز و شاداب ہوگئی۔ انتہیٰ۔

اس حدیث شریف میں جو مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال غضب اور غصے سے اُن منافقین پر لعنت اور بددعا کی جنھوں نے باوجود منع کرنے کے سب سے پہلے جاکر پانی کو پی لیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ہاتھوں کی نحوست نے اُس پانی میں ضرور کچھ اثر بد کیا تھا۔ ورنہ لعنت کرنا اور بددعا دینا حضرتؐ کی عادت کے خلاف تھا۔ یہ معنوی امور ہیں ان کا ادراک و احساس صرف روحانیت

سے متعلق ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس عالم کے اشیاء اور تاثیرات منکشف تھے۔ اسی لئے حضرتؐ کو دونوں ہاتھ اُس مقام پر پھیرنے اور دعا کرنے کی ضرورت ہوئی ہو۔

تسبیح کنکریاں در کف مبارک

خصائص کبریٰ میں عبداللہ ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ حضرتؐ کی خدمت میں حضر موت کے باشندے حاضر ہوئے جن میں اشعث بن قیس بھی تھا انھوں نے کہا کہ ہم نے ایک بات دل میں چھپائی ہے اسکو آپ بتا دیجئے۔ کہ وہ کیا ہے آپ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو کاہن کا کام ہے اور کاہن و کہانت کا مقام دوزخ ہے۔ انھوں نے کہا کہ پھر ہم کیونکر جانیں کہ آپ اللہ کے رسول ہو۔ آپ نے ایک مٹھی کنکر زمین سے اُٹھا کر فرمایا دیکھو کہ یہ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ چنانچہ حضرتؐ کے دست مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی یہ سنتے ہی وہ لوگ کھڑے اُٹھے کہ ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہو اور اس قسم کی کئی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ حضرتؐ کے دست مبارک کی برکت سے کنکریوں نے بلند آواز سے تسبیح کہیں۔ انتہیٰ۔

حضرتؐ ... کی ... مطلع

اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دل کی باتوں پر مطلع تھے جس کا ثبوت متعدد روایات سے ہوتا ہے۔ مگر اس موقع میں یہ فرمایا کہ یہ کاہنوں کا کام ہے مقصود اس سے یہ تھا کہ اگر حضرتؐ اُن کی سوچی ہوئی بات کو بتا دیتے

تو لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ یہ کام تو کاہن بھی کیا کرتے ہیں اور ممکن تھا کہ انکو اس قسم کا خیال کسی وقت شبہہ میں ڈالدیتا اس لئے حضرتؐ نے ایک ایسا معجزہ بتلایا جو کسی سے ممکن نہ تھا۔

سیرۃ النبویہ میں اس روایت کے تکملہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے پوچھا کیا تم اسلام نہیں لائے؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں فرمایا کہ پھر حریر یعنی ریشمی لباس جو پہنے ہو کیونکر درست ہوگا۔ یہ سنتے ہی سب لوگوں نے اپنے اپنے ریشمی لباس کو پھاڑ کر پھینکدیا۔ انتہیٰ۔

سبحان اللہ اسلام اسے کہتے ہیں۔ ریشمی لباس کا ناجائز ہونا معلوم ہوتے ہی پھاڑ کر پھینکدیا۔ بخلاف ہم لوگوں کے کہ جانتے تو ہیں سب کچھ مگر عمل ندارد۔ خداوند تعالیٰ ہم کو سچا ایمان اور اسلام نصیب فرمائے جس سے عمل کرنا آسان ہوجائے۔

خصائص کبریٰ میں ام اسحٰق سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ ہجرت کرکے نکلی۔ راستے میں میرے بھائی نے کہا کہ میں ایک چیز مکہ میں بھول گیا۔ جب وہ واپس گئے تو میرے شوہر نے اُن کو مار ڈالا میں نے حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ میرا بھائی مار ڈالا گیا۔ حضرتؐ نے چلو پانی لیکر میرے منہ پر مارا۔ اُس وقت سے اُن کی یہ حالت ہوئی کہ کیسی ہی مصیبت اُن پر آتی تو آنسو آنکھ میں نظر آتے بھی تو رخسار تک نہ بہتے۔ انتہیٰ۔

دیکھئے اثر دست مبارک سے ہمیشہ کے غم کا بندوبست ہوگیا۔

اثر دست مبارک سے رومال کو آگ نہ جلاتی۔

خصائص کبریٰ میں عباد ابن عبدالصمد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم انس بن مالکؓ کے گھر گئے۔ انھوں نے اپنی لونڈی کو پکار کر کہا کہ دسترخوان لا کہ ہم سب کھانا کھاتے ہیں چنانچہ دسترخوان بچھایا گیا۔ پھر اس سے فرمایا کہ رومال لا۔ وہ ایک رومال لائی جو میلا تھا۔ فرمایا تنور سلگا۔ چنانچہ تنور سلگایا گیا جب آگ دہکنے لگی فرمایا کہ یہ رومال اس میں ڈالدے وہ ڈالدیا گیا تھوڑی دیر کے بعد جب وہ نکالا گیا تو نہایت سفید مثل دودھ کے ہوگیا تھا۔ ہم نے یہ حیرت انگیز واقعہ کو دیکھکر ان سے کہا کہ ہماری عقلوں نے تو جواب دیدیا کہ اس کا راز کچھ سمجھ میں نہیں آتا اب ارشاد ہو کہ یہ کیا اسرار ہیں۔ فرمایا کہ یہ وہ رومال ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ اور منہ پونچتے تھے۔ جب وہ میلا ہوجاتا ہے تو ہم اسکو آگ سے دھو ڈالتے ہیں اسلئے کہ جو چیز انبیا کے چہروں پر گزرے آگ اسے نہیں جلاتی۔ انتہیٰ۔

مسئلہ فطرت۔

یہاں ایک معرکۃ الآرا نیچر یعنی فطرت کا مسئلہ پیش ہوجاتا ہے کہ ہر چیز کو اپنی فطرت کے مطابق کام کرنا ضروری ہے۔ آگ کی کتنی ہی خوشامد کیجئے وہ اپنا جلانا نہ چھوڑیگی

اگر صد سال گبر آتش فروزد
چو یک دم اندراں افتد بسوزد

ہم اہل اسلام اس کا بھی جواب دیتے ہیں کہ آگ کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس میں جلانے کی تاثیر رکھی۔ جب خدا تعالیٰ کو اس کے پیدا کرنے کی قدرت ہے تو اس کی ذات اور صفت احراق کو فنا کرنے کی بھی قدرت ہے۔

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو جب کفار نے آگ میں ڈالا تو حق تعالیٰ نے آگ کو حکم کیا کہ سرد ہو جائے کما قال تعالیٰ قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم۔ اس سے ظاہر ہے کہ جلانے کی صفت سلب یا معطل کر دی گئی تھی یہاں تک کہ مثل گلزار ہو گئی غرض کہ جب خدائے تعالیٰ کی قدرت مان لیجائے تو فلسفہ اور سائنس کا جھگڑا خود بخود مٹ جاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ کوئی چیز اس سے سرتابی نہیں کر سکتی اور جو لوگ خدائے تعالیٰ کی قدرت ہی کو نہیں مانتے ہمیں اُن سے کوئی بحث نہیں۔ کیونکہ یہ رسالہ مناظرہ کا نہیں ہے بلکہ خاص وہ لوگ اس کے مخاطب ہیں جنکو خدائے تعالیٰ کی قدرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان ہے۔ حاصل یہ کہ ہر مسلمان کو یہ ماننا ضرور ہے کہ آگ بغیر حکم الٰہی کے خلاف نہیں کر سکتی۔ اسی چیز کو جلاتی ہے جس کے جلانے کا حکم ہوتا ہے۔ مگر عادت اللہ جب جاری ہے کہ جلانے کا کام آگ ہی سے لیا جاتا ہے تو مسلمان کو چاہئے کہ اس سے بچے اگر اس میں کود جائے یا اپنا مال اس میں ڈالدے تو گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ حسب عادت خودکشی یا اتلاف مال کا شرعاً الزام اس پر عائد ہوگا۔

اب یہاں یہہ بات قابل غور و توجہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے جو رومال کے دھونے کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے اگر استفتا کیا جائے کہ کوئی شخص اپنا عمدہ مال آگ میں ڈالنا چاہتا ہے تو کیا جائز ہوگا

کوئی عالم اُس کے جواز پر ہرگز فتویٰ نہ دیگا۔ بلکہ یہی کہا جائے گا کہ اتلافِ مال حرام ہے۔ پھر ایسے جلیل القدر صحابی نے پہلے بار اُس متبرک اور باوقعت رومال کو جو آگ میں ڈالا یہ کیسی بات تھی۔ یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو وہ رومال دے کر یہ فرمادیا کہ اس کے دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ آگ میں ڈالدیا جائے۔ اگر حضرتؐ یہ فرما دیتے تو وہ سب پہلے اُس کا ذکر کرتے کیونکہ صحابہ کو تعقید تھی کہ جو کچھ حضرتؐ سے سنیں دوسروں کو پہنچا دیا کریں۔ اسی وجہ سے حضرتؐ جو کچھ فرماتے صحابہ اُس ارشاد کے نقل کرنے کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ بخلاف اس کے اس روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ انس رضؓ نے کوئی بات ایسی نہ کہی جس سے معلوم ہو کہ حضرتؐ نے یہ طریقہ انھیں بتلایا تھا۔ بہرحال ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انس رضؓ نے اُس رومال کے دھونے کا طریقہ اپنی ذات سے ایجاد کیا تھا۔ وہ متبرک رومال اُن کے نزدیک جان سے زیادہ عزیز تھا۔ چنانچہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ صحابہ حضرتؐ کے تبرکات کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ایسے بیش بہا نادرالوجود تبرک کو پہلے بار جب انھوں نے آگ میں ڈالنے کا قصد کیا ہو گا تو اُن کے دل کی کیا حالت ہوگی۔ کیا یہ خیال نہ ہو گا کہ آگ ایسے کپڑوں کو دم بھر میں جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ جل جائے تو اُسکا داغ حسرت عمر بھر نہ مٹیگا۔ اور ایک نعمت عظمیٰ اصفحۂ ہستی سے

معدوم ہو جائے گی جس سے تمام اہل اسلام نشانۂ ملامت بنیں گے۔ مگر میری رائے میں اُن کو اِن باتوں کا خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ بلکہ اس امر کا جسنرم تھا کہ اُس متبرک رومال کو آگ ہرگز جلا نہیں سکتی۔ کیونکہ حضرتؐ کے دست و روئے مبارک کا اُسکو مساس حاصل ہوا۔ اور بلا تامل اُسے آگ میں ڈالدیا۔ یہ تھے صحابہ کے مستحکم اعتقاد کہ شانِ نبوی کے مقابلہ میں کسی چیز کی وقعت اُن کی نظروں میں نہ تھی حضرتؐ کی شان تو بہت ارفع واعلیٰ ہے۔ حضرتؐ کے رومال مبارک کے مقابلہ میں بھی انھوں نے آگ کی کچھ وقعت نہ کی جسکو فلسفہ و سائنس خدا کے مقابل قرار دے رہا ہے۔ ہمارے زمانے کے بعض مسلمان بھی سائنس ہی کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور اُن کی نظروں میں تبرکات تو کیا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی معاذاللہ کچھ وقعت نہیں۔ جس طرح اُس زمانے کے کفار کہتے تھے کہ حضرتؐ بھی نعوذباللہ ہمارے جیسے ایک آدمی ہیں۔ یہ بھی وہی کہتے ہیں۔ خیر وہ جانیں اور اُنکا اعتقاد صحابہ کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو یہ وقعت تھی اُسی کا نتیجہ تھا کہ کسی بادشاہ کی وقعت اُن کی نظروں میں تھی نہ کسی فوج ولشکر کی۔ اسی وجہ سے تھوڑے تھوڑے لوگ باوجود بے سروسامانی کے بڑی بڑی سلطنتوں کا مقابلہ کرتے اور کامیاب ہوجاتے تھے۔ غرضکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت و محبت جو مسلمانوں کے دلوں میں تھی۔ اُس نے اسلام میں بڑے بڑے کرشمے دکھلائے ہیں۔ اور جب سے وہ بات جاتی رہی تنزّل اور خرابی کا سامنا ہے

اگرچہ ایک جماعت مسلمانوں میں ایسی بھی ہے کہ اُن کے حالات و حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت اُن کے دلوں میں حد سے زیادہ ہے اور یہاں تک اُنھوں نے افراط کی کہ مخالفین نے اُن کو بدعتی مشہور کیا مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں بہت سے ایسے بھی ہیں کہ خوش اعتقادوں میں اپنا رسوخ جمانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور وقعت دل میں ہو تو آپ کے کلام کی وقعت اگر تبرکات سے زائد نہیں تو برابر تو ہونی چاہیے مگر دیکھا جاتا ہے کہ حضرتؐ کے ارشادات کے ساتھ اُن کو کچھ تعلق نہیں حضرتؐ نے جن کاموں کے کرنے کا ارشاد فرمایا اُن کی طرف کچھ توجہ نہیں۔ اور جن سے منع فرمایا اُس کی کچھ پروا نہیں۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں کہ محب اپنے محبوب کی اطاعت نہ کرے۔ جو حرکات و افعال ان حضرات سے بظاہر صادر ہوتے ہیں شاید اُن کا عشر عشیر بھی عموماً صحابہ سے صادر ہوتا ہوگا۔ مگر بات میں اُن کی اطاعت و فرمانبرداری اُن کے دلی محبت کے سچے جذبات پر گواہی دیتی ہے اگر فی نفسہ نتیجہ خیز محبت ہے تو اس قسم کی اصلی محبت ہے۔ تقلیدی یا تصنعی محبت مخالفت اوامر و نواہی کے اثرات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یعنی جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پرسش فرماویں گے کہ ہم نے جن کاموں کا حکم کیا تھا وہ کیوں نہیں کئے اور جن کاموں سے منع کیا تھا اُسکے مرتکب کیوں ہوئے تو ایسی محبت اس قابل نہ ہوسکیگی کہ اس موقع میں پیش ہو سکے۔ ہم لوگوں کو چاہئے کہ

دعا کیا کریں کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت اور سچی محبت ہمارے دلوں میں مستحکم کرے۔

خصائص کبریٰ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ ایک روز کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے۔ اور دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا جس میں تصویر تھی۔ حضرتؐ نے اُسے نکال کر پھینکدیا اور فرمایا۔ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب اُن لوگوں پر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق میں مشابہت کرتے ہیں۔ ایک روز حضرتؐ نے میرے پاس ایک سپر لائی جسپر عُقاب کی تصویر تھی۔ آپ نے دست مبارک اُس پر رکھا وہ فوراً ایسی معدوم ہوگئی کہ اُس کا اثر تک باقی نہ رہا۔ انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ دست مبارک میں یہ بھی تاثیر تھی کہ کسی موجود چیز کو معدوم کردے یہ سب کرشمے محبت کے ہیں، چونکہ آپ حق تعالیٰ کے محبوبوں میں یکتا تھے۔ اس لئے جس کام کے ارادہ سے دست مبارک کو کام میں لاتے فوراً حق تعالیٰ وہ کام کردیتا۔ دیکھنے کو وہ ہاتھ حضرتؐ کا تھا۔ مگر دراصل وہ یدِ قدرت تھا چنانچہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کوئی بندہ کثرت سے نوافل ادا کرتا ہے تو میں اسکو دوست رکھتا ہوں۔ اور جب میں دوست رکھتا ہوں تو اُس کے کان، آنکھیں، زبان، ہاتھ وغیرہ ہو جاتا ہوں۔ اب غور کیجئے کہ جب عام طور پر یہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے جنہیں صحابہ اور اولیاء اللہ بھی

شریک ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ کی خصوصیت ہونی چاہئے۔

خصائص کبریٰ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مہر بنوائی تھی وہ حضرتؐ کے دست مبارک میں رہتی تھی۔ آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ اُن کے بعد عمر رضی اللہ عنہ اُنکے بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک روز عثمان رضؓ بیرِ اریس پر بیٹھے مہر کو ہاتھ میں ہلا رہے تھے کہ یکایک وہ ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں گر گئی۔ عثمان رضؓ نے بہتیرا اُس کی تلاش کی تمام صحابہ تین روز تک اس کام میں مصروف رہے کنوئیں کا پانی تک خالی کر ڈالا مگر وہ نہ ملی۔ انتہیٰ۔

امام بیہقی رحؒ نے لکھا ہے کہ اس کے بعد حکام کے حالات میں تغیر واقع ہو گیا۔ اور فتنوں کے اسباب قائم ہونے لگے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس مہر شریف میں سلیمان علیہ السلام کے مہر کا سِر تھا۔ کیونکہ سلیمان علیہ السلام کے پاس سے جب مہر جاتی رہی تو اُن سے ملک بھی جاتا رہا۔ بیہقی نے سعید ابن مسیبؓ سے روایت کیا ہے کہ زید بن خارجہ انصاری جو بنی حارث بن خزرج کے قبیلے میں رہتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔ جب اُن پر چادر اوڑھا دی گئی تو تھوڑی دیر کے بعد اُن کے سینے سے کچھ آواز آنے لگی پھر اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف کر کے کہا کہ عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ چار سال تک اُنہی کے طریقہ پر رہے۔ اب

انگشتری دست مبارک در انگشتری۔

دو سال باقی ہیں کہ ہر طرف سے فتنے شروع ہو جائیں گے۔ اور قوی ضعیف کو کھا جائے گا۔ اور ایک قیامت برپا ہو گی۔ قریب ہیں تمہارے لشکر سے بیر اریس کی خبر پہنچے گی۔ اُس کنوئیں کا حال کچھ نہ پوچھو۔ اس واقعہ کے بعد قبیلہ خطمہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا اُس نے بھی بات کی اور کہا کہ اس خزرجی نے جو خبر دی ہے وہ سچ ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھے سال گزرنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ مہر شریف گم ہوئی اور فتنوں کے اسباب قائم ہوئے یہ کل مضامین خصائص کبریٰ سے بر سبیل اختصار لکھے گئے۔

اس انگشتری میں دو قسم کی برکتیں تھیں ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اُس پر کندہ تھا۔ دوسری دست مبارک کی برکت اُن سے حاصل تھی جب تک ابو بکر صدیق رضؓ عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں وہ برکت رہی تمام ملک زیر نگیں تھا۔ اور جب سے وہ برکت جاتی رہی فتنہ و فساد کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ اگر سچ پوچھئے تو ان حضرات سے جو کار نمایاں صادر ہوئے اور اُن کی نیک نامی ہوئی۔ اُسی دست مبارک کا خاص اثر تھا جو بذریعہ انگشتری چلا آرہا تھا۔ ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اصابت رائے اور شجاعت میں کم نہ تھے۔ بلکہ آپ کی رائے کی یہ حالت تھی کہ عمر رضؓ بڑے بڑے معاملات میں آپ سے رائے لیتے اور اکثر اُسی پر کار بند ہوتے اور شجاعت اور قوت کی یہ کیفیت کہ آپ کا نظیر نہ تھا۔ مگر باوجود خلافت حاصل ہونے کے عمر بھر پریشانی

ہیں رہے۔ کوئی کام آپ کے خاطر خواہ نہ ہونے پایا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ برکتِ دست مبارک جس نے ایک عالم کو زیر نگیں بنا دیا تھا۔ آپ تک پہنچنے نہ پائی۔

دیکھئے مہر مبارک کے گرنے کا واقعہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں کیسا مصیبت خیز تھا کہ جس سے اُن پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ چنانچہ مُردوں نے اس کو قیامت ہی سے تعبیر کی۔ فی الحقیقت اسلام کی جو رفتار اس واقعہ تک ہوئی اگر اور تھوڑی مدت یہی رفتار رہتی تو اسلام کے برکات سے کوئی شہر محروم نہ رہتا عرب و عجم یورپ و افریقہ میں جتنا ملک اسوقت اہل اسلام کے قبضے میں ہے تقریباً وہ سب اُسی وقت کا مفتوحہ ہے۔ اگر آپس کی خانہ جنگی نہ ہوتی اور کل اہل اسلام جیسے اُسوقت تک ترقی اسلام کی طرف ہمہ تن متوجہ تھے اگر بعد بھی رہتے تو رفتارِ ترقی اول سے زیادہ تر تیز ہو جاتی۔ کیونکہ ایک عظیم الشان سلطنت جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ جدھر متوجہ ہوتی صفایا کر دیتی۔ غرض کہ خانہ جنگیوں نے ترقی کا خاتمہ ہی کر دیا۔ اسکا منشا یہی تھا کہ وہ برکت جاتی رہے جو دست مبارک کے مساس سے خاص مہر مبارک کو حاصل تھی جس سے فرامین خلافت مزین ہو کر اقطار بلاد میں نافذ ہوتے تھے۔ یہ مہر معمولی نہ تھی۔

ہر چند مدینہ طیبہ میں وہ کندہ کرائی گئی تھی مگر اس کا معاملہ بھی عجیب وغریب ہے۔ خصائص کبریٰ میں عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر فرمایا کہ میرے لئے ایک چاندی کی مہر بنوا ؤ جبکا نقش

محمد بن عبداللہ ہو۔ انھوں نے مہرکن سے کھدیا جب وہ تیار کر کے لایا تو اس پر
محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ آپ نے کہا کہ میں نے تو ایسی فرمائش نہیں کی تھی اسنے
قسم کھا کر کہا کہ میں نے تو حسب فرمائش محمد بن عبداللہ ہی لکھا تھا۔ مگر نقش کرتے
وقت خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو پھیر دیا جس سے محمد رسول اللہ کھد گیا اُسکے
قسم کھانے کی وجہ سے علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی تصدیق کی اور حضرت سے
وہ قصہ بیان کیا۔ آپ نے تسلیم کر کے فرمایا کہ میں رسول اللہ ہوں انتہیٰ۔
دیکھئے ہر چند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازراہ تواضع لفظ رسول اللہ کو مہر میں
رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اور حسب عادت عرب ولدیت ہی لکھوانا چاہا۔ مگر حق تعالیٰ
کو منظور نہ تھا کہ یہ خاص لقب حضرت کے نام مبارک سے جدا ہو۔ اس لئے
مہرکن سے خلاف ارادہ وقصد اسی کے ہاتھ سے وہ کندہ کرادیا گیا۔
سیرۃ النبویہ میں لکھا ہے کہ جب وفد بنی محارب حضرت کی خدمت میں آیا تو اُن
میں سے ایک شخص کو آپ نے بہت غور سے ملاحظہ فرمایا جن کا نام حذیمہ تھا
اور فرمایا کہ میں نے تمھیں کہیں دیکھا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ بہت درست
ہے (عکاظ) میں ملاحظہ فرمایا ہے۔ عکاظ ایک موضع کا نام تھا جس کے جنگل میں
بازار بھرتا تھا۔ اس میں تمام عرب کے قبیلے آکر اپنے اپنے فضائل اور کمالات فخریہ
بیان کرتے اور اسی مضمون کے اشعار پڑھتے تھے۔ یہ بازار بیس روز تک
بھرا رہتا تھا۔ حذیمہ نے کہا کہ اس بازار میں حضرت تشریف فرماتے اور ہر ہر

قبیلے میں جاکر دعوت اسلام فرماتے تھے۔ اس روز یوں تو سبھی آپ کے مخالف تھے۔ مگر میں نے سب سے زیادہ آپ کی خدمت میں گستاخی کی اور بہت ناشائستہ کلمات کہے۔ اور بنہایت سختی سے پیش آیا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہاں عرض کی کہ اگرچہ میں سب اپنے ہمراہیوں میں ایسا شخص ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی اسلام سے دور نہ تھا۔ مگر اب اللہ کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے آپ کی خدمت میں مجھے بھیجا۔ اور میں نے آپ کی تصدیق کی۔ اسوقت جتنے میرے ساتھی تھے وہ سب اپنے دین پر مر گئے۔ حضرتؐ نے فرمایا دل خدائے عزوجل کے ہاتھ میں ہیں۔ یعنی جب تک خدا تعالیٰ نہ چاہے کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ عرض کی یارسول اللہ میں نے جو آپ سے گفتگو کی تھی۔ اس باب میں آپ میرے لئے خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگئے۔ فرمایا اسلام اگلے تمام کفر کی باتوں کو مٹا دیتا ہے۔ یہ کہکر آپ نے اُن کے چہرے پر ہاتھ پھیرا جس کی وجہ سے وہ روشن ہو گیا۔ اور آپ نے حسب عادت ان کو انعام دیکر روانہ فرمایا۔ انتہیٰ۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ جہاں جہاں عرب کے مجمع ہوا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لیجاتے اور دعوت اسلام فرماتے مگر حضرتؐ کا ان تمام مجمعوں میں ہمکلام و ہمزبان کوئی بھی نہ ہوتا۔ بلکہ ہر شخص حضرتؐ کی بات کو رد کرنے اور ایذا پہنچانے کی فکر میں ہوتا۔ ان واقعات کے خیال کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرتؐ کو کیسی کیسی سختیوں کا سامنا تھا۔ ہزارہا دشمنوں میں

ہر مجمع میں حضرتؐ کا تشریف لیجانا اور دعوت اسلام فرمانا

آپ تن تنہا فرما رہے ہیں کہ تمہارا مذہب جھوٹا ہے۔ تمہارے معبود تمہارے ہاتھ کے تراشے ہوئے پتھر۔ اس قابل نہیں کہ پرستش کئے جائیں۔ اور ان اقوام کی وہ حالت کہ دنیا میں ان سے زیادہ جنگجو اور بات بات پر لڑنے بھڑنے والی کوئی قوم نہیں۔ اور حضرتؐ ان دشمنوں میں تن تنہا ہیں۔ نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔ اس سے بڑھ کر اس دین کے صداقت کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ وہی جنگجو قوم یعنی پورا ملک عرب مسلمان ہوگیا۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو ایک منصف، حق پسند، کے اسلام لانے کے لئے یہی ایک دلیل کافی ہے۔ اور اگر آنکھوں پر تعصب کا پردہ پڑا رہے تو پھر کسی دلیل پر نظر نہیں پڑ سکتی سوفسطائی کے ذہن میں جب یہ بات جمی کہ یہ سب عالم یونہی خیالی ہے تو کیسی ہی دلیل اسکے روبرو پیش کیجائے وہ یہ کہہ کر اسکا انکار کردیتا کہ یہ بھی ایک خیالی بات ہے یہاں تک کہ لوگوں نے اسکو آگ میں جلایا۔ اس غرض سے کہ آگ کی حقیقت واقعیہ کا تو اقرار کرلیگا۔ مگر اس نے نہ کیا۔ ایسے ہٹ دھرموں سے حق پسندی کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔

یہ ایک بین دلیل اسلام کے حقانیت کی ہے۔

حدیث موصوفہ سے یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دست مبارک پھیرنے سے یہ مقصود تھا کہ انکا چہرہ روشن ہوجائے۔ یا حضرتؐ نے محبت سے دست مبارک پھیرا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس مقام کو جہاں دست مبارک پہنچا تھا روشن کردیا۔ جو کچھ ہو دست مبارک کی تاثیر ضرور ثابت

ہوتی ہے۔ بغیر قصد حضرتؐ اگر حق تعالیٰ نے اس مقام کو روشن کر دیا تھا تو اس میں اور زیادہ لطف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پروردگار عالم کو مقصود تھا کہ بغیر حضرتؐ کی درخواست کے حضرتؐ کے حرکات پر وہ آثار مرتب کرے جو دنیا میں کسی سے نہ ہو سکیں۔ جن سے حضرتؐ کا نام تمام عالم میں روشن ہو۔

معجزۂ شق القمر

حضرتؐ کا تصرف علاوہ عالم سفلی کے عالم علوی میں بھی جاری تھا۔ چنانچہ قرآن شریف سے معجزۂ شق القمر ثابت ہے کما قال تعالیٰ اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ کفار مکہ نے جب آپ سے درخواست کی کہ اگر آپ چاند کو شق کر دینگے تو ہم ایمان لائیں گے۔ آپ نے دعا کی اور ایک اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دئیے۔ ایک ٹکڑا ابو قبیس کے پہاڑ پر گرا۔ اور دوسرا اسی پہاڑ کے دامن میں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرتؐ کی آستین میں سے نکلگیا۔ مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ معجزہ بتواتر ثابت ہے۔ اور جن صحابہؓ سے وہ مروی ہے اُنکے نام اور جن کتابوں میں وہ روایتیں درج ہیں اُن کے نام بیان کئے ہیں۔

غرض کہ قرآن شریف سے اسکا وجود ثابت ہے اور احادیث سے اُس کا معجزہ ہونا۔ اہل ایمان تو اس کو نہایت آسانی سے مان لیتے ہیں اس لئے کہ قرآن وحدیث سے اس کا وجود ثابت ہے۔ مگر نئے خیالات اور فلسفی مذاق کے

لوگ ایسے امور کی طرف توجہ نہیں کرتے ۔ اس لئے انکار ہی کر دیتے ہیں۔ اگرچہ
یہ مسئلہ اس قسم کا ہے کہ کتنی ہی وضاحت سے بیان کیا جائے معمولی عقلوں
سے اُس کے ماننے کی توقع نہیں ہو سکتی۔ مگر صرف خیر خواہانہ اس باب میں
تھوڑی سی تقریر کیجاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اہل انصاف توجہ اور تدقیق نظر سے
کام لیں تو کسی حد تک کامیابی ہو جائے۔ قبل اسکے کہ اصل اشکال کا جواب دیا جائے
ایک ایسی بات لکھی جاتی ہے جسکو عموماً لوگ جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ برقی روشنی کا
کارخانہ ایک مقام میں ہوتا ہے۔ جس میں مادّہ روشنی کا جمع رکھا جاتا ہے
اور بذریعہ تار وہ مادّہ جسکو پَوَر کہتے ہیں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور وہ مادّہ جہاں
جہاں گلوب یعنی چراغ ہوتے ہیں پہنچکر اُن کو روشن کر دیتا ہے اور جب
چاہتے ہیں چراغوں کو خاموش کر دیتے ہیں۔ اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ اُن
چراغوں کو خاموش کرنا اُن کو معدوم کر دینا ہے۔ یا یہ کہ پَوَر کو روک لینے
سے خود بخود وہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ وہ معدوم
کر دئے جاتے ہیں جس طرح حباب معدوم کر دیا جاتا ہے تو چاہئے جسطرح
حباب کو معدوم کرتے وقت اُسکو ہوا یا ہاتھ کا صدمہ پہنچایا جاتا ہے چراغ کو
بھی کوئی صدمہ پہنچایا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ تاریں کھٹکے ایسے
لگائے جاتے ہیں کہ جب خاموش کرنا منظور ہوتا ہے تو اُنکو حرکت دیتے
ہیں تاکہ تار کا اتصال جاتا رہے۔ جس سے پَوَر یعنی مادّہ روشنی چراغ تک

پہنچ نہ سکے۔ اور جب نُور نہ پہنچے تو روشنی کا خاموش ہوجانا ضروری ہے۔ کیونکہ شعلۂ روشنی دراصل وہی نُور ہے جو حسب استعداد مقام روشنی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع میں اونٰے تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ ہر آن میں ایک نیا شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو نُور اس مقام خاص میں آتا ہے وہ شعلہ کی صورت میں متشکل ہوتا ہے پھر جب تک وہ فنا نہو یعنی آتش بنکر جل نہ جائے دوسرے نُور کو جگہ نہیں مل سکتی۔ اس لئے وہ فوراً فنا ہوجاتا ہے اور اس کے مقام میں دوسرا نُور آکر شعلہ سابقہ کی جگہ قائم ہوتا ہے۔ اگر کسی آن میں نُور نہ پہنچے تو فنا شدہ شعلہ کی جگہ دوسرا شعلہ قائم نہیں ہوتا۔ فوراً چراغ گل ہوجاتا ہے اس سے تجدد امثال کا مسئلہ اس چراغ میں نہایت آسانی سے ثابت ہوگیا۔ کیونکہ ہر آن میں جب نئے نُور کا آنا ضرور ہے تو ہر آن میں نیا شعلہ بننا بھی ضرور ہوا۔ کیونکہ نُور ہی ہے جو شعلہ میں ہے۔ مگر چونکہ ہر ایک شعلہ کا وجود دوسرے شعلہ کے وجود کی متصل آن میں ہے۔ اس لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے انتہا تک ایک ہی شعلہ ہے۔ حالانکہ واقع میں بحسب تعداد آنات ایک ساعت میں ہزارہا شعلے موجود ہوکر فنا ہوگئے۔ اسکا ثبوت اس طرح بھی ملسکتا ہے کہ جس کھٹکے کو حرکت دینے سے نُور کی مدد منقطع ہوجاتی ہے۔ اگر فوراً فوراً متضاد حرکتیں اسکو دی جائیں تو صاف معلوم ہوگا کہ ایک شعلہ موجود ہوا۔ اور وہ فنا ہوگیا۔ پھر دوسرا موجود ہوا وہ بھی فنا ہوگیا۔ علیٰ ہذا القیاس جبتک

حرکتیں دیجئے اُس کا وجود اور فنا محسوس ہوتی رہیگی - چونکہ وجود بھی ایک نور ہے
چنانچہ حکماء اشراقیین وجود کو نور ہی سے تعبیر کرتے ہیں - اسکا بھی حال ایسا ہی ہے
مگر اس رازِ سربستہ پر عموماً عقلا مطلع نہیں ہوسے - البتہ محققین صوفیہ نے اسکی
تشریح کی ہے کہ عالم کا وجود آناً فاناً حق تعالےٰ کے طرف سے عطا ہوتا ہے
کیونکہ ممکن اپنے وجود میں موجد کے طرف محتاج ہے - جب تک موجد تعالےٰ
اُس کے وجود کو ترجیح نہ دے وجود میں نہیں آسکتا - پھر جس آن میں اُسکا وجود
ہوگیا - اُس کے بعد کی آن میں وہ وجود سے عاری اور محتاج وجود ہے جب
خدا تعالےٰ کو آن لاحقہ میں اُس کو باقی رکھنا منظور ہوتا ہے تو پھر اُس کو وجود
عنایت فرماتا ہے - علیٰ ہذا القیاس آناً فاناً وجود عنایت ہوتا رہتا ہے - اور
جب اُسکو فنا کر دینا منظور ہوتا ہے تو وجود عطا نہیں ہوتا جس سے وہ چیز فنا
ہوجاتی ہے - جیسا کہ مثال مذکور میں ابھی معلوم ہوا - غرض کہ تمام عالم میں تجدد امثال کا
سلسلہ جاری ہے - اور صرف دیکھنے میں ہر چیز قائم بالذات معلوم ہوتی ہے
حالانکہ در اصل آناً فاناً فنا ہوتی جاتی ہے - اگر یہ مسئلہ تعمق نظر سے ذہن نشین
ہوجاے تو چاند کے دو ٹکڑوں میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے اُسکا جواب
بآسانی سمجھ میں آجائیگا کیونکہ جب تجدد امثال کو مان لیا جاے تو یہ بات
معلوم ہوجائیگی کہ چاند جس آن میں دو ٹکڑے ہوا تھا - اُسوقت وہ اپنے مقام میں
فنا ہوگیا - اور آنِ لاحقہ میں خدا تعالےٰ نے اُس کو جب وجود عطا فرمایا تو

بجائے اس کے کہ ہیئت اور جسامت مستمرہ پر ہے۔ ایسا وجود دیا گیا کہ وہ حصوں پر منقسم ہوا۔ پھر جب وہ ٹکڑے اپنے مقام سے علیحدہ ہوئے تو ہر آن میں جو وجود دیا جاتا تھا اس مقدار میں دیا گیا جو سابق سے کم ہو۔ یہاں تک کہ جب ایک ٹکڑا جبل ابو قبیس پر اُترا اُسی قدر اُسکو وجود دیا گیا کہ پہاڑ میں اُس کی گنجائش ہو سکے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرے حصے کو بھی اس قسم کا وجود دیا گیا اُسکے بعد اُسکو آسمان پر وجود دیا گیا تو اُس قدر دیا گیا جو تمام عالم میں نظر آسکے۔

غرض کہ تجدد امثال کے اُصول پر میری دانست میں یہاں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ البتہ یہ بات عقول کے خلاف ہے کہ اشیائے عالم اگر خیال کئے جائیں تو حد شمار سے خارج ہیں۔ اِن سب کو ایک آن میں نیا وجود دینا قرین قیاس نہیں۔ اس شبہ کی خاص وجہ یہ ہے کہ خدائتعالےٰ کے حالات اپنے حالات پر قیاس کئے جاتے ہیں۔ اور یہ خیال کیا گیا کہ جس طرح ہم کام کرنے سے تھک جاتے ہیں۔ خدائتعالےٰ بھی اگر اتنا بڑا کام اپنے ذمہ لے تو تھک جائیگا۔ مگر یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اس لئے کہ تھکنا صفت نقصان ہے جب آدمی ضعیف ہوتا ہے تو ہر کام میں بہت جلد تھک جاتا ہے اِسی خیال سے پچپن سالہ ملازم کو خدمت سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ خدائتعالےٰ اُن تمام صفات سے بَری ہے جن میں کسی قسم کا نقصان متصور ہو جسکو تھوڑی بھی عقل ہو یہی کہیگا کہ تھکنے کی صفت سے وہ بالکل بَری اور منزہ ہے

اسی کو دیکھ لیجئے کہ خدائے تعالیٰ سے علاوہ نظم و نسق عالم علوی و سفلی کے صرف تخلیق کس قدر متعلق ہے ۔ خلق افعال کو بھی جانے دیجئے صرف اجسام ہی کو دیکھئے تو اتنے پیش نظر ہو جائیں گے جس کا تصور تقریباً محال ہے ۔ پہلے نباتات پر نظر ڈالئے کہ ان کے کتنے اقسام اور اصناف ہیں ۔ اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر ملک میں درخت اور بوٹیاں مختلف اقسام کی ہیں ۔ غرض کہ اتنے قسم کے ہیں کہ اس کا شمار دشوار ہے ۔ اب ایک درخت اور بوٹی اور ان کے پتے اور پھول پھل وغیرہ کا خیال کیجئے اور انصاف سے کہئے کہ کیا تمام روئے زمین کے نباتات سے متعلق اشیاء کا شمار ممکن ہے ۔ پھر تمام روئے زمین اور سمندروں کے حیوانات کا خیال کیجئے کہ کتنے قسم کے ہیں ۔ اور ان کے اشخاص کا خیال کیجئے ۔ حکمت جدیدہ میں تو یہ امر بھی مسلم ہو چکا ہے کہ پانی کے ایک قطرے میں اتنے حیوان بستے ہیں جتنے روئے زمین میں انسان ۔ چنانچہ کلاں بینوں کے ذریعہ سے ہر وقت ان کا مشاہدہ ہو سکتا ہے ۔ اب تمام روئے زمین کے کنوؤں ، تالابوں ، دریاؤں ، سمندروں پر غور کیجئے کہ کس کثرت سے ہیں پھر ان کے قطروں پر نظر ڈالئے اور ہر قطرے میں جو کروڑہا حیوان ہیں ایک اجمالی نظر سے دیکھئے تو انصاف سے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ بے حد و بے شمار ہیں اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ جتنے نباتات و حیوانات ذکر کئے گئے ہیں سب مخلوقات ہیں اور عقلمند ضرور اس امر کی تصدیق کریگا کہ کوئی مخلوق بغیر اسکے کہ خدائے تعالیٰ

اُسکو وجود دے۔ وجود میں نہیں آسکتی تو غور کیجئے کہ ہر آن میں خدا تعالیٰ کتنی چیزوں کو
وجود میں لاتا ہے۔ اور فنا کرتا ہے۔ اور یہ کام ہمیشہ جاری ہے۔ پھر اگر ہر آن
میں تمام عالم کو وجود عطا فرمایا کرے تو کیا بعید ہے۔ غرض کہ خدا تعالیٰ کے
کاموں کو اپنے کاموں پر قیاس کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ ذات الٰہی ازلی اور قدیم ہے
اور تمام عالم حادث اگر ہم عالم کو فرض کریں کہ پچاس ہزار کروڑ یا ارب سال اُس کو
پیدا ہو کر ہوئے تو اس ایک ہی اجمالی نظر میں وہ محدود ہو جائے گا۔ اور
خدا تعالیٰ کی نسبت اس قسم کی نظر صحیح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب کوئی مدت
کتنی ہی طویل ہو مقرر کر کے کہیں کہ اتنی مدت سے اس کا وجود ہے تو لازم آیگا
کہ اس سے پہلے اُسکا وجود نہ تھا جس سے اُس کا حادث ہونا ثابت ہوگا
اور جو چیز حادث ہو اُس کے پیدا ہونے کے لئے سبب درکار ہے
جسکو علت کہتے ہیں۔ اور جو پیدا ہونے میں علت کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا
خدا تعالیٰ تو وہی ہے جو سب کو پیدا کرے۔ اور اُس کا وجود لذاتہ ہو۔ یعنی
کسی کا دیا ہوا نہ ہو۔ غرض کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے لئے کوئی مدت
مقرر نہیں ہو سکتی۔ اور جتنی چیزیں اُسکے سوا ہیں۔ سب کے لئے کچھ
نہ کچھ مدت مقرر ہے تو غور کیجئے کہ یہاں کس قدر حیرانی ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر چیز
کی پیدائش کے سبب اور علت کو عقل ضرور تلاش کرتی ہے۔ اور یہاں سبب
ندارد اور نیز عقل یہ بھی حکم کرتی ہے کہ جو چیز وجود میں آئے اُسکے لئے

ابتدا ضرور ہوگی۔ کروڑہا سال کیوں نہ ہوں مگر یہاں ابتدا اندارد۔ پھر جس طرح ذاتِ الٰہی تمام عالم سے نرالی اور کسی بات میں کسی کے مشابہ نہیں تو اسی طرح صفاتِ الٰہی بھی تمام اہلِ عالم کے صفات سے ممتاز اور نرالے ہیں۔ کیونکہ جس طرح ہر چیز کا وجود بغیر تخلیق خالق کے نہیں اسی طرح اُنکے صفات بغیر تخلیق کے وجود میں نہیں آسکتے۔ بخلاف صفاتِ الٰہیہ کے کہ اُن کا کوئی خالق نہیں۔ بلکہ وہ سب مقتضائے ذاتِ الٰہی۔ اور ہر قسم کے نقص سے مبرّیٰ اور منزّہ ہیں۔ الغرض خدا کی صفتِ تخلیق یعنی معدومات کو وجود دینا اس نقص سے مبرّیٰ ہے کہ وہ کثرتِ کار سے معاذ اللہ تھک جاتا ہے۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ آدمی اپنی باتوں کو شمار کرنا چاہے تو گنتے گنتے تھوڑی دیر میں تھک جائیگا۔ اور خدا تعالیٰ اُن کو ہر آن میں برابر وجود دیتا ہے۔ اس سے ہمارا مقصود تجدد امثال والا وجود نہیں بلکہ وہ وجود ہے جو معدومات محضہ کو عطا ہوتا ہے ہر آن میں وجود دینا اس سے ثابت ہے کہ جو مہذّب لوگ ہر روز اصلاح بناتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ایک روز میں بال کچھ نہ کچھ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اور جو صفائی اصلاح بنانے سے ہوتی ہے اُس میں فرق آجاتا ہے۔ اب فرض کیجئے کہ ایک روز میں خشخاش کے مقدار میں وہ بڑھ جاتے ہیں پھر چوبیس ساعت میں جب وہ اس مقدار میں بڑھیں تو یہ تو نہیں ہوسکتا کہ چوبیس ساعت تک وہ نمو یعنی بڑھنے سے رُکے رہے۔ اور چوبیس ساعت کے گزرتے ہی یکایک اس مقدار میں بڑھ گئے بلکہ یہ کہنا پڑے گا کہ ہر ساعت میں خشخاش کے

صفاتِ حق تعالیٰ تمام عالم سے نرالی ہیں

مقدار کے چوبیسویں حصے کے مقدار میں وہ بڑھتے ہیں اسی طرح یہ بھی کہنا پڑیگا کہ جس قدر ایک ساعت میں وہ بڑھے ہیں ایک منٹ میں اُس کا ساٹھواں حصّہ بڑھے پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ جس قدر وہ ایک منٹ میں بڑھے ایک سکنڈ میں اُس کا ساٹھواں حصہ بڑھے۔ اسیطرح ثالثہ رابعہ وغیرہ میں کسی خاص مقدار میں بڑھتے رہے۔ اب غور کیجئے کہ جو چیز چوبیس ساعت میں خشخاش برابر بڑھیگی ثالثہ اور رابعہ میں اُس کا بڑھنا کس قدر کم ہو گا۔ صرف ایک سکنڈ میں خشخاش کے چوبیسویں حصے کا پچھتر ہزار آٹھ سو چالیسواں حصہ ہوگا۔ اب قیاس کیجئے کہ ایک آن میں اُس کا بڑھنا کس مقدار میں ہو گا۔ معلوم نہیں خشخاش کا پدم واں حصہ ہوگا یا سنکھواں یا اُس سے بھی کم۔ کیونکہ آن ایسے طرفِ زمانہ کا نام ہے کہ زمانہ اُس کا جزو نہ ہو سکے۔ بلکہ جو زمانہ فرض کیا جاے اُس کا آخری حصہ جو متجزی نہ ہو سکے وہ آن ہے جس طرح خط سطح کا آخری حصہ ہے جسکے عرض میں جز نہیں نکل سکتا الحاصل ایک آن میں بال ایسے کم مقدار میں بڑھتا ہے کہ اُس کا محسوس ہونا تو درکنار عقل سے بھی اُس کا ادراک دشوار ہے۔ حق تعالیٰ کا ہی کام ہے کہ ہر آن میں اتنا کم مقدار حصہ ہر بال کے برابر وجود میں لاتا ہے۔ اور تھکتا نہیں

اگر سائنس کی شہادت سے ہر قطرے میں پیدا ہونے والے حیوانات کا وجود ثابت نہ ہوتا تو کبھی اس تقریر کی تصدیق نہ کی جاتی۔ جب بتائید سائنس عقل سے ثابت ہو گیا کہ تجدد امثال کوئی ایسا مسئلہ نہیں جسکو عقل نہ مان سکے۔ اور

روایات متواترہ سے ثابت ہوا کہ شق قمر ہو کے دو ٹکڑے دو پہاڑوں پر گرے تو عقل کی رو سے اُس کی تصدیق کرنے میں بھی کوئی امر مانع نہیں۔

سیرۃ النبویہ صفحہ ۲۹۵ میں ابوذر رضی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اکثر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی کا وقت تلاش کیا کرتا تھا۔ ایک روز میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حضرتؐ تنہا ہیں۔ میں نے اُسوقت کو غنیمت سمجھکر سلام کیا۔ آپ نے میرا جواب دیکر فرمایا اسوقت کونسی چیز تمھیں یہاں لائی۔ میں نے عرض کیا خدا و رسول۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں حضرتؐ کے بازو بیٹھ گیا۔ مگر ایسی حالت میں کہ نہ میں کچھ عرض کرسکا اور نہ حضرتؐ نے کچھ فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابوبکر رضی بہت جلد جلد آئے اور سلام عرض کیا۔ حضرتؐ نے اُن کا جواب دیکر فرمایا کونسی چیز تمھیں اسوقت لائی۔ اُنھوں نے کہا خدا و رسول۔ حضرتؐ نے بیٹھنے کے لئے اشارہ فرمایا وہ بیٹھ گئے۔ پھر عمر رضی آئے اور اسی طرح سلام و جواب اور بیٹھنے کا اشارہ فرمانے کے بعد ابوبکر رضی کے بازو بیٹھ گئے۔ اُن کے بعد عثمان رضی آئے بعد سلام و اجازت وہ بھی عمر رضی کے بازو بیٹھ گئے۔ آنحضرتؐ نے چند کنکریاں زمین سے اٹھائیں وہ حضرتؐ کے دست مبارک میں تکبیر کہنے لگیں اُن کی آواز شہد کے مکھیوں کی آواز کے مشابہ تھی۔ پھر حضرتؐ نے اُن کو زمین پر رکھدیا اور وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر اُنکو لیکر ابوبکر رضی کو دیا۔ اُن کے ہاتھ میں بھی اُنھوں نے تسبیح کہی۔ پھر اُن سے لیکر زمین پر رکھدیں

اور وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر عمر رضؓ کو دیا۔ اُن کے ہاتھ میں بھی تسبیح پڑھی۔ پھر اُنسے لیکر زمین پر رکھدیں۔ اور وہ خاموش ہوگئیں پھر عثمان رضؓ کے ہاتھ میں رکھا وہاں بھی اُنھوں نے تسبیح کی۔ پھر اُنسے لیکر آپ نے زمین پر رکھدیں اور وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر ہمارے ہاتھ میں دیں مگر اُنھوں نے تسبیح نہیں پڑھی انتہی ملخصاً حضرتؐ کے اور صحابۂ کبار کے ہاتھ میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور دوسروں کے ہاتھ میں نہ پڑھنا بے سبب نہ تھا۔ تعجب نہیں کہ صحابۂ کبار کو ممتاز فرما دینا آنحضرتؐ کو ملحوظ ہو۔ یا وہ قدرتی انتظام تھا۔ بہر حال جہاں جہاں اُن کنکریوں نے تسبیح پڑھی وہ دست مبارک کا اثر تھا۔ جسنے اُنھیں ناطق اور گویا بنادیا تھا۔ ورنہ پتھروں کو کلام سے کیا نسبت۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمادات کو بھی حضرتؐ ناطق بناتے تھے اور حیوان چونکہ ناطق کی جنس ہے اسلئے کہ جب تک کوئی چیز زندہ نہ ہو۔ ناطق نہیں ہوسکتی۔ اسلئے وہ حیوان بھی ہوگئیں۔ اور ظاہر ہے کہ ادراکات حیات کے لوازم ہیں اور ان لوازم کا ثبوت اس طرح ہوا کہ کنکریوں نے حضرتؐ کے دست مبارک کا ادراک کیا۔ اور جو مقصود حضرتؐ کا تھا اُس کی پوری طور سے تعمیل کی۔ اس سے اُن کا مدرک ہونا بھی ثابت ہوا۔ اگر یہاں یہ کہا جاے کہ جمادات و نباتات کو ادراک نہیں ہوتا۔ اور یہاں کنکریوں کا تسبیح کہنا معجزہ تھا۔ جس کا وجود اُن سے ظہور میں آیا۔ خواہ اُن کو ادراک ہو یا نہ ہو۔

اُسکا جواب یہ ہے کہ دوسرے احادیث سے ثابت ہے کہ پتھر اور درخت

حضرتؐ پر سلام کرتے اور خدا تعالےٰ سے درخواست کرکے سلام کو آتے تھے

جیساکہ سیرۃ النبویہ صفحہ ۲۹۰ میں یعلیٰ ابن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں

کہ کسی سفر میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ایک مقام میں حضرتؐ

فروکش ہوکر آرام فرماہے۔ ایک درخت زمین کو چیرتے ہوئے آیا اور حضرتؐ کو

گھیر لیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرتؐ کا طواف کرکے اپنے مقام پر چلا گیا

جب حضرتؐ بیدار ہوئے ہیں نے یہ واقعہ عرض کیا۔ فرمایا اُس درخت نے

خدا تعالےٰ سے درخواست کی کہ مجھ پر سلام کرے۔ چنانچہ اُسکو اجازت ملی۔ انتہیٰ

اس سے اُس درخت کا ادراک ثابت ہوتا ہے کیونکہ پہلے اُس نے آنحضرتؐ کو

پہچان لیا کہ آپ رسول اور مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔ اُسکے بعد یہ بھی سمجھا کہ حضرتؐ پر

سلام عرض کرنا باعثِ سعادت ہے۔ پھر بارگاہ الٰہی سے اجازت طلب کرنی

اور بعد اجازت سلام اور طواف کرنا یہ سب امور ایسے ہیں کہ بغیر ادراک کے

اُن کا وجود ممکن نہیں۔

اور سیرۃ النبویہ صفحہ ۲۹۳ میں علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں

کہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ میں رہا کرتا تھا۔ ایک وقت ہم کسی طرف نکل گئے

دیکھا کہ جو درخت یا پتھر سامنے آتا وہ عرض کرتا السلام علیک یا رسول اللہ۔ انتہیٰ۔

اسی قسم کے اور روایتیں بکثرت وارد ہیں غرض کہ جمادات و نباتات کا

ادراک بہت سے روایتوں سے ثابت ہے جو حدِ تواترِ معنوی کو پہنچ گئے ہیں۔

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ ابو طالبؓ کہتے ہیں کہ ذی المجاز عرفہ کے قریب ایک بازار تھا کہ جاہلیت میں لوگ وہاں جمع ہوا کرتے تھے۔ میں وہاں گیا۔ مجھے وہاں پیاس لگی۔ میں نے اپنے بھتیجے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ سواری سے اُتر گئے۔ اور کہا اے چچا کیا تم پیاسے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے زمین پر اپنی ایڑی ماری یکایک پانی نکل آیا۔ اور کہا کہ اے چچا پیو۔ انتہیٰ ملخصاً۔

یہ قدم مبارک کا اثر تھا کہ زمین نے قدم مبارک کے اشارے کو سمجھکر پانی کا چشمہ بہا دیا۔

سیرۃ النبویہ میں انس رضہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب بنت حجش رضہ سے ہوا۔ تو میری ماں ام حکیم نے کہا کہ ہم اسوقت کچھ ہدیہ حضرتؐ کی خدمت میں بھیجیں تو اچھا ہوگا۔ میں نے کہا مناسب ہے وہ اُٹھیں اور حَیس جو کھجور اور گھی اور پنیر سے بنایا جاتا ہے تیار کرا کر ایک برتن میں ڈالا اور مجھ سے کہا کہ حضرتؐ کی خدمت میں پہنچا کر یہ عرض کرو کہ میری ماں نے یہ آپ کی خدمت میں بھیجا اور سلام عرض کیا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اس برتن کو رکھدو اور جا کر فلاں فلاں شخصوں کو بلا لاؤ اور اُن کے سوا جن سے ملاقات ہو اُن کو دعوت دے دو۔ چنانچہ تین سو سے زیادہ آدمی جمع ہوگئے حضرتؐ نے اُس کھانے پر ہاتھ رکھکر کچھ فرمایا اسکے بعد دس دس آدمی کو بلاتے

پیر کے ٹھوکر مارنے سے چشمہ جاری ہو گیا۔

کھانے میں برکت۔

اور اُن سے فرماتے کہ بسم اللہ کہہ کر اپنے سامنے سے کھاؤ۔ چنانچہ سب لوگوں نے بسیری تمام کھا لیا۔ پھر مجھ سے فرمایا اے انسؓ اسکو اُٹھاؤ۔ میں نے اُٹھایا۔ مگر مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ جس وقت رکھا تھا وہ زیادہ تھا یا جس وقت اُٹھایا وہ انتہی ملخصاً۔

تھوڑا سا کھانا جو تین چار آدمی کے لئے کفایت کر سکے اُس کا تین سو سے زیادہ لوگوں کو کفایت کرنا کس قدر حیرت انگیز ہے۔ مگر وہاں ایک معمولی بات ہو گئی تھی۔ کیونکہ بارہا اس قسم کے واقعات صحابہ دیکھ چکے اور ہمیشہ دیکھتے تھے اس لیے جو تعجّب ہونا چاہئیے تھا اُن کو نہ ہوا۔ اور سوا چند صحابہ کے اُن تین سو شخصوں میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا۔ جس طرح معمولی دعوتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا اب اس لحاظ سے کہ کل راویوں سے یہ معجزہ مروی نہیں قابل اعتبار نہ ہو تو بخاری و مسلم کے اعتبار میں خلل آجائیگا۔ کیونکہ اُن میں یہ روایت موجود ہے اگر یہ روایت صحیح نہ مانی جائے تو بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت کو غیر معتبر کہنا پڑیگا جو خلاف مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے ایک جماعت کثیر سے یہ روایت مروی ہو۔ مگر جو حدیثیں کہ تلف ہو گئیں اُن میں یہ روایتیں بھی تلف ہو گئیں ہوں۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ بہت سی روایتیں تلف ہو گئی ہیں جسکا حال ہم نے حقیقۃ الفقہ میں بیان کیا ہے۔ اسی قیاس پر دوسرے معجزات کی روایتوں کو بھی سمجھ لینا چاہئیے۔

اس حدیث شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام کُن عطا ہونا ثابت ہوتا ہے

خصائص کبریٰ میں صہیبؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرتؐ کے لئے تھوڑا کھانا پکایا۔ اور بلانے کے لئے حاضر ہوا۔ دیکھا تو صحابہ کی ایک جماعتِ کثیر میں تشریف رکھتے ہیں۔ مارے شرم کے کچھ کہہ نہ سکا۔ اور خاموش کھڑا رہا جب حضرتؐ نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اشارے سے کھانے کو چلنے کے لئے عرض کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ اور یہ لوگ۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ حضرتؐ خاموش ہو گئے۔ اور میں اسی مقام میں کھڑا رہا۔ پھر جب حضرتؐ نے میری طرف نظر کی۔ میں نے وہی مضمون اشارے سے پھر ادا کیا۔ اور حضرتؐ خاموش رہے۔ اور دو کر یا تیسرے وقت میں نے حضرتؐ کے جواب میں کہا۔ بہت اچھا۔ یعنی اُن کو بھی لے چلئے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا کہ خاص آپ کے لئے تھوڑا سا کھانا پکایا ہے۔ حضرتؐ اُن سب صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اور سب نے اچھی طرح سے کھایا۔ اور کھانا بچ رہا۔ انتہیٰ۔

بار بار صہیبؓ کا اصرار کہ تنہا تشریف لے چلیں اور آنحضرتؐ کا ہر بار انکار کہ جب تک سب صحابہ نہ چلیں میں تنہا نہ آؤنگا۔ ایک عجیب لطف خیز واقعہ ہے۔ بظاہر جب مدعو صرف حضرتؐ تھے۔ صہیب رضؓ کا حق تھا کہ اُن کو ہمراہ لانے کی اجازت نہ دیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصرار اُن کے برخلاف۔ گو اُن کا جواب تھا کہ تم اُن کو اپنے گھر سے کھانا تھوڑا ہی کھلاؤ گے۔ وہ تو ہمارے طفیلی ہیں۔ ہم اپنے حصے میں سے اُن کو کھلا دیں گے۔ جسمیں کوئی تمہارا حق نہیں

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اُن سب صحابہ کو حضرتؐ نے اپنے حصے میں شریک کر کے بسیری تمام کھلا دیا۔ اور صاحبِ دعوت بھی نیک نام ہو گئے۔

ہر چند کسی کے طفیل میں کسی چیز کو حاصل کرنا بدنما سمجھا جاتا ہے۔ اور غیور طبائع اُسکو پسند نہیں کرتے۔ مگر ایسی طفیلیت اگر حاصل ہو تو غیور طبائع کو بھی ناگوار نہیں ہو سکتا۔ جب ایک غریب صحابی کی دعوت میں آنحضرتؐ نے بغیر طفیلیوں کے تشریف لیجانے کو گوارا نہیں فرمایا تو خدا تعالیٰ جو غنی مطلق ہے اُس کے خوانِ نعمت پر تنہا جانے کو حضرتؐ کیونکر گوارا فرما دیں گے۔ اور ہمیں قوی اُمید ہے کہ ہم طفیلیوں کو بارگاہ الٰہی میں شعر

کہ باشند مشتے گدایانِ خیل
بمہمانِ دار السلامت طفیل

ضرور حضرت ہمراہِ رکاب رکھیں گے۔ مگر یاد رہے کہ طفیلی ہونا بھی آسان نہیں۔ صرف زبان سے کہدینا کافی نہیں ہو سکتا۔ اور دلی عقیدت اور نسبت طفیلیت ثابت ہونے کی ضرورت ہے۔

یہاں ایک بات اور معلوم ہوئی کہ ہر فعل آنحضرتؐ کا سُنت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس قسم کے امور خصوصیات حضرتؐ سے تھے۔ حضرتؐ کو اِس بات کا اطمینان تھا کہ تھوڑا کھانا سب کو کافی ہو جائیگا۔ بخلاف اس کے بعضے مشائخین ہمارے زمانے کے کسی کی دعوت میں جب تشریف لیجاتے ہیں تو اکثر طفیلیوں کو ہمراہ لیجاتے ہیں

جس سے صاحبِ دعوت پر ایک مصیبت ہوتی ہے کہ اگر اُن طفیلیوں کو کھانا کھلایا جائے تو دعوتی لوگ بھوکے رہ جاتے ہیں۔ اور اگر نہ کھلایا جائے تو حضرت خفا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایسے طفیلیوں کی شان میں حدیث شریف وارد ہے۔ جسکا مضمون یہ ہے کہ "وہ جو کھاتے ہیں حرام ہے اور وہ کھانے والے غاصب اور سارق ہیں" (مشکوٰۃ شریف)

دیکھئے کس قدر فرق ہے کہ وہاں تو طفیلیوں پر رحمت تھی۔ اور یہاں طفیلیوں پر لعنت ہے۔ غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام سنت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بعض صورتوں میں اُن پر عمل کرنا گناہ ہو جائے گا۔

سیرۃ النبویہ میں جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جب جنگ اُحد میں اُن کے والد شہید ہوئے تو اُن کے قرضداروں نے تقاضا کیا۔ انھوں نے اپنے والد کا باغ و نخلستان اُن کے قرضے میں دینا چاہا۔ مگر چونکہ قرضہ بہت تھا اور کئی سال میں بھی اُس سے ادا نہیں ہوسکتا تھا اسلئے انھوں نے قبول نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضخواہوں کے پاس سفارش بھی کی۔ مگر چونکہ وہ یہود تھے راضی نہ ہوئے۔ حضرت نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کھجوریں توڑ کے درختوں کے تلے اُن کے ڈھیر لگا دو۔ اُس کے بعد آنحضرت اُس زمین میں جہاں خرما کے ڈھیر لگا دئے تھے چلے اور دعا کی کہ اُن میں برکت ہو۔ جابر رضی اللہ عنہ نے قرضداروں کو

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے قرضداروں کا قرض ادا ہوا۔

دینا شروع کیا اور اتنا دیا کہ اُن کا قرض پورا ادا ہو گیا۔ اور وہ خرمے اِس قدر باقی رہے جو ہر سال اُن کے تصرف میں آتے تھے۔ یہود کو اُس سے تعجب ہوا۔ جابر رضؓ سے حضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکر اور عمر رضؓ کو اِس واقعہ کی خبر دے دو۔ انتہیٰ۔

یہ قدمِ مبارک کی برکت ہے کہ جو قرضہ سالہا سال کی پیداوار میں اُس کا ادا ہونا مشکل تھا۔ کل ادا ہو گیا۔ اور اس قدر کھجوریں باقی رہیں جو ہر سال اُن کو ملا کرتی تھیں۔ گویا ادائی قرضہ میں انھوں نے گھر سے کچھ بھی نہ دیا۔ کیونکہ جتنی کھجوریں اُن کو ہر سال ملتی تھیں ملیں اور قرضہ کثیر جس کی ادائی سالہاسال میں ہونی دشوار تھی مفت میں ادا ہو گیا۔ یہاں یہ امر بھی توجہ کے قابل ہے کہ اس قدرتی ادائی کے بعد آنحضرتؐ نے جابر رضؓ کو فرمایا کہ ابوبکر اور عمر رضؓ کو اُس کی خبر کر دو۔ ظاہراً کسی قسم کی ضرورت اُن حضرات کے معلوم ہونے کی کوئی نہ تھی۔ کیونکہ وہ اس معاملہ میں نہ ضامن تھے نہ اس ادائی کے محرّک۔ ادنے تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ آنحضرتؐ کو منظور تھا کہ خاص طور پر اُن کو اس معاملہ کی اطلاع ہو۔ کیونکہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ایسا کوئی فعل ظہور میں آتا ہے تو مقتضائے طبیعت بشری ہے کہ اپنے دوست کو اس امر کی اطلاع کر کے خوش کیا جائے۔ بخلاف اس کے کہ کسی شخص کا دل اپنے سے صاف نہ ہو تو ایسے خوش کن معاملات کی اطلاع دینے کو

جی نہیں چاہتا۔ کیونکہ وہ ایسے امور میں بجائے خوش ہونے کے ایسے توجیہات اور تاویلات کرتا ہے۔ جس سے وقعت اس معاملے کی گھٹ جاتی ہے اسکا تجربہ بآسانی یوں ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کسی مجلس وعظ میں بیان کئے جائیں تو جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت اور محبت ہے وہ نہایت ہی خوش ہوں گے۔ اور جن لوگوں کے دل میں صفائی نہیں انکے چہروں سے یہ بات نمایاں ہوگی کہ اُس بیان کو پسند نہیں کرتے بلکہ بعض راست گو تو صاف کہدیں گے کہ وعظ کو ان چیزوں سے کیا تعلق۔ اُس میں تو احکام بیان کرنا چاہیئے۔ تاکہ مسلمانوں کو کچھ فائدہ اور عمل کی توفیق ہو۔ ایک حد تک یہ خیالات بھی صحیح ہیں۔ اور واعظوں کو اس کا خیال رکھنا ضرور ہے مگر یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرنے سے مسلمانوں کو فائدہ نہیں۔ کیونکہ جب اپنے نبی کے فضائل اور معجزات وہ سنیں گے تو اُن کی محبت بڑھے گی۔ جو باعث تکمیل ایمان ہے اور جب ایمان اور محبت کامل ہو تو عمل کرنا بھی آسان ہو جائے گا۔ کیونکہ اپنے محبوب کی اطاعت کرنا انسان بلکہ حیوان کا بھی مقتضائے طبع ہے۔ غرض کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں کلام کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بھائی تھے۔ جس سے مقصود یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبے کو لوگوں کے خیال میں پست کر کے اپنے ساتھ مساوی ثابت کریں۔ اُن کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

فضائل سننے سے وحشت ہوتی ہے اور وجوہات قائم کر کے اُس سے لوگونکو روک دینا منظور ہوتا ہے۔ الحاصل آنحضرتؐ نے یہ واقعہ صدیق اکبرؓ اور عمرؓ فاروق سے ذکر کرنے کو فرمایا تاکہ وہ خوش ہوں۔ ہر چند کل صحابہ ایسے واقعات سے نہایت خوش ہوتے تھے۔ مگر حضرتؐ نے اُن دونوں صاحبوں کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ بہ نسبت اوروں کے ان حضرات کو زیادہ تر خصوصیت حاصل تھی۔ اس تخصیص سے دونوں صاحبوں کی فضیلت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کم عمری میں عقبہ بن ابی معیط کے بکریاں چراتے تھے۔ ایک بار اُن پر آنحضرتؐ اور ابوبکرؓ کا گذر ہوا۔ حضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ تمھارے پاس دودھ ہے کہا ہاں لیکن میں امانت دار ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ایک ایسی بکری لاؤ جس پر نر نہ چڑھا ہو۔ میں ایک کم عمر بکری لایا۔ حضرتؐ نے اُس کے پاؤں باندھے اور اُس کے تھن پر دست مبارک پھیرا اور ابوبکرؓ ایک برتن لائے اور اُس میں اُسکا دودھ دوہا۔ حضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ پیو اُسکے بعد تھن کے طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ سمٹ جا چنانچہ وہ فوراً اُسکڑ گیا۔ یہی واقعہ عبداللہ ابن مسعود کے اسلام کا سبب ہوا۔ انتہی۔

باوجودیکہ عقبہ کی بکری کا یہ دودھ تھا مگر اس کی ملک نہ تھا۔ ورنہ حضرتؐ کبھی اُس میں تصرف نہ فرماتے۔ کیونکہ اُس کی تخلیق بطور عادت نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ

بغیر توالد کے وہ دودھ پیدا ہو گیا تھا جس کا سبب صرف آنحضرت کا دست مبارک تھا۔ نہ معمولی ذرائع ۔ بیش ازیں نیست کہ وہ بکری اُس قدرتی دودھ کا ظرف ہوئی تھی۔ اگر کہا جاے کہ کل بکریاں دودھ کے ظرف ہی ہوتی ہیں اور دودھ مخلوقِ الہٰی ہے ۔ پھر مِلک حضرت کی کیسی ۔ اس کا جواب یہ ہے چونکہ تخلیق خاص قسم کی ہوئی ۔ اس سے لئے احکام ملک بدل گئے ۔ اور وہ دودھ آنحضرت کی مِلک ہو گیا ۔ کیونکہ حق تعالے نے آنحضرت کے دست مبارک کو اُس کا واسطہ قرار دیا ۔ اس کا حال بعینہٖ اُس پانی کا سا ہے جو بھری پکھال سے بتصرف نبوی جاری ہوا ۔ حالانکہ وہاں پانی اُس عورت کی مِلک تھا ۔ جو پکھال میں بھر کر گھر لے جا رہی تھی ۔ جسکا حال اسی رسالہ میں معلوم ہو گا ۔ ہر چند بظاہر پانی بھری پکھال میں سے گر رہا تھا ۔ مگر یہ پانی جو حضرت کی مِلک میں تھا جس کے پینے اور مشکیں بھرنے کی اجازت آپ نے دی تھی ۔ وہ پانی اُس مشک کے پانی سے بالکل علاحدہ تھا ۔ کیونکہ اگر سابق کا پانی اُسکے ساتھ مخلوط ہوتا تو حضرت اُس میں ہرگز تصرف نہ فرماتے ۔ اسلئے کہ اپنی اور غیر کی مِلک جب مخلوط ہو جاتی ہے تو مقتضائے تقویٰ یہی ہے کہ اُس میں مالکانہ تصرف نہ کیا جاے ۔ غرض کہ جس طرح حضرت نے تصرف سے نیا پانی اُس مشک میں پیدا فرمایا اِسیطرح اس کا بھی انتظام فرما دیا کہ وہ پانی باوجود شدت اتصال کے اُس میں مخلوط نہ ہونے پائے ۔ اور یہ کوئی مستبعد امر نہیں ۔ قدرتی معاملات سب ایسے ہی ہوتے ہیں

دیکھئے دماغ میں جو رطوبت ہوتی ہے اُس میں تین چار نہریں بہتی ہیں۔ جو منہ میں آتی ہے اُس کا ذائقہ شیریں ہوتا ہے۔ اور جو آنکھ میں آتی ہے اُسکا ذائقہ ہی جدا ہے۔ اور جو ناک میں آتی ہے اُسکا ذائقہ ہی کچھ اور ہے۔ اور کبھی کانوں سے بھی پانی نکلتا ہے اُس کا ذائقہ ہی دوسرا ہے۔ باوجود باہمی اختلاط کے جو دماغ میں ان کو تھا ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس کالبد انسانی میں اگر غور کیا جائے تو اس قسم کے تعجب خیز صدہا امور پیش ہو جائیں گے۔

سیرۃ النبویہ میں انس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک روز ابو طلحہ رضؓ نے اپنی بیوی ام سلیم رضؓ سے کہا کہ آج آنحضرت صلعم کی آواز میں نے سنی اُس میں بھوک کی وجہ سے کچھ ضعف پایا جاتا تھا۔ کیا تمھارے پاس کوئی چیز ہے۔ جسکو حضرتؐ تناول فرماویں انھوں نے کہا ہاں۔ اور چند روٹیاں جو کی نکالیں اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے فرزند انس رضؓ کے بغل میں چھپا دیں اور کہا کہ حضرتؐ کی خدمت میں لے جاؤ۔ انس رضؓ کہتے ہیں کہ وہ لیکر میں چلا۔ دیکھا کہ حضرتؐ مسجد میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ بہت لوگ ہیں۔ میں سلام عرض کر کے کھڑا ہو گیا۔ حضرتؐ نے فرمایا کیا ابو طلحہ رضؓ نے تمھیں بھیجا ہے میں نے عرض کیا ہاں۔ پھر فرمایا کیا کھانے کے لئے۔ عرض کیا ہاں۔ یہ سنتے ہی حضرتؐ نے تمام صحابہ سے فرما دیا کہ چلو۔ چنانچہ حضرتؐ اور آپ کے ساتھ

ستر یا اسی آدمی روانہ ہوئے۔ میں نے نہایت غم کی حالت میں آگے جاکے
ابوطلحہ رضؓ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ یہ سنکر انھوں نے کہا اے انس رضؓ تو نے
ہمیں رسوا ہی کر دیا۔ اور پتھر مجھ پر پھینکنے لگے۔ پھر ام سلیم رضؓ سے کہا کہ حضرتؐ
بہت لوگوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں
جو ان سب کو کھلا سکیں۔ انھوں نے کہا خدا اور خدا کا رسول ہماری حالت کو
خوب جانتا ہے۔ ابوطلحہ رضؓ حضرتؐ کے استقبال کے لئے آئے اور عرض کی
کہ میں نے انس رضؓ کو اس غرض سے بھیجا تھا کہ صرف آپ کو بلا لائیں کیونکہ ہمارے
پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ ان سب کو کھلا سکیں۔ فرمایا اللہ اسی میں برکت
دیگا۔ اور حضرتؐ ابوطلحہ رضؓ کو لیکر ام سلیم رضؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا
اے ام سلیم تمھارے پاس جو کچھ ہو لے آؤ۔ وہ وہی روٹیاں لائیں جو
انس رضؓ کے ساتھ بھیجی تھیں۔ حضرتؐ نے ان کو تکڑے کرنے کا حکم دیا اور فرمایا
کیا کچھ گھی بھی ہے۔ ابوطلحہ رضؓ نے کہا کپی میں کچھ تھوڑا سا ہے۔ چنانچہ
حضرتؐ نے اسکو اپنی انگلی سے روٹی پر چپیڑ دیا اور وہ روٹی پھول گئی۔
اور بسم اللہ فرمایا۔ اسی طرح تمام روٹیوں کو گھی چپڑ دیا۔ اور سب پھول گئیں
اور وہ گھی بمنزلہ سالن ہو گیا۔ اور فرمایا دس دس شخصوں کو بلاتے جاؤ
چنانچہ ستر یا اسی آدمی نے سیری سے کھایا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے
بھی گھر والوں کے ساتھ تناول فرمایا۔ اور اسکے بعد بھی کچھ بچا رہا جو پڑوسیوں

تقسیم کیا گیا۔ انتہیٰ۔

انسؓ کو اُسوقت اس امر کا غم تھا کہ والدین سمجھ گئے ہیں کہ میں نے حضرتؐ کی خدمت میں عرض کرنے میں کچھ غلطی کی۔جس کی وجہ سے حضرتؐ مع صحابہ تشریف لائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابوطلحہؓ نے اُن پر پتھر پھینکے اور صاف کہدیا کہ تم نے ہمیں رسوا کردیا۔ اُسوقت دفعتہً آنحضرتؐ کا جماعتِ کثیر کے ساتھ مکان پر کھانے کے لئے تشریف لے جانے نے اُن کے خیال کو اس طرف متوجہ کیا تھا کہ ایسے معزز مہمان کی سربراہی نہ ہونا کس قدر رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگا۔ اور یہی خیال ترقی پذیر ہوا۔ اور فکر کی حالت طاری ہوئی۔ اور قاعدہ کی بات ہے جو حالت دل پر طاری ہوتی ہے اُسوقت کسی دوسرے امر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے اُن کو یہ خیال نہیں آیا کہ آنحضرتؐ اپنے تصرف سے سب کچھ اہتمام فرمالیں گے اور خاص وجہ اُس کی یہ تھی کہ انسؓ کو بھیجکر حضرتؐ کو توجہ دلائی گئی تھی جسمیں احتمال تھا شاید انسؓ نے عرض کرنے میں کچھ غلطی کی ہے۔ اس سے یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ آنحضرتؐ کے تصرف معنوی میں انھیں کچھ شک آگیا تھا اس کی نظیریں بہت ساری ملسکتی ہیں۔ دیکھئے غزوۂ بدر میں کفار کی کثرت اور شوکت کی وجہ سے آنحضرتؐ پر جو حالت اضطراری طاری تھی اور صدیقؓ نے حضرتؐ کو تسکین دی۔ اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرتؐ کو خدا تعالےٰ کے

ایفائے وعدہ میں کچھ شک آگیا ہو۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ بلکہ اُسوقت اُس حالتِ خاص کا غلبہ تھا۔ جس کی وجہ سے دوسرے طرف کچھ توجہ ہی نہ ہوئی۔ پھر ام سلیمؓ نے جب استقلال کے ساتھ یہ کہا کہ حضرتؐ ہماری حالت کو خوب جانتے ہیں اُسوقت اُن کو تسکین ہوئی۔ اور حضرتؐ کو لینے کے لئے باہر آئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ صحابہؓ حضرتؐ کے علم غیب کے قائل تھے۔ اور بجائے اللہ اعلم کے اللہ و رسولہ اعلم کہنے میں اُن کو کچھ تامل نہ ہوتا۔ چنانچہ اکثر صحابہ کا دستور تھا کہ ایسے موقع میں اللہ و رسولہ اعلم کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ بہرحال ابوطلحہؓ کی وہ حالت مقتضائے بشری تھی جس نے حالتِ ایمانی کو مغلوب کردیا تھا۔

سیرۃ النبویہ میں انسؓ سے روایت ہے کہ ایک بار مدینہ منورہ میں لشکرِ کفار آنے کی شہرت ہوئی۔ اور سب گھبرا گئے آنحضرتؐ ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر سوار ہوکر بہ نفس نفیس واقعہ دریافت کرنیکے لئے روانہ ہوئے۔ جب واپس تشریف لائے تو ابوطلحہؓ سے فرمایا کہ تمھارے گھوڑے کو ہم نے دریا پایا یعنی نہایت تیز رفتار حالانکہ یہ گھوڑا بہت سست اور مٹھا تھا۔ حضرتؐ کے سوار ہونے کے بعد وہ ایسا تیز رفتار ہوگیا کہ کوئی گھوڑا دوڑ میں اُسکا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ انتہیٰ۔

یہ برکت آنحضرتؐ کی سواری کی تھی کہ اُسکے اعصاب اور استخواں وغیرہ میں

گھوڑے کا تیز رفتار ہوجانا۔

گویا نئی روح پھونکی گئی اور جو اس کا مقتضائے طبعی تھا وہ جاکر اس کی نئی طبیعت ہوگئی یہ سب جانتے ہیں کہ فطرت کسی چیز کی نہیں بدلتی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری نے اس کی فطرت کو بدل دیا۔

خصائص کبریٰ ص۵ جلد دوم میں ثعلبہ ابن مالک سے روایت ہے کہ کسی شخص نے ایک اونٹ خرید کرکے اس کو ایک محصور مقام میں داخل کیا جب اسے کام میں لگانا چاہا تو اس نے شرارت شروع کی۔ جب کوئی نزدیک جاتا تو اس پر حملہ کرتا۔ یہ بات آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ اور فرمایا دروازہ کھول دو۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کرے۔ فرمایا کھولدو۔ چنانچہ دروازہ کھولدیا گیا۔ جب اونٹ کی نظر حضرتؐ پر پڑی تو فوراً سجدہ میں گر گیا۔ یہ دیکھکر قوم کو تعجب ہوا۔ اور عرض کی کہ جب یہ جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم زیادہ اس امر کے مستحق ہیں کہ آپکو سجدہ کیا کریں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر یہ سزاوار ہوتا کہ کوئی مخلوق کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو عورت کو سزاوار ہوتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اور اسی میں یہ روایت بھی ہے کہ

بریدہؓ کہتے ہیں ایک انصاری نے آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ یارسول اللہ ہمارے یہاں ایک اونٹ ہے جو سخت حملہ کرتا ہے۔ اور کسی کی طاقت نہیں کہ اسکو نکیل لگا سکے۔ یہ سنتے ہی حضرتؐ اوٹھے اور ہم بھی حضرتؐ کے ساتھ

شتر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا اور اس کی طبیعت کا بدل جانا

شتر کا بطبع ہونا

ہو گئے اور حضرتؐ نے وہاں پہنچکر دروازہ کھلوایا - اونٹ کسی قدر دور تھا جب حضرتؐ کو دیکھا تو نزدیک آکر سجدہ کیا اور گردن زمین پر رکھدی - حضرتؐ نے اُسکے سر کو پکڑکر رسّی طلب کی - اور اُسکو مہار لگاکر انصاری کے ہاتھ میں دیدیا ابوبکر اور عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ وہ پہچان گیا کہ آپ اللہ کے نبی ہو - حضرتؐ نے فرمایا کوئی چیز ایسی نہیں جو یہ نہ پہچانتی ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں - صرف کفار جن وانس نہیں پہچانتے -

اور اُسی میں انسؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کا اونٹ سرکش ہوکر نکل گیا - انھوں نے کہا کہ وہ میری زمین سے اُس پار ہے - اور مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اُسکے نزدیک جاسکوں - اس ڈر کے مارے کہ وہ مجھے ہلاک کردیگا - حضرتؐ وہاں تشریف لے گئے - جب اونٹ نے حضرتؐ کو دیکھا تو آہستہ آہستہ آواز کرتا ہوا حضرتؐ کے روبرو آکر سجدہ میں گر گیا - اور گردن زمین پر رکھدی - اور اُس کے آنکھوں سے اشک جاری تھے - حضرتؐ نے اُن انصاری سے فرمایا یہ اونٹ تمھاری شکایت کرتا ہے - اُسکے ساتھ اچھا سلوک رکھو - صحابہ نے یہ دیکھکر عرض کی یہ جانور جسکو عقل نہیں آپ کو سجدہ کر رہا ہے ہم تو اُس سے زیادہ مستحق ہیں -

اور اُسی میں انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کسی انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ ابوبکر اور عمرؓ اور بہت سے انصار تھے

چھڑی کی برکت سے اونٹ تیز ہوگیا

اُس باغ میں کئی بکریاں تھیں۔ حضرت صلعم کو دیکھتے ہی بکریوں نے سجدہ کیا۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان بکریوں سے زیادہ تر ہمیں استحقاق اس امر کا ہے کہ آپ کو سجدہ کیا کریں۔ حضرتؐ نے فرمایا میری اُمت میں کسی کو سزاوار نہیں کہ دوسرے کو سجدہ کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

سیرۃ النبویہ صفحہ ۳۲۱ میں جابرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت صلعم کیساتھ غزوۂ ذات الرقاع میں تھا۔ میرا اونٹ تھک گیا۔ اتفاقاً آنحضرت صلعم تشریف فرما ہوئے اور پوچھا کہ تمھارا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کی کہ میرا اونٹ تھک گیا اس سبب سے میں پیچھے رہ گیا تھا۔ یہ سُنکر حضرت صلعم اوتر پڑے اور اپنی چھڑی اُس میں چبھو کر فرمایا اب سوار ہو جاؤ۔ اس تحریک کے اثر سے اونٹ اسقدر چُست وچالاک ہو گیا کہ اُسکا روکنا مشکل ہوا۔ پھر حضرتؐ نے اُسکو خرید لیا۔ اور جب واپس مدینہ شریف تشریف لائے تو اُس کی قیمت معہ شئے زائد اُن کو دی۔ اور وہ اونٹ بھی اُنہیں کو دے دیا۔ انتہیٰ۔

لطیفہ

یہ برکت اُسی چھڑی کی تھی جو آنحضرت صلعم کے دست مبارک میں تھی۔ گویا وہ چھڑی کا چبھونا اُس کی فطرت کو حرکت دیتا تھا۔ یوں تو ہر جانور مارنے اور اذیت پہنچانے سے تیز رفتار ہو جاتا ہے۔ مگر اُسی وقت تک کہ اُس میں درد موجود رہے جسکا تعلق صرف جسم سے ہوتا ہے۔ اور حضرت کا یہ فعل اُسکے جسم تک محدود نہ تھا

بلکہ اُس کی فطرت اور طبیعت پر عمل کرنے والا تھا۔

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ جُعیل ابن زیاد کہتے ہیں کہ میں کسی غزوہ میں حضرتؐ کے ہمراہ تھا۔ میری سواری میں ایک ضعیف اور دُبلی گھوڑی تھی جو چل نہیں سکتی تھی۔ حضرتؐ نے جب مجھے دیکھا کہ میں بہت پیچھے رہ گیا فرمایا تمھاری کیا حالت ہے۔ میں نے عرض کی یہ گھوڑی دبلی اور ضعیف ہے جو چل نہیں سکتی۔ حضرتؐ کے دست مبارک میں جو چھڑی تھی اُس سے آپ نے اُسے مارا اور فرمایا بارک اللہ لک فیہا۔ یعنی خدا تعالےٰ اُس سے متعلق برکت تمھیں عطا فرماوے۔ وہ کہتے ہیں کہ اُسکے بعد میں ہر وقت سب کے آگے رہتا۔ اور اُسے روک نہیں سکتا تھا۔ اور اُس سے اتنی اولاد ہوئی کہ اُن کی قیمت کے مجھے بارہ ہزار روپیہ ملے۔ انتہیٰ۔

دُبلی ضعیف گھوڑی بغیر اسکے کہ اُس کو راتب اور مصالح کھلایا جاوے صرف اشارے سے اُسکا چالاک ہوجانا اور ہمیشہ کے لیے اُس کی چالاکی باقی رہنا تدبیر بشری سے خارج ہے۔ یہ خاص خدا تعالےٰ کا کام ہے مگر ہوا یہ کہ ادھر آنحضرتؐ نے چھڑی ماردی اور اُدھر حق تعالےٰ اُس کی طرف متوجہ ہوگیا اور جب تک وہ زندہ رہی آناً فاناً اس کے قویٰ کو وہ وجود ملتا رہا جس سے چستی اور چالاکی ظہور میں آتی رہی۔ اور اسی طرح حق تعالےٰ کی توجہ خاص اُسکی اولاد کی طرف مبذول رہی۔ تاکہ حضرتؐ نے جو برکت کی دعا دی تھی اُسکا اثر

پورے طور پر ہو۔ اگر غور کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اِس قسم کے واقعات سے بآسانی ثابت ہوسکتی ہے۔ اگر اُس کی تفصیل کی جائے تو خوف اس امر کا ہے کہ بعض الفاظ ایسے صادر ہو جائیں جو منافی آداب ہوں۔ اس لئے فقط وجدان پر حوالہ کر دیا جاتا ہے۔

سیرۃ النبویہ صـ ۳۲۲ میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک رات سخت تاریکی تھی۔ اور پانی برس رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے قتادہؓ کو درختِ خرما کی ایک چھڑی دے کر فرمایا تم یہ لیکر جاؤ۔ یہ روشن ہو جائے گی اور اُس کی روشنی دس ہاتھ آگے اور دس ہاتھ پیچھے پڑے گی۔ جب تم اپنے گھر میں داخل ہو جاؤ گے تو ایک سیاہ چیز تمھیں نظر آئے گی۔ وہ شیطان ہے۔ اُسے اُس سے مارنا تاکہ وہ نکل جائے۔ قتادہؓ روانہ ہوئے۔ اور وہ شاخ روشن ہوگئی۔ اور یہ گھر میں جاکر دیکھا تو حقیقت میں ایک سیاہ چیز تھی۔ جسکو اُنھوں نے مارا۔ اور وہ گھر سے نکل گئی۔ انتہیٰ۔

دست مبارک کی برکت سے شاخ کا روشن ہونا اور اُس کے مارنے سے شیطان کا گھر سے نکل جانا بظاہر تعجب خیز امر ہے۔ مگر جب ہم دست مبارک کی اور برکتوں اور تاثیرات کو دیکھتے ہیں تو یہ امر چنداں قابل حیرت نہیں معلوم ہوتا اصل وجہ یہ ہے کہ دست مبارک میں ہر قسم کی قدرت دی گئی تھی۔ اسی وجہ سے جب حضرتؐ کسی کام کا ارادہ فرماتے اور اُس کو ہاتھ لگا دیتے تو دست مبارک کے

فوراً اُس کا ظہور ہو جاتا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضرتؐ کو اپنی امت کی کس قدر خیر خواہی منظور رہے۔ باوجودیکہ قتادہؓ نے کوئی شکایت نہیں کی کہ اپنے گھر میں شیطان یا آسیب ہے۔ مگر حضرتؐ نے اُس کا حال معلوم کرکے اُسکو دفع کرنیکی تدبیر بتلادی۔ بلکہ ایسی چیز اُن کو دی کہ اُس کے استعمال سے شیطان خود بھاگ گیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قتادہؓ کا مکان حضرتؐ کے دولتخانہ سے فاصلہ پر تھا۔ اور جس وقت آپ نے شیطان کی خبر دی سخت تاریکی تھی۔ خصوصاً اُن کے گھر کے اندر تو روشنی کا گذر ہی نہ تھا۔ اُس پر شیطان کا سیاہ رنگ جس سے ظلمات بعضہا فوق بعض کا مضمون صادق آتا تھا۔ حضرتؐ کو اُس شیطان کا حال کیونکر معلوم ہوا ہوگا۔ یہ ممکن ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آکر اُس کی خبر دی ہو کیونکہ وہ اسی کام پر مقرر تھے کہ بحسب ضرورت حق تعالےٰ کے پیام حضرتؐ کے پاس لادیں۔ مگر یہ معاملہ ایسا اہم نہ تھا کہ جبرئیل علیہ السلام کے تکلیف کرنے کی ضرورت ہو۔ اور نہ اُس سے متعلق کوئی شرعی حکم تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرتؐ نے اُسے دیکھ کر انتظام فرمادیا۔ یہ دیکھنا ایسا تھا کہ اس کو نہ دیوار حائل ہوتی تھی نہ تاریکی۔ اور نہ فاصلہ مانع تھا۔ جو بصارت ایسی ہو کہ ایک دیوار حائل ہونے پر بھی دیکھ سکے تو اُس کے لئے ہزار دیواریں بھی حائل نہیں ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ دیکھنے کے لئے جو شروط تھے کہ خارجی روشنی ہو اور کوئی کثیف چیز حائل نہ ہو وہ یہاں نہیں پائے گئے۔ باوجود اسکے حضرتؐ نے اُس شیطان کو دور سے دیکھ لیا تو معلوم ہوا کہ

حضرتؐ کا دیکھنا دوسروں کے دیکھنے کے جیسا نہ تھا۔ اس صورت میں قرب و بُعد سے متعلق شرط بھی باقی نہ رہے گی۔ چنانچہ اس کی کئی نظیریں موجود ہیں۔ کہ حضرتؐ نے صدہا کوس کی خبریں دیں۔ جو مطابق واقع ثابت ہوئیں۔ انشاءاللہ کسی موقع میں اُن کا حال بھی بیان کیا جائے گا۔

السیرۃ النبویہ صـ ۳۲۴ میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے قیس ابن زید کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اُن کے لئے دعا کی۔ جب اُن کا انتقال ہوا اُن کی عمر سو برس کی تھی۔ اور تمام سر کے بال سفید ہو گئے تھے۔ مگر جہاں حضرتؐ کا دست مبارک پہنچا تھا اُس میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا۔ اور اُن کا چہرہ روشن ہو گیا تھا۔ اسوجہ سے اُن کو لوگ اغر کہتے تھے۔ یعنی روشن چہرے والے۔ انتہیٰ۔

ہر چند ضعیفی میں بالوں کا سفید ہونا کوئی معیوب بات نہیں۔ بلکہ ضعیفی کی زینت اور وقار ہے۔ مگر خدا تعالےٰ کو یہ دکھلانا منظور تھا کہ جن بالوں پر دست مبارک پہنچا تھا اُن پر امر طبعی کا دسترس نہ ہو سکا۔ حالانکہ وہ مقتضائے پیرانہ سری تھا اس سے حضرتؐ کی قدرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فطرتی امور پر بھی غالب تھی

السیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتادہؓ ابن ملحان کے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ اُس کی وجہ سے اُن کے چہرے میں ایسی صفائی اور روشنی پیدا ہو گئی کہ اُن کے مقابل والا آدمی اُن کے چہرے میں اپنی صورت دیکھ لیتا تھا۔ انتہیٰ۔

چہرہ کا روشن ہونا

یہاں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے جو مختلف آثار ظاہر ہوتے تھے شاید وہ بحسب استعداد مقامات ہوں جیسے آگ تر چیز کو جلاتی نہیں۔ اور خشک کو جلاتی ہے تو اُن میں بحسب استعداد محل روشنی میں مختلف رنگ نمودار ہوتے ہیں۔ اور کسی چیز کو پگلا دیتی ہے، اور کبھی پتلی چیز کو گاڑھی کردیتی ہے، جیسے انڈے کی زردی وسفیدی کو، اور کسی میں اُسکا کچھ اثر نہیں ہوتا جیسے ابرک کو بالکل نہیں جلاتی۔ اور کسی کو جلاکر سیاہ کردیتی ہے جیسے گھانس وغیرہ کو۔ یہ سب آثار ہرچند آگ کے ہیں۔ مگر قابلیت مادہ کے لحاظ سے مختلف طور پر اُن کا ظہور ہوتا ہے مگر ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ یہاں استعداد کو کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ دست مبارک کی تاثیر سے چھڑی تلوار ہوگئی۔ اور اس قسم کے مختلف آثار ظاہر ہوئے۔ حالانکہ چھڑی میں نہ لوہا بننے کی صلاحیت ہے نہ استعداد۔ بلکہ اس صورت میں یہی کہنا پڑیگا کہ دست مبارک کا اثر حضرت کے ارادے کے تابع تھا۔ اُس میں مادہ کی ذاتی صلاحیت اور عدم صلاحیت کو کوئی دخل نہیں۔

السیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ زینب بنت سلمہ رضی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اُس حالت میں کہ آپ غسل فرمارہے تھے۔ حضرت نے اُن کے منہ پر پانی چھڑکا اُسوقت سے اُن کا چھرہ رونق دار ہوگیا۔ اور بڈھاپے میں بھی جوانی کی رونق اُن کے چھرے پر رہی۔ اور نہایت عقلمند اور سمجھدار سمجھی جاتی

تھیں۔ انتہیٰ۔

دست مبارک کا اثر پہنچانے کے لئے پانی صرف ایک واسطہ تھا۔ کیونکہ پانی یا پونچھ ڈالا گیا ہوگا یا سوکھ گیا ہوگا۔ مگر اُس کے معدوم ہونے پر بھی اثر دست مبارک معدوم نہ ہو سکا۔ بلکہ سالہا سال اُن کے چہرے میں باقی رہا۔ کیونکہ ضعیفی کے آثار بحسب اقتضائے طبع چہرہ پر نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔ اور رطوبات خشک ہونیکی وجہ سے پیرانہ سالی میں جس قسم کی شکل بنتی ہے۔ ظاہر ہے آنکھیں ڈونگی ہوجاتی ہیں۔ رخسار کی ہڈیاں ابھر آتی ہیں۔ پوست ڈھیلا ہوکر جھریاں پڑجاتی ہیں غرض کہ کیسا ہی خوبصورت انسان ہو ضعیفی میں ایسا بدشکل ہوجاتا ہے کہ اُسکو دیکھنا جی نہیں چاہتا۔ مگر دست مبارک کا کیا اثر تھا کہ اُن آثار طبعی کو روک کر جوانی کے آثار قائم کرتا رہا۔ ہرچند اطبأ نے بہت سی دوائیں تجویز کی ہیں کہ پیرانہ سالی میں چہرے کی ہیئت نہ بدلے مگر یہ ممکن نہیں کہ جوانی کی آب و تاب اُن سے باقی رہ سکے یہ خصوصیت حضرتؐ ہی کے دست مبارک کے اثر کو تھی کہ تاثیر اخلاط و عناصر کو ہٹا کر اپنا پورا پورا رنگ جمالیا۔

السیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ ابوہریرہؓ نے شکایت کی کہ نسیان کی وجہ سے مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ایک کپڑا بچھاؤ۔ جب بچھایا تو آپ نے اُس میں ایک پَسُو ڈالا جسمیں ظاہرا کوئی چیز نہ تھی پھر فرمایا کہ اسکو سمیٹ لو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اُسکے بعد میں نے

بیان قوت حافظہ

کوئی بات نہیں بھولی۔ اور صحابہ میں مجھ سے زیادہ احادیث کو یاد رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ البتہ عبداللہ بن عمرؓ کو بہت سی حدیثیں یاد تھیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھ سے پہلے اسلام لا چکے تھے اور اُن کو لکھنا آتا تھا۔ اور مجھے نہیں آتا تھا۔ حضرتؐ کی بظاہر یہ حرکت اسی قسم کی تھی کہ دیکھنے والوں کی عقل اُسکی اوراک میں متحیر ہو گئی ہوگی کہ خالی ہاتھ سے کپڑے میں کوئی چیز ڈالدینا کیا بات ہے مگر جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی شکایت رفع ہو گئی اور اس قدر انکا حافظہ قوی ہو گیا کہ اُن کے جیسے حافظہ والا کوئی نہ تھا تو اُن دیکھنے والوں کو یقین ہو گیا ہوگا کہ حضرتؐ کا پَسّو خالی نہ تھا۔ بلکہ اُس میں قوت حافظہ بھری ہوئی تھی۔ اب ہی یہ بات کہ قوت حافظہ کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی کے ہاتھ میں آوے اور اُس سے منتقل ہو کر دوسرے کے دماغ میں جاوے۔ سو یہ بھی عقل سے خارج ہے۔ مگر جب اس کا مشاہدہ اُن حضرات کو ہو گیا کہ اِدھر حضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے اُن کے کپڑے میں ڈالا۔ اور اُدھر اُن کی قوت حافظہ بڑھ گئی۔ تو اب اُسکے یقین کرنے میں اُن کو ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ مشاہدہ سے بڑھ کر یقین دلانے والی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ البتہ سُننے والوں کو اُس میں ضرور حیرانی ہوتی ہے۔ کیونکہ اُن کو اس امر کا مشاہدہ نہیں ہوا اور یہ بات ایسی ہے کہ اس قسم کی بات دیکھی نہیں جاتی جس پر قیاس کرنے کا موقع حاصل ہو۔ کیونکہ عقل کی جولانی دائرہ محسوسات میں محدود ہے۔ اگرچہ قوت حافظہ بھی محسوسات میں

نہیں مگر چونکہ اُس کے آثار اس طرح سے ظاہر ہوتے ہیں کہ بعضوں کو بہت ساری
باتیں اور مضامین دیر تک یاد رہتے ہیں اور بعضوں کو نہیں رہتے۔ اس سے
عقل کو قوت حافظہ کے ادراک کا موقع ملا۔ ورنہ عقل اُسکو بھی محال سمجھتی۔
کیونکہ فرض کرو کہ ایک آدمی مثلاً سو برس کی عمر کا ہے اور اُسکا حافظہ اس قدر
قوی ہے کہ جو سنتا ہے یاد رکھتا ہے۔ سب اُس کے حافظہ میں جمع رہتے
ہیں۔ اور یہ غور کیا جائے کہ پہلے اُس نے جس چیز کو دیکھا تھا وہ دماغ میں
کسی جگہ منقش اور کسی قسم سے محفوظ ہوئی ہوگی۔ اُس کے بعد جب دوسری
بات دماغ میں پہنچی تو وہ بھی اُسی طرح پہلی بات کے ساتھ جمع ہوئی۔ اسیطرح
وقتاً فوقتاً جو جو چیزیں اُس کے دماغ میں گئیں سب محفوظ ہوتی گئیں۔ یہاں تک
کہ سو برس تک جتنی چیزیں اُسکے دماغ میں گئیں۔ خواہ از قسم محسوسات ہوں یعنی
بصارت، سماعت، شامہ، لامسہ، و ذائقہ سے متعلق ہوں یا وجدانیات و معقولات
جنکا ادراک کیا ہو سب دماغ کے ایک حصہ میں جمع ہوگئیں۔ اب غور کیا جائے کہ
ان تمام محفوظ چیزوں کا مجموعہ کس قدر ہوگا۔ اگر وہ تمام چیزیں تحریر میں لائی
جائیں تو صدہا بلکہ ہزارہا جلدوں کی ایک کتاب بنجائے کیونکہ ہر وقت کوئی نہ
کوئی نیا ادراک ہوتا ہی رہتا ہے۔ کیا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک
چھوٹا سا دماغ اتنا بڑا کتب خانہ بنجائے۔ پھر ان محفوظات دماغ سے اگر
کوئی کتاب لکھی جائے تو اُس میں تقدیم و تاخیر مضامین کی ضرورت ہوگی۔

پہلے صفحہ کا مضمون دوسرے صفحہ میں نہ ہوگا۔ اگر کوئی بات اُس میں دیکھنا منظور ہو تو صدہا بلکہ ہزار ہا ورق اُلٹانے کی ضرورت ہوگی۔ بخلاف اُس کے دماغ میں جو جو چیزیں محفوظ ہیں اُن کی یہ حالت ہے کہ جس وقت جو مضمون نکالنا چاہیں کتنے ہی مدت کا واقعہ کیوں نہ ہو فوراً پیشِ نظر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جو مضمون دماغ میں جمتے جاتے ہیں ایک کے بعد ایک آتے جاتے ہیں۔ مقتضائے عقل تو یہ تھا کہ جس طرح کتاب کی ورق گردانی کر کے ایک مضمون نکالا جاتا ہے۔ یہاں بھی اسیطرح تفحص کیا جاتا۔ اسمیں شبہ نہیں کہ عادت ہونیکی وجہ سے ایسے امور کی طرف خیال نہیں کیا جاتا مگر تدبّر اور فکر سے کام لیا جائے تو اُسمیں عقل ضرور حیران ہوگی۔ اس حیرانی کو دور کرنے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ یہ کہدیا جائے کہ خدائتعالےٰ نے قوت حافظہ کی تخلیق ہی اس طرح سے کی ہے۔ جب خدائتعالےٰ کی تخلیق پر محول کر دینے سے عقل کی حیرانی کسی قدر کم ہو جاتی ہے تو اس حدیث کے مضمون میں بھی اگر خدائتعالےٰ کی قدرت پر حوالہ کر دیا جائے اور رکھا جائے کہ حق تعالےٰ نے جس طرح قوت حافظہ کو عجیب الخلقت بنا کر دماغ میں رکھا اسی طرح اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں رکھا۔ اور حضرتؐ نے ابو ہریرہؓ کے دماغ میں رکھدیا تو عقل کی حیرانی اور تشویش ضرور کم ہو جائے گی۔ بات یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ جس کو ہر شخص نہیں جان سکتا۔

حقیقت ہر شے

اس کا ثبوت کئی حدیثوں سے ہوتا ہے۔ جن میں سے چند حدیثیں بیان کی جاتی ہیں۔ خصائص کبریٰ میں ام طارق رضہ سے روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت سعد رضہ کے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے دروازہ پر ایک آواز سنی کہ کوئی اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے اور وہاں کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ حضرت نے پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے کہا میں ام ملدم ہوں یعنی (تپ) آپ نے فرمایا لا مرحبا ولا اھلا۔ یعنی نہ تو مرحبا کہنے کے لائق ہے نہ اہلا کے۔ پھر فرمایا کیا تو اہل قبا کے طرف جانا چاہتی ہے۔ کہا ہاں۔ فرمایا اچھا جا۔ انتہیٰ۔

اور خصائص کبریٰ میں سلمان فارسی رضہ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت دینے سے تپ حاضر خدمت ہوئی۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ کہا تپ ہوں میں گوشت کو قطع کرتی ہوں اور خون کو چوس جاتی ہوں۔ فرمایا کہ اہل قبا کے یہاں جا۔ چنانچہ وہاں گئی۔ چند روز کے بعد اہل قبا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کے چہرے تپ کی وجہ سے زرد ہو گئے تھے اور تپ کی شکایت کی۔ فرمایا اگر چاہتے ہو تو اُس کے دفع کرنے کی دعا کروں ورنہ اُسکو رہنے دوں۔ جسکی وجہ سے تمہارے گناہ دور ہو جائیں۔ انہوں نے عرض کی ہم چاہتے ہیں کہ اسکو رہنے دیجئے۔ انتہیٰ

اور یہ روایت بھی خصائص کبریٰ میں ہے کہ ابو ہریرہ رضہ کہتے ہیں کہ تپ آنحضرت

کی خدمت میں آئی اور عرض کی یا رسول اللہ جس قوم سے آپ کو زیادہ تر محبت ہے مجھے اُن کے پاس بھیجیئے۔ آپ نے فرمایا انصار کے یہاں جا۔ چنانچہ وہاں گئی اور اُن کو پچھاڑ دیا۔ انہوں نے جب حضرت سے اسکی شکایت کی آپ نے دعا کی اور وہ سب اچھے ہو گئے۔ انتہیٰ۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ تپ کسی شکل میں آئی تھی۔ گو کسی نے اسکی شکل نہیں بیان کی مگر اسکا بات چیت کرنا اور امتثال امر کرنا ثابت ہے۔

اور خصائص کبریٰ میں زید ابن ارقم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم ابوبکر صدیق رض کے ساتھ تھے اُنہوں نے پینے کو پانی منگوایا۔ چنانچہ پانی شہد ملا کر لایا گیا۔ یہ دیکھتے ہی آپ رونے لگے اور آپ کی بیجی حالت کا یہ اثر ہوا کہ کل حاضرین مجلس پر گریہ طاری ہو گیا بعد میں لوگوں نے رونیکا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک روز میں آنحضرت صلعم کے ساتھ تھا۔ دیکھا کہ حضرت صلعم کسی چیز کو دفع فرما رہے ہیں۔ حالانکہ وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کس چیز کو آپ دفع فرما رہے ہیں۔ فرمایا یہ دنیا متشکل ہو کر میرے پاس آئی ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ میرے پاس سے ہٹ اور اسکو ڈھکیل دیا مگر وہ پھر پلٹ کر آئی اور کہا کہ اگر آپ مجھ سے بھاگتے ہو تو خیر۔ مگر جو لوگ آپ کے بعد آئیں گے وہ مجھ سے نہ بھاگیں گے۔ انتہیٰ

اس سے ثابت ہے کہ حقیقت دنیا متشکل اور متمثل ہوئی تھی۔ صدیق اکبر رض

کے لئے جب پانی شہد ملا ہوا لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پیش نظر ہو گیا کہ کیسے فقر و فاقہ سے آپ نے گذارا کہ اس قسم کے ترفہ کے سامان کا پتا بھی نہ تھا۔ اور اب یہ حالت ہے کہ پانی منگوایا گیا تو شہد کے ساتھ لایا جارہا ہے۔ ہر چند آپ نے بھی فقر و فاقہ میں گذاری۔ جس کا تھوڑا سا حال ہم نے مقاصد الاسلام کے کسی حصہ میں لکھا ہے۔ مگر غم اس بات کا ہوا کہ دنیا نے جو کہا تھا کہ آپ کے بعد والے مجھ سے نہ بھاگیں گے۔ وہ بات صادق آرہی ہے۔ اور سامان ترفہ ہر طرف پیش نظر ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی ہے۔

خصائص کبریٰ میں عبد اللہ ابن حوالہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر تھے۔ اپنی برہنگی اور فقر اور تنگدستی کی شکایت ہم سب نے کی۔ حضرت نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہے خدا کی قسم تمہاری تنگدستی سے اسقدر مجھے خوف نہیں جو تمہارے تموّل سے ہے۔ خدا کی قسم ہمیشہ یہ امر تم میں جاری رہیگا۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ زمین فارس اور روم اور حمیر تم پر فتح کریگا اُس وقت تم تین لشکر میں منقسم ہونگے۔ ایک لشکر شام دوسرا عراق۔ تیسرا لشکر یمن اُسوقت کی حالت یہ ہوگی کہ سو درہم اگر کسی کو دیے جائیں تو اُسکو غصہ آئیگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ شام کو فتح کرنے کی کس میں طاقت ہے۔ وہاں تو رومی بڑے شان و شوکت والے ہیں

رضی اللہ عنہم

فرمایا قسم ہے کہ تم اسکو فتح کروگے اور خدا ے تعالیٰ تمہیں وہاں کا خلیفہ بنائیگا۔ اور یہ حالت ہوگی کہ تم میں کا ایک کم رو کالا شخص جسکا سر مونڈھا ہوا ہوگا اوس کے روبرو گورے گورے لوگوں کی ایک جماعت کھڑی ہوگی۔ وہ شخص اُن پر جو حکم کریگا اس کو بجا لائیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں جو بیان کیا گیا وہ بات جزابن سہیل پر صادق آتی تھی جو اُسوقت حاکم تھے۔ جب وہ مسجد کو آتے جاتے تو صحابہ انکو اور اُن کے گرد و پیش گورے لوگوں کی جماعت کو دیکھتے اون پر تعجب کرتے کہ حضرت نے جو خبر دی تھی کسقدر اُن پر صادق ہے انتہیٰ اس سے ظاہر ہے کہ امت کے مالدار ہونیکا حضرت کو خوف لگا رہتا تھا۔ دیکھئے اصلی دین اور ہمارے طریقوں میں کس قدر فرق ہے۔ انہیں دو چار حدیثوں سے ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ کمال درجہ کی محبت تھی اون پر تب کی مصیبت ڈالی گئی۔ جسم کا خون خشک ہوگیا۔ چہرے زرد ہوگئے اور دنیا کی راحت و آسایش کی کوئی چیز نزدیک آنا ناگوارا ہو۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ صرف یہی تھی کہ مصیبت میں خدا ے تعالیٰ یاد آتا ہے۔ اور یاد الٰہی باعث ترقی مدارج اخروی ہے۔ چند روزہ دنیا کسی طرح گزر جائیگی مگر جہاں ابدالآباد ہمیشہ رہنا ہے اور پھر اوس سے نکلنا ممکن نہیں وہاں کا سامان درست کرنے کی ضرورت ہے جو ترک دنیا سے حاصل ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جہانتک

فقر و مصیبت کی ضرورت

ممکن ہو دنیا کی حالت درست کریں گے یعنی ہر طرح کے عیش و عشرت مہیا کرنے کی فکر ہے۔ اگر سامان عشرت موجود ہے تو علاوہ اوس کی مشغولی کے باقی وقت اُس کی زیادتی کی فکر میں گزرتا ہے۔ اور اگر مہیا نہیں تو اوس کے غم اور فراہمی میں پورا وقت گزار دیا جاتا ہے جس سے خدائے تعالیٰ کو یاد کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اگر کسی نے خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ دلانے کی فکر کی تو اوس کے دشمن ہو گئے اور اقسام کی پھبتیاں اوس پر اڑائیں اُس کا نام قل اعوذ یا رکھا جاتا ہے۔ غرض کہ توہین کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جاتا جنکو خدا رسول سے ایسی بے تعلقی ہو انکا مسلمان کہنا بلحاظ قومیت ہوگا جسکو مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

خصائص کبریٰ میں ابو طفیل اور سعد بن عمرو سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید رض کو نخلہ کی طرف روانہ کیا جو طائف کے قریب ہے اور فرمایا کہ بتخانہ عزیٰ کو ڈھا دیں جب وہ وہاں پہونچے تو ایک سیاہ عورت برہنہ سر کے بال بکھرائے ہوئے اوس میں سے نکلی۔ خالد رض نے تلوار سے اوس کے دو ٹکڑے کر دئے اور آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کی خبر دی۔ فرمایا وہ عزیٰ تھی اب اوسکی پرستش تمہارے شہر میں ہونے سے اوسے ناامیدی ہو گئی ہے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

عزیٰ ایک بت عرب میں مشہور تھا۔ اکثر بتخانے اُس کے نام سے بنا کر اس قسم کے

پتھر اُس میں رکھتے - اور اس کی پرستش کیا کرتے تھے - غالباً ہر بتخانے میں
کچھ نہ کچھ آثار ظاہر ہوتے ہوں گے - جس کی وجہ سے وہ اس کے دلدادہ
تھے - چنانچہ اسی روایت میں ہے کہ جب خالد رض بتخانے میں اُس کے
توڑنے کی غرض سے گئے تو پوجاریوں نے عزّیٰ پکار کر کہا (یا عزیٰ خبّلیہ
یا عزیٰ عوریہ و الا فموتی برغم) یعنی ای عزّیٰ اسکو دیوانہ کر دے اور عزّیٰ
اسکو عیب دار کر دے نہیں تو ناک زمین پر رگڑ کر مر جا - اس سے ظاہر کہ وہ یہ جانتے تھے
کہ عزّیٰ اپنے مخالف کو سزا دینے پر قادر ہے - جہاں جہاں عزّیٰ کی شکل
بنا کر پرستش کرتے تھے سب کا یہی اعتقاد ہوگا - اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ عزّیٰ شخص معین نہ تھی بلکہ اگر اوسکو ایک نوع کہیں تو بے موقع نہ ہوگا اسی وجہ
سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بلاد عرب میں اس کی پرستش ہونے سے
اسکو نا امیدی ہو گئی ہے - اس لئے کہ اوس کی حقیقت فنا ہو گئی جسکے
افراد بلاد عرب میں پوجے جاتے تھے - اسی طرح نائلہ کا واقعہ ہے - جو
خصائص کبریٰ میں ابن عباس رض سے مروی ہے کہ جب مکہ معظمہ فتح ہوا
تو ایک حبشی عورت ادھیڑ بوڑھیا اپنے منہ کو نوچتی اور واویلا کرتی آئی -
لوگوں نے اسکا واقعہ حضرت کی خدمت میں عرض کیا - آپ نے فرمایا وہ
نائلہ ہے وہ مایوس ہو گئی ہے کہ تمہارے اس شہر میں اوسکی پھر کبھی پرستش
ہو انتہیٰ -

حقیقت مثلی

اور نیز خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ جب فتح مکہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے سعد ابن زید کو بیس سواروں کے ساتھ مشلل کو روانہ کیا تھا کہ بتخانہ مناۃ کو جو مشہور تھا ڈھادیں۔ جب وہ وہاں پہونچے تو پوجاری نے کہا کس ارادہ سے آئے ہو کہا اس بتخانہ کو ہدم کرنے کے لئے۔ کہا تم اور وہ جان لو۔ سعد جب بتخانے میں جانے لگے تو اندر سے ایک برہنہ سیاہ رو عورت سر کے بال بکھرے ہوے واویلا اور سینہ زنی کرتی نکلی۔ سعد اسکو مارنے لگے۔ پوجاری نے کہا ہاں مناۃ لیسنا اور غصہ نکالنا سعد نے اوسے اتنا مارا کہ وہ مرگئی اُس کے بعد اوس پتھر کو جو منات کہلاتا تھا گرادیا۔ انتہیٰ۔

اس قسم کے اور بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے جو امر معنوی ہے۔ الغرض قوت حافظہ کی ایک حقیقت ہے جو محسوس نہیں ہوسکتی۔ آنحضرت کو منظور ہوا کہ قوت حافظہ ابوہریرہ رضہ کو عنایت فرمادیں تو اوس حقیقت میں سے ایک حصہ ان کو دیا۔ مگر اس طریقہ سے کہ مثل اجسام محسوسات کے اپنے ہاتھ میں لے کر اُن کے کپڑے میں ڈالا جب اُونہوں نے اس کو جمع کرلیا تو وہ اُس کے ساتھ متصف ہوگئے۔ کوئی عاقل اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ اعمال حسنہ اور سیئہ اعراض ہیں۔ اور اُن کے لئے کوئی خارج میں علیحدہ وجود نہیں ہے باوجود اس کے کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ قیامت کے روز وہ

سب وزن کئے جائیں گے ۔ اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ جس طرح وہ اعمال خارج میں میزان میں رکھکر وزن کئے جائیں گے اوسی طرح قوت حافظہ آنحضرت کے ہاتھ میں آئی اور آپ نے ابوہریرہ رضہ کو عنایت کی ۔ ایمانی طریقے سے اس میں کوئی استبعاد کی بات نہیں اگر اس کو عقل نہ مانے تو عقل کا قصور ہے ہم نے کتاب العقل میں بفضلہ تعالیٰ ثابت کر دیا ہے کہ عقل ہر بات میں چل نہیں سکتی ۔ بلکہ محسوسات میں بھی ٹھوکریں کھاتی ہے جب محسوسات میں اوسکا یہ حال ہو تو حقائق محسوسات میں وہ بیچاری کیا چلیگی ۔ سچے مسلمان کو ضرور ہے کہ ایسے امور میں اگر شک آجائے تو بصدق دل بارگاہ کبریائی میں دعا کریں کہ اس فتنہ سے بچا کر ایمان سلامت رکھے ۔

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ عبدالرحمن ابن زید صغر سنی میں بہت حقیر اور بدرو تھے ۔ حضرت نے اُن کے سر پر ہاتھ پھیرا ۔ اور اعضا اور تمام امور میں برکت کی دعا کی ۔ جب وہ بڑے ہوئے تو اونچے پورے اور اونکے کل اعضاء صحیح وسالم اور اوروں سے بہتر تھے ۔

یہ دست مبارک کی برکت تھی کہ قوت نامیہ کو ترقی دیدی ۔ جس سے اعضا کا نقص جو لڑکپن میں تھا جاتا رہا ۔ بظاہر قوت نامیہ تابع مزاج اور طبیعت ہے مگر اس کا یہ اثر نہ تھا کیونکہ اگر اُن کے مزاج اور طبیعت میں قوت ہوتی تو لڑکپن ہی میں جو کثرت نمو کا زمانہ تھا پورے طور پر نمو ہوتا حالانکہ

اوس وقت وہ بہت ضعیف القوۃ اور حقیر ونحیف تھے۔ ادنیٰ تامل سے یہہ
بات معلوم ہوسکتی ہے کہ حضرت کا تصرف فطرتی امور میں بھی نافذ اور جاری تھا
حالانکہ فطرتی امور بدل نہیں سکتے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فطرت اللہ التی
فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ یعنی فطرتی امور میں تبدیل
نہیں ہوتی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر خدائے تعالیٰ بھی چاہے تو تبدیل نہیں
ہوسکتی۔ اس لئے کہ مستثنیات عقلی شرعاً اور عقلاً معتبر ہیں۔ دیکھئے قانون میں بھی
اقتدار شاہی قوانین سے مستثنیٰ ہوا کرتا ہے چونکہ حضرت کا تصرف حق تعالیٰ ہی کا
تصرف تھا اس لئے فطرتی امور میں بھی اوسکا اثر ہوتا تھا۔

مواہب اللدنیہ اور اوس کی شرح زرقانی میں جابرؓ سے روایت ہے کہ اوائل
نبوت میں جب آنحضرتؐ قبائل کو دعوت اسلام فرمانے لگے تو کفار جمع ہوکر
حضرت کو پکڑے اور اس قدر گستاخی سے پیش آئے کہ آپ کے جسم مبارک سے
خون جاری ہوگیا اور کہنے لگے کہ تم ہی ہو کہ تمام معبودوں کو ایک معبود بنا
رہے ہو اوس وقت ابوبکر رضہ درمیان میں آگئے اور کہا کہ کیا ایسے شخص کو تم قتل
کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ حضرت وہاں سے تشریف لیجا کر کسی مقام
میں نہایت غمگین تشریف رکھے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا آپ غمگین
کیوں ہو۔ حضرت نے واقعہ بیان فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کیا آپ کی
خواہش ہے کہ میں آپ کو کوئی نشانی بتلادوں۔ فرمایا اچھا۔ جبرئیلؑ نے ایک

درخت کی طرف جو میدان کے اوس طرف تھا۔ کہا کہ اوس درخت کو آپ بلائیے۔ حضرت نے بلایا۔ فوراً وہ چلتا ہوا آکر حضرت کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اب آپ اسکو کہئے کہ اپنی جگہ چلا جائے۔ حضرت نے حکم فرمایا فوراً وہ اپنی جگہ چلا گیا۔ یہ دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسبی حسبی یعنی مجھے یہ کافی ہے اور فرمایا کہ اس کے بعد اگر لوگ جھٹلاویں تو اس کی مجھے کچھ پروانہیں انتہیٰ۔

حضرت اوس واقعہ کے بعد مغموم جو تشریف رکھے تھے اس کی وجہ یہی ہوگی کہ جس طرف دیکھتے ہیں کوئی اپنا ہم خیال نہیں۔ جسکو دیکھئے وہ خون کا پیاسا ہے۔ اظہار حق کی وجہ سے عداوت بڑھتی جاتی ہے۔ کوئی تدبیر ایسی نہیں ہوسکتی جو اُن کو راہ راست پر لاسے نصیحت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ قتل پر آمادہ ہو جاتے ہیں ایسے موقع میں جب جبرئیل علیہ السلام حضرت کی تسکین وتشفی کے لئے آئے اور یہ دکھادیا کہ درخت نے آپ کے حکم کی ایسی تعمیل کی جیسے کوئی آدمی کرتا ہے۔ تو اس سے آپ کو یقین ہو گیا کہ نبوت کا کارخانہ جم جاسے گا اور سمجھ گئے کہ اکوان میں تصرف کرنے کی اجازت ملگئی ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فقط اسی درخت میں تصرف کرنے کی قدرت دیگئی ہوگی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت کا غم اوس وقت فرو نہ ہوتا حسبی حسبی نہ فرماتے۔ اور نہ یہ فرماتے کہ اب کسی کی تکذیب کی مجھے پروا نہیں۔ چونکہ قرینہ حالیہ صاف گواہی دے رہا ہے

کہ حق تعالے کو آنحضرت کی تسکین اور تشفی منظور تھی اس لئے ایسی قدرت دیگئی کہ امکان بشری سے خارج ہے اور حضرت بھی سمجھ گئے کہ اس قدرت کے ملنے کے بعد ہر موقع میں ایسے تصرفات بتلائے جائیں گے کہ اہل انصاف کو انکار کا موقع نہ ہوگا اور سوائے اہل عناد اور متعصبین کے سب راہ راست پر آجائیں گے یہی مضمون حسبی حسبی کا ہے۔ اصل یہ ہے کہ خدا ے تعالے جب کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اوس کے لئے ایک خصوصیت عطا ہوتی ہے کہ جو چیز وہ چاہے موجود ہو جائے۔ چنانچہ کل جنتیوں کو یہ خصوصیت عطا ہوگی

کما قال اللہ تعالیٰ فیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین

اس کا مقتضے یہ ہوگا کہ ادھر کسی چیز کی خواہش پیدا ہوئی اور ادھر اوسکا وجود ہوگیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کن عطا ہوتا ہے یعنی کسی چیز کو موجود کرنے کا تصور ہوا تو گویا کن اوس سے کہا گیا اور ساتھ ہی وہ موجود ہوگئی۔ اس کی تصریح حضرت غوث الثقلین رح نے فتوح الغیب میں فرمائی ہے۔

خصائص کبریٰ میں عبدالرحمن بن ابی بکر رض سے روایت ہے کہ حکم ابن عاص حضرت صلعم کے پاس بیٹھا تھا۔ جب حضرت کچھ کلام فرماتے تو اپنے چہرے کے پوست کو پھرکاتا۔ حضرت نے فرمایا کن کذالک مرنے تک [illegible] اوس کی حالت یہی رہی کہ اوسکا چہرہ ہمیشہ پھرکتا رہا۔ انتہیٰ۔

اور اوسی میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص پیچھے کھڑے ہو کر چڑانے لگا حضرت نے فرمایا کذٰلک فلکن یعنی ایسا ہی ہو جا۔ ساتھ ہی وہ گر گیا۔ دو مہینے تک فریش رہا اور جب افاقہ ہوا تو اوس کا چہرہ ویسا ہی ہو گیا جو چڑانے کے وقت تھا۔ انتہیٰ

دیکھئے صاف لفظوں میں حضرت نے کُن جس کام کے لئے فرمایا فوراً اوس کا وجود ہو گیا۔

خصائص کبریٰ میں جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع میں آنحضرت کے ہمراہ تھے۔ ایک روز حضرت نے بعد قضائے حاجت فرمایا کہ اسے جابر وضو کے لئے لشکر میں پکار دو۔ میں ہر ایک سے پوچھتا پھرا کہ کسی کے پاس وضو کا پانی ہے۔ مگر کہیں نہ ملا۔ چنانچہ آ کر حضرت سے عرض کر دیا کہ ایک قطرہ پانی کا کسی کے پاس نہیں۔ حضرت نے فرمایا فلاں انصاری کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ اون کی مشک میں پانی ہے میں اُن کے پاس گیا دیکھا کہ اس قدر پانی اوس میں ہے کہ اگر اونڈیلا جاے تو خشک چمڑا اوسکو جذب کر لے۔ حضرت سے آ کر عرض کیا۔ فرمایا وہی لاؤ۔ میں نے حاضر کیا حضرت نے اوس کو ہاتھ میں لیا اور کچھ فرمانے لگے جسکو میں نے نہ سمجھا اور اوس مشک کو اپنے ہاتھ سے دبایا۔ پھر مجھے دیکر فرمایا ایک برتن کہیں سے لے آؤ۔ چنانچہ میں لا کر حضرت کے روبرو رکھا۔ حضرت نے اپنا دست مبارک

اوس کی تہ میں رکھکر انگلیاں کشادہ کرئیں۔ اور فرمایا کہ اے جابر بسم اللہ کہکر
میرے ہاتھ پر پانی ڈالو چنانچہ میں نے ڈالنا شروع کیا تو دیکھتا کیا ہوں
کہ پانی حضرت کی انگلیوں میں سے جوش کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ برتن
بھرگیا۔ پھر فرمایا اے جابر لشکر میں پکار دو کہ کسی کو پانی کی حاجت ہو تو
یہاں آئے چنانچہ سب لوگ آئے اور نہایت سیرابی سے سب نے پیا
اس کے بعد حضرتؐ نے اپنا دست مبارک اس برتن سے اُٹھا لیا اور وہ
برتن پانی سے بھرا ہوا تھا۔ انتہیٰ۔

خصائص کبریٰ میں جابرؓ سے روایت ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے غزوہ ذات الرقاع کا ارادہ فرمایا تو علبتہ ابن زید شتر مرغ کے تین
انڈے حضرت کی خدمت میں لائے۔ حضرتؐ نے اسکو پکانے کے لئے مجھے ارشاد
فرمایا میں پکا کر ایک پیالہ میں لایا اور روٹی کی تلاش کی گئی مگر نہ ملی حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اور چند صحابہ نے اسکو تناول فرمائے اُس کے بعد کل لشکر
نے کھایا اور روانہ ہوئے۔ انتہیٰ۔

شتر مرغ کے تین انڈے ایک لشکر کو کافی ہونا بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ
من جانب اللہ اس میں برکت دی گئی اور سبب قوی اسکا حضرت کا
دست مبارک تھا جسکی برکت ان میں ظاہر ہوئی تھا یہ امر قابل توجہ ہے کہ
ایک لشکر جنگ کو جارہا ہے اور اوس کی یہ حالت ہے کہ ڈھونڈ ھیئے تو

اس میں باوجود تلاش کے ایک روٹی نہ ملی۔ کیا اس سے زیادہ کوئی بے سامانی ہو سکتی ہے۔ مگر سبحان اللہ اس لشکر کو اس بے سامانی کی کچھ پروا نہ تھی اور سب اس شوق و ذوق سے جنگ کو جا رہے تھے کہ اس کا ذرا بھی خیال نہ ہوا کہ بھوک پیاس میں ہم کس طرح لڑیں گے اگر عقل کی راہ سے دیکھا جائے تو کوئی عاقل اسکو جائز نہ رکھیگا کہ ایک قبیلہ کے مقابلہ کو ایسا لشکر جائے کہ جس کے ساتھ ایک روٹی بھی نہ ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے دین کی بنیاد صرف تائید باطنی پر ہے۔ اسی وجہ سے کل قوم نے اسکو تسلیم کر کے معمولی عقلوں کو خیرباد کہدیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں زمام اختیار دیدیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ جسطرح آپ چاہیں ہم سے اطاعت لیں۔ ہم ہرگز اس میں اپنی عقلوں سے کام نہ لیں گے اور چون و چرا نکریں گے۔ یہ دولت اگر پوچھئے تو انہی حضرات کے حصہ میں تھی اب تو ہماری یہ حالت ہے کہ بات بات میں عقل سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ اور دین نے جو مشورت دی ہے وہ عالم بالا میں رکھی رہتی ہے۔

خصائص کبریٰ میں سلمان فارسی رض وغیرہ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق میں جو خندق کھودی جا رہی تھی اوس میں ایک پتھر نکلا۔ جسکا توڑنا دشوار تھا حضرت ؐ نے اپنے دست مبارک میں کدال لی اور ایک ضرب لگائی۔ جس سے ایک ایسی روشنی چمک گئی کہ مدینہ کے اطراف کے پہاڑوں تک

روشنی پھیل گئی اوس کے بعد دوسری ضرب لگائی۔ اوس سے بھی روشنی ویسی ہی پیدا ہوی۔ پھر تیسرے ضرب لگائی اوس سے بھی ویسی روشنی پھیلی۔ سلمان کہتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ یہ روشنی جو ہرایک ضرب کے ساتھ نمایاں ہوی وہ کیا بات تھی۔ فرمایا پہلی ضرب میں شام کی کونجیاں مجھے عنایت ہوئیں۔ اور دوسرے ضرب سے ملک پارس اور مغرب اور تیسرے ضرب سے ملک یمن کی کونجیاں دی گئیں۔ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانہ میں اور اوس کے بعد جیسے جیسے ملک فتح ہوتے تھے ابوہریرہ رضی کہتے تھے کہ جس ملک کو چاہو فتح کرتے جاؤ۔ خدا کی قسم جن جن شہروں کو تم فتح کرتے جاؤ گے قیامت تک انکی کونجیاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دی گئی تہیں۔ یہ خبر جو مشہور ہوئی تو منافق لوگ کہنے لگے کہ محمدؐ یثرب سے مدائن کسریٰ وغیرہ کو دیکھ رہے ہیں۔ اور تمہاری یہ حالت ہے کہ خندق کھود رہے ہو اور سیدان میں نہیں نکل سکتے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

اس حدیث کی بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فتح ملک کسریٰ اور شام کی خبر دی تھی۔ بہر حال حالت موجودہ کے لحاظ سے منافقوں نے جو کہا تھا اوس کا کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اون کے اوس بیان پر کئی شہادتیں موجود تھیں۔ پہلی مالی حالت کہ خزانہ میں اتنا بھی روپیہ نہ تھا کہ مزدوری سے خندق کھدوائی جاتی۔ تمام صحابہ اپنے ہاتھ سے کھودتے تھے



اور اون کی بھی یہ حالت کہ فاقہ بر فاقہ ہے اور کام کئے جاتے ہیں۔ اور اوسکے معاوضہ میں ایک وقت کا کھانا بھی نہیں دیا جاتا۔ اور اس خندق کا جو اہتمام ہو رہا تھا وہ صرف چند قبائل عرب کے مقابلہ کے واسطے جو دو تین ہزار سے زائد نہونگے۔ جب ان سکے مقابلہ میں یہ حالت ہو تو کسریٰ و قیصر کے مقابلہ میں جنکا لشکر ہزار لاکھوں کا تھا۔ اور ساز و سامان جنگ میں تو وہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ کیا حال ہوگا۔ غرض کہ عقل کی رو سے اوسوقت کا یہ خیال کہ ملک کسریٰ و قیصر وغیرہ کو مسلمان لوگ فتح کر لینگے۔ ہرگز قرین قیاس نہ تھا۔ اسی وجہ سے عقلاے زمانہ اس کی تضحیک کرتے تھے مگر سبحان اللہ صحابہؓ ہی کا حوصلہ تھا کہ نہ اپنی حالت موجودہ کو اونہوں نے دیکھا نہ عقلاء کے طعن کی کچھ پروا کی۔ بمجرد اس سکے کہ آنحضرتؐ نے اون ملکوں کی فتح کی خبر دی۔ خوش ہو گئے۔ اور یقین کر لیا کہ اب کیا ہے وہ سب ہمارے ہی ملک ہیں اگر چند روز کفار اون پر مسلط بھی رہیں تو وہ بطور عاریت ہوگا۔ ہم جب جائیں گے اون سے چھین لیں گے۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ نہ اصول جنگ کے لحاظ سے کامیابی کی توقع تھی نہ عقل کی راہ سے کیونکر چند فقرا تھے جو نوکر تھے نہ سرکار طرف سے اون کو کوئی مالی امداد دی جاتی تھی نہ رسد اور غلہ پہونچنے کا کوئی انتظام تھا۔ بڑے بڑے خونخوار سلطنتوں پر چڑھائی کی۔ جن کی فوج کے مقابلہ میں ان کی تعداد عشر عشیر بھی نہیں

سامان جنگ کے لحاظ سے تو دونوں میں کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔ کیا دنیا میں کوئی نظیر مل سکتی ہے کہ ایسے لوگوں نے کسی سلطنت کو لڑکر فتح کیا۔ غرضکہ کتب سیر و تواریخ کو دیکھنے کے بعد اوس کے عطائے الٰہی ہونے میں ذرا بھی شبہہ باقی نہ رہے گا اور یہ صاف معلوم ہوجائے گا کہ بے شک حضرتؐ کو اون ریاست کی کنجیاں مل گئیں تہیں۔ گو یہ معلوم نہ ہو کہ کنجیوں کی حقیقت کیا ہے اور اون کا دینا کیسا۔ یہ قرائن ایسے ہیں کہ اس میں ایمان سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ جسکو ذری بھی عقل ہو سمجھ سکتا ہے کہ بغیر تائید باطنی کے یہ کام نہیں ہوسکتا تھا۔ اور اسی تائید باطنی کی خبر حضرتؐ نے پہلے ہی سے دیدی تھی۔ ایسے ہی موقع میں عقلا قیاس سے کام لیتے ہیں۔ اور سمجھ جاتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کی صدہا خبریں سچی ثابت ہوئیں اور ابتک برابر ثابت ہوتی جاتی ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ نے قیامت تک۔ واقعات کی خبر دیچکے ہیں تو آنحضرتؐ نے دوسرے عالم اور ثواب و عقاب کی جو خبریں دی ہیں ان کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔ دیکھئے حکمت جدیدہ میں لکھا ہے کہ متوسط القامت آدمی کے جسم پر ہوا کا تین ہزار نوسے من وزن ہر وقت رہا کرتا ہے حالانکہ اس بات کو عقل ہرگز باور نہیں کرتی کہ جو شخص ایک من کا وزن بتکلف اوٹھا سکے وہ تین ہزار نو سے من وزن بلا تکلف کیونکر اوٹھا سکتا ہے۔ مگر اس زمانے کے عقلا نے

(۳۹۴)

اسکو مان لیا ہے اس وجہ سے کہ اہل حکمت جدیدہ نے اعلیٰ درجہ کی صنعتیں ایجاد کی ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی ایسا ترازو بھی بنایا ہو کہ اوس سے ہوا ناپ سکیں۔ الحاصل ان پیشین گوئیوں کو اس وقت کی حالت موجودہ کے لحاظ سے دیکھا جاے اور اون کے وقوع پر نظر ڈالی جاے تو عقلمند آدمی آنحضرت ﷺ کی نبوت اور آپ کی کل خبروں میں ذرا بھی شک نہیں کر سکتا۔

خصائص کبریٰ میں نعمان بن بشیر کی بہن سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میری ماں نے چند کھجوریں میرے پلو میں باندھ کر کہا کہ اپنے باپ اور ماموں جو خندق کھود رہے ہیں اون کو لیجا کر دو۔ جب میں وہاں پہونچی تو حضرت نے مجھے پکارا۔ اور وہ کھجوریں مجھ سے لے لیں اور اتنی تھیں کہ حضرت کا پسوا اون سے نہ بھرا۔ پھر آپ نے ایک کپڑا بچھا کر ان کو پھیلا یا اور اہل خندق کو بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب جمع ہوے۔ اور کھانے لگے جیسے جیسے وہ کھاتے تھے کھجوریں زیادہ ہوتی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ جب وہ فارغ ہو کر واپس گئے تو وہ کھجوریں اتنی بچ گئیں کہ کپڑے میں ان کی گنجائش نہ تھی۔ انتہیٰ۔

صحابہ رضہ جب ایسے برکات دست مبارک کے وقتاً فوقتاً مشاہدہ کرتے تھے تو اون کا ایمان اور توکل کس قدر مستحکم ہوتا ہوگا۔ بلکہ ان مشاہدات کی وجہ سے ایمان بالغیب کی اون کو ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ تجربات یقینی سمجھے جاتے ہیں

البستہ ہمیں اس کی ضرورت ہے کیونکہ ہمنے اس قسم کے تصرفات کو دیکھا ہی نہیں بلکہ کتابوں کے ذریعہ سے ہمیں اس قسم کی خبریں پہونچیں۔ اگر ہم اون کو باور کریں تو ہمارا ایمان بالغیب ہوگا۔ اور یؤمنون بالغیب کے مصداق ہونے کی وجہ سے مستحق ثواب ہونگے۔ بخلاف صحابہؓ کے کہ وہ ایمان بالغیب کے ثواب کے مستحق نہیں تھے البتہ اوس مشاہدہ کے جو آثار مرتب ہوتے تھے وہ ہم لوگوں کو نصیب نہیں ہو سکتے۔ مثلاً ان مشاہدات کی وجہ سے جو عظمت و محبت آنحضرت ﷺ کی اون حضرات کے دلوں میں تھی جسکی وجہ سے وہ اپنے کو حضرت پر سے قربان کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ یہ دولت اونہیں کے لئے خاص تھی۔ ان کے بعد والے اون حضرات کے جیسے جان نثار بہت کم نکلیں گے۔

خصائص کبریٰ میں مسورؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں جہاں نزول فرمایا وہاں ایک گڑھا تھا جس میں اس قدر پانی تھا کہ چلوؤں سے لیا جا سکے۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی ختم ہو گیا اور ہر طرف سے پیاس کی شکایت شروع ہوئی۔ حضرت ﷺ نے ایک تیر اپنے تیردان میں سے نکالکر دیا اور فرمایا کہ اسکو اوس میں رکھدو۔ راوی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اوسمیں پانی جوش مارنے لگا اور اتنا بڑھا کہ لوگ سیراب ہو کر واپس ہوئے انتہیٰ
یہ ظاہر ہے کہ اوس گڑھے کا پانی خرچ ہو گیا تھا۔ اور جب تیر اوس میں رکھا گیا تو

تو پانی کو جوشش ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ تیر کا رکھنا پانی پیدا ہونے کا سبب ہوا اوس حالت کے دیکھنے والوں نے یہی سمجھا ہوگا کہ تیر اوس پانی کا سبب ہوا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ تیر کو پانی کے پیدا ہونے میں کوئی دخل نہیں مگر اس اتصال کی وجہ سے کہ ادھر تیر رکھا گیا اودھر پانی پیدا ہوگیا لوگوں نے اوسکو سبب سمجھا حالانکہ پانی کا پیدا کرنا صرف خدائے تعالیٰ کا کام تھا اوس میں تیر کو کوئی دخل نہیں۔ کل اسباب کا حال یہی سمجھنا چاہیئے کہ سبب کو مسبب کے وجود میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ تخلیقِ خالق عزّ وجل سے اوسکا وجود ہوتا ہے۔ مگر چونکہ سبب کے ساتھ عادتاً مسبب کا وجود ہوتا ہے اس لئے خیال میں یہ بات جمتی ہے کہ سبب کو مسبب کے وجود میں دخل ہے۔ اسی وجہ سے قحط سالی کے زمانے میں پانی مانگا جاتا ہے کیونکہ پانی غلّے کے پیدا واری کا سبب ہے۔ مگر در اصل پانی کو غلّے کے وجود میں کوئی دخل نہیں۔ جس طرح خدائے تعالیٰ پانی کا خالق ہے غلّے کا بھی خالق ہے اور جب بحسب نصوص قطعیہ یہ مان لیا جائے کہ حق تعالیٰ ہر چیز کو لفظ کن سے پیدا کرتا ہے۔ یعنی جسکو موجود کرنا منظور ہوتا ہے اوسکو فرماتا ہے کہ موجود ہو جا وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ غلّہ کے وجود میں پانی کو کوئی دخل نہیں مگر چونکہ یہ عالم عالم امتحان ہے اس لئے حق تعالیٰ نے بعض چیزوں کے پیدا کرنے کے وقت بعض چیزیں

اسباب کا وجود

معیّت کی عادت کرلی ہے مثلاً غلہ پیدا کرنے کے وقت پانی اوس کے ساتھ ہوتا ہے۔ حمل ہونے کے وقت ماں باپ کا اجتماع اسیطرح کل اسباب کو خیال کرلیجئے سب اسباب کا حال ایسا ہی ہے۔ جیسے پانی جوش مارتے وقت تیر کا رکھنا تھا جس میں بظاہر کوئی مناسبت نہیں اس عادت سے یہی غرض ہے کہ وہ لوگ ممتاز ہو جائیں جو ہمیشہ دیکھنے کی وجہ سے اسباب ہی کو مستقل قرار دیتے اور یہ خیال نہیں کرتے کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے کس میں طاقت ہے کہ کوئی چیز پیدا کرسکے عقلمند وہی ہے جو عقل اور ایمان سے کام لے کر حق تعالیٰ کو خالق سمجھے اور چونکہ حق تعالیٰ نے عادت جاری فرمائی ہے کہ ہر کام اسباب کے ساتھ وجود میں آتا ہے۔ اس لحاظ سے اسباب کو بھی بالکل بیکار نہ سمجھے بلکہ دفع تشنگی کے واسطے پانی کی تلاش کرے اور دفع قحط کے واسطے حق تعالےٰ سے بارش کی دعا کرے تاکہ اعتقاد اور مشاہدہ میں سے کوئی بیکار ثابت نہ ہو۔

خصائص کبریٰ میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں ایک روز لوگ سخت پیاسے ہوئے حضرت کے روبرو ایک ڈولچی میں پانی تھا اوس سے حضرت نے وضو فرمایا۔ لوگ اپنی اپنی جگہ خاموش تھے اُن کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا جو وضو نہیں کرتے سب نے عرض کی کہ اس ڈولچی کے پانی کے سوائے کسی کے پاس نہ وضو کے لئے پانی ہے نہ پینے

حضرت نے دست مبارک ڈولچی میں رکھدیا۔ ساتھ ہی حضرت کی انگلیوں سے پانی ایسا جوش مارنے لگا جیسے چشمے سے چنانچہ سب نے پیا اور وضو کیا۔ جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اوس روز کتنے لوگ تھے۔ کہا پندرہ سو آدمی تھے اگر لاکھ آدمی بھی ہوتے تو وہ سب کو کافی ہوتا۔ انتہیٰ۔

اس روایت سے صحابہ کا ادب بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ باوجودیکہ لشکر میں کسی کے پاس پانی نہ تھا اور تشنگی سب پر غالب تھی۔ مگر جب تک حضرت ہی نے نہ فرمایا کسی نے یہ بھی نہ کہا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ کی ادنے توجہ سے سب مصائب دور ہو جاتے ہیں۔ قوم عرب کی جو جہالت تھی کتب تواریخ کے معائنہ سے ظاہر ہے۔ حضرت کی صحبت میں آنے کے بعد اون کی تہذیب کا اندازہ اسی ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ کس قدر مہذب اور مودب ہو گئے تھے۔ یہاں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ وہ سب منتخب افراد تھے۔ کیونکہ جنگ کے موقع میں مہذب لوگوں کا انتخاب نہیں ہوا کرتا بلکہ شجیع لوگوں کا انتخاب ہوا کرتا ہے جو اکثر جنگلی و بدوی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ الغرض فیضان صحبت یہ تھا کہ بدوی بھی اعلیٰ درجے کے مہذب و مودب دیندار خدا ترس ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابیت کی جو فضیلت ہے وہ کسی ولی کو بھی حاصل نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کی ہمراہی کے لئے ایسے ہی حضرات کا

انتخاب فرمایا تھا جو تمام امت سے افضل ہوں۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کنز العمال میں براءؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صحابہ کو تم لوگ گالیاں نہ دو۔ خدا کی قسم اون کا ایک وقت رسول اللہ کے ہمراہ بیٹھنا اور تمہاری عمر بھر کے اعمال سے افضل ہے اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں پر نظر کیا اُن میں سے محمد کو پسند کر کے رسول بنا کر بھیجا۔ پھر تمام لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو اون میں سے برگزیدہ لوگوں کو صحابیت کے واسطے پسند کیا۔

باب فضیلت صحابہ ؓ

مشکوٰۃ شریف میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحابہ کو گالی مت دو۔ اور اگر کوئی اُحد کے پہاڑ برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے تو اُس مُد کے برابر نہیں ہو سکتا جو صحابہ نے خرچ کیا ہے اور نہ آدھے مد کے برابر۔ مُد ایک پیمانہ ہے جو ایک سیر کے اندازہ میں ہوتا ہے۔ اور اوسی میں عبد اللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرتؐ نے کہ میرے بعد صحابہ کو تم اے اہل امت نشانہ نہ بناؤ۔ اونکے ساتھ جو کوئی محبت رکھیگا وہ میری محبت کی وجہ سے ہوگی اور اگر کوئی اون سے عداوت رکھے تو وہ میری عداوت کی وجہ سے ہوگی اور جس نے اون کو ایذا دی مجھے اس نے ایذا دی۔ اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے خدا کو ایذا دی اور جس نے خدا کو ایذا دی تھوڑے عرصہ میں خدا اسے تو لے لیگا

باب ممانعت عداوت صحابہ

اوس سے مواخذہ کریگا۔ انتہیٰ۔
حضرت نے جو وجہ بیان فرمائی کہ صحابہ کی محبت میری محبت کی وجہ سے ہوگی اوس کی وجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں ہزارہا اعلیٰ درجے کے لوگ گذر گئے جن کے حال تمام تاریخوں میں موجود ہیں۔ اون کے ساتھ محبت رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بخلاف صحابہ کے آنحضرت ؐ کے وہ رفیق و مددگار اور منظور نظر تھے۔ اگر آپس میں کسی کو کسی سے بمقتضاے بشریت عداوت تھی تو اوس کی وجہ سے آنحضرت ؐ کی صحابیت سے وہ خارج نہیں ہوسکتے چونکہ صحابیت ایک ایسا رتبہ ہے جو خداے تعالیٰ نے خاص لوگوں کو عطا فرمایا جیسا کہ حدیث شریف سے ابھی معلوم ہوا۔ ذاتی عداوتوں کی وجہ سے نہ کوئی اسلام سے خارج ہوسکتا نہ صحابیت سے یہ عداوت چند روز کے لئے تھی جو یہیں رہ گئی اور اوس عالم میں اس کا کوئی اثر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ خداے تعالیٰ فرماتا ہے ونزعنا ما فی

صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین

لا یمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجین ۵۔ ترجمہ اور نکال ڈالی ہم نے جو اُن کے دل میں تھی خفگی بھائی ہوگئے تختوں پر آمنے سامنے نہ پہنچے گی ان کو وہاں (یعنی جنت میں) کچھ تکلیف اور نہ اون کو وہاں سے کوئی نکالے۔

جب وہ حضرات اس عالم میں دوست اور بھائی بھائی ہو گئے تو اب ہمارا اُن کو نشانۂ ملامت بنانا قطع نظر اس حدیث شریف کے جو ابھی مذکور ہوئی عقلی راہ سے بھی مستحسن نہیں ہو سکتا۔

اب رہی یہ بات کہ کینہ اور عداوت جب پختہ ہو جاتی ہے تو اوس کا نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارے خیالات ہیں اگر خدائے تعالیٰ چاہے تو کچھ بڑی بات نہیں۔ دیکھئے خصائص کبریٰ میں روایت ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے مجھ سے نکاح کا پیام فرمایا میں نے کہا مجھ جیسی عورت سے نکاح نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ مجھ میں صلاحیت نہیں کہ اولاد ہو اور مجھ میں غیرت بہت ہے اور میں عیالدار عورت ہوں۔ حضرت نے فرمایا میں تم سے بھی عمر میں بڑا ہوں اور تم جو غیرت کا حال بیان کرتی ہو اوسکو خدائے تعالیٰ دفع کر دیگا اور عیال کی پرورش خدا اور رسول کے متعلق ہے۔ چنانچہ وہ حضرت کے نکاح میں آگئیں راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے ازواج مطہرات میں وہ ایسی رہتی تھیں گویا وہ اون میں سے ہیں ہی نہیں اور عورتوں کو جو غیرت ہوا کرتی ہے اونہوں نے اپنے میں اوسکو کبھی نہیں پایا۔ انتہیٰ۔

اپنی سوتوں پر غیرت کرنا عورتوں کی فطرت میں داخل ہے اور ام سلمہ کو تو زیادہ غیرت تھی۔ جس کی شکایت انہوں نے پہلے ہی سے کی تھی۔ مگر خدائے تعالیٰ نے اُن سے اس صفت کو دفع کر دیا۔ اسی طرح صحابہؓ سے صفت کینہ کو بھی دفع فرما دیا۔

صفحہ ۱۶۴ ج ۲

ترغیب و ترہیب منذری میں روایت ہے کہ فرمایا نبی صلعم نے کہ ہر مسلمان کی مغفرت ہوتی ہے مگر اُس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی۔ جب کسی مسلمان بھائی سے دشمنی رکھتا ہو اور اوسی میں روایت ہے کہ نصف شعبان کی رات میں سواے مشرک کے سب کی مغفرت ہوتی ہے مگر کینہ رکھنے والے کی مغفرت نہیں ہوتی۔ اس مضمون کے روایات صحاح میں کثرت سے موجود ہیں۔ پھر صحابہ جن کے نفوس قدسیہ تھے اور بہ برکت فیض صحبت نبوی اون کو وہ کمالات اخلاقی وغیرہ حاصل تھے جو کسی ولی کو بھی ہو نہیں سکتے۔ کیا اُن کے نسبت یہ خیال ہو سکتا ہے کہ بغض و کینہ وغیرہ جو اخلاق رذیلہ ہیں اُن میں پاے جاتے ہوں میں خیال نہیں کر سکتا کہ ان اکابر دین پر اس قسم کا دھبہ لگانے کو کوئی مسلمان پسند کریگا۔ اب رہے جنگ وجدال تو وہ تقدیری امور تھے جن کی خبر خود آنحضرت صلعم نے دی تھی۔ جن کا وقوع ضروری تھا۔ اسکا منشا ممکن ہے کہ خطا فی الاجتہاد وغیرہ امور ہوں۔ حضرت علی رضہ نے معاویہ رضہ کی شکایت بھی کی تو ان الفاظ سے کی بغوا علینا اخواننا لفظ اخواننا سے اُسی آیۃ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو ادپر مذکور ہوی یعنی نزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا۔

مشکٰوۃ شریف میں عبد اللہ بن عمر رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو کہ میرے اصحاب کو گالیاں دیتے ہیں تو کہد و لعنۃ اللہ علی شرکم۔ انتہی۔

بہر حال متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ صحابہ کے نسبت پیشگوئی کرنا کیسا نہ علامت، بنانا آنحضرت ﷺ کے خلاف مرضی ہے۔ یہاں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ صحابہ میں جو مخالفتیں ہونے والی تھیں آنحضرت کو اون کا علم نہ تھا۔ کیونکہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ قیامت تک جو واقعات ہونے والے ہیں حضرت نے سب کی خبر دیدی۔

چنانچہ السیرۃ النبوی میں بخاری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حذیفہ ابن الیمان رضؓ کہتے ہیں ایک روز آنحضرت ﷺ نے خطبہ پڑھا اور اوس میں قیامت تک ہونیوالے جتنے واقعات ہیں سب کو بیان فرما دیا۔ مگر بعض لوگ بھول گئے اور بعضوں کو یاد ہے۔ چنانچہ جب کوئی واقعہ پیش ہوتا ہے تو حضرت کا ارشاد ایسے طور پر یاد آجاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی غائب کی صورت کو بھول جائے۔ پھر جب اوسکو دیکھ لیتا ہے تو یاد آجاتا ہے کہ دیکھا ہوا شخص ہے۔

ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز خبر دی کہ بعض امہات المومنین خلیفۂ وقت سے لڑنے کو نکلیں گے۔ عائشہ رضؓ یہ سنکر ہنس پڑیں کہ عورت خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں نکلیگی۔ حضرت نے فرمایا دیکھو کہیں تمہیں نہ ہوں۔ اس کے بعد علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مڑکر فرمایا کہ اگر ان کا کوئی کام تم سے متعلق ہو تو اون کے ساتھ نرمی کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عائشہؓ اور علی کرم اللہ وجہہ سے جب مقابلہ ہوا اور علی کرم اللہ وجہہ کو فتح ہوی تو آپ نے محمد ابن ابی بکر کو جو عائشہؓ کے بھائی تھے ہمراہ

دیکر مدینہ طیبہ کو روانہ فرمایا اور نیز آنحضرت ﷺ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ تم جب بادشاہ ہو جاؤ تو عدل اور نرمی کرنا۔ یہ کل روایتیں اور اس کے سوائے بہت سی روایتیں سیرۃ النبویہ میں معتبر کتابوں سے مروی ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ جو انقلابات صحابہ اور اون کے مابعد ہونے والے تھے سب کو حضرت جانتے تھے۔ اور سب کی خبر دیدی تھی۔ غرضکہ تمام واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھے۔ باوجود اس کے حضرت نے کسی صحابی کو سب و طعن کرنیکی اجازت نہیں دی۔ بلکہ تاکید فرمائی کہ اون کی نسبت بدگوئی مت کرو تو اب مسلمانوں کو کیا ضرور کہ اون گزشتہ واقعات کا خیال کر کے حضرت کے مخالف مرضی کام کے مرتکب ہوں۔

روایت

خصائص کبریٰ میں معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لئے نکلے ایک روز فرمایا کہ کل انشاء اللہ تعالیٰ تم لوگ تبوک کے چشمہ پر ایسے وقت پہونچو گے کہ آفتاب گرم ہو جائیگا جو لوگ وہاں پہونچ جائیں اون کو چاہئے کہ اوس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائیں۔ جب حضرت وہاں پہونچے تو اوس میں تھوڑا پانی تھا۔ حضرت نے اوس کا تھوڑا پانی کسی برتن میں جمع فرما کر اوس میں اپنا منہ اور دونوں ہاتھ دھوئے اور وہ پانی اوس چشمہ میں ڈالدیا۔ فوراً پانی ایسا جوش مارنے لگا کہ اوس کی آواز دور تک سنائی دیتی تھی۔ چنانچہ سب لوگ اوس کا پانی پیکر سیراب ہو گئے۔ پھر آنحضرت

نے فرمایا اے معاذ اگر تمہاری عمر دراز ہوگی تو تم دیکھ لوگے کہ یہ مقام باغوں سے بھرا ہوا ہوگا۔ انتہیٰ

آنحضرت نے جو پانی کو ہاتھ نہ لگانے کے لئے فرمایا اور کسی دوسرے موقع میں بھی اس سے ممانعت فرمائی بلکہ وہاں تو ہاتھ لگانے والوں پر زجر و توبیخ بھی کی گئی جس کا حال اوپر مذکور ہوا۔ اس سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھ لگانے کا کوئی معنوی اثر ہوا کرتا ہے اور یہ اثر حسب حیثیت ہے۔ اچھوں کا اچھا اور بُروں کا بُرا مگر چونکہ وہ اثر محسوس نہیں اس لئے اوس کے قبول کرنے میں بعض عقلوں کو تامل ہوتا ہے۔ لیکن اہل کشف اوسکو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ میزان کبریٰ میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رح جب مسجد میں جاتے اور لوگوں کو وضو کرتے دیکھتے تو مستعمل پانی میں اونہیں محسوس ہوجاتا تھا کہ یہ شخص فلاں قسم کا گناہ کرتا ہے۔ چنانچہ اوسکو تنہائی میں کہدیتے کہ تم فلاں قسم کا گناہ کرتے ہو اوسکو چھوڑ دو۔ چنانچہ اکثر تائب بھی ہوجاتے تھے۔ آخر امام صاحب پر یہ امر شاق ہوا کہ لوگوں کے عیوب پر نظر پڑتی ہے اس لئے دعا کی الٰہی یہ کشف اوٹھالیا جائے۔ چونکہ امام صاحب کو گناہوں کی نجاست پانی میں محسوس ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے پانی کے مسئلہ میں آپ نے نہایت تشدد کیا یہاں تک کہ فقہائے حنفیہ نے دہ در دہ کی شرط لگادی۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت کا دست مبارک جس چیز کو لگ جاتا تھا اوس سے صحابہ برکت حاصل کیا کرتے تھے

چنانچہ بعض صحابہ نے اون تبرکات کو قبر میں اپنے ساتھ رکھنے کی وصیت کی جیسا کہ متعدد روایتوں سے ثابت ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا تعجب نہیں کہ ہمارے دین میں جو مصافحہ مستحسن ہے اوس کی یہ بھی ایک وجہ ہو کہ بزرگان دین کے ہاتھ کی برکت حاصل کیا کریں اور کسی بزرگ کی قبر کو جو ہاتھ لگا کر اپنے منہ پر پھیرتے ہیں یا بوسہ دیتے ہیں غالباً اوس میں بھی یہی مصلحت ملحوظ رکھی گئی ہوگی۔

شفاء قاضی عیاض رح اور اوس کی شرح خفاجی میں یہ روایت ہے کہ ابن عمر رض کو لوگوں نے دیکھا کہ آنحضرت جس مقام پر تشریف رکھتے تھے اوسکو ہاتھ لگا کر اپنے منہ پر پھیر لیا کرتے تھے۔ انتہی۔

ابن عمر رض جیسے جلیل القدر صحابی نے لوگوں کو بتلا کر یہ کام کیا اس سے ظاہر ہے کہ اون کو یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ ہمارے اعتقاد میں یہ بات ہے کہ حضرت کا جسم مبارک تو کیا کپڑے بھی جس مقام میں لگ گئے ہوں وہ مقام متبرک ہو گیا۔ اور اوس کی برکت حاصل کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اپنا ہاتھ اوس مقام پر لگا کر اپنے جسم میں جو مقام اعلیٰ درجہ کا سمجھا جاتا ہے یعنی منہ اوس پر پھیر لیا جائے۔

حلیۃ الاولیاء میں وہب ابن منبہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت گنہگار تھا جس نے سو برس تک حق تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ جب وہ مرگیا تو کسی مزبلہ میں لوگوں نے اُسے پھینکدیا جہاں نجاست ڈالی جاتی تھی

ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اوس شخص کو وہاں سے نکال لاؤ اور اوس پر نماز پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ وہ شخص سو برس تک تیری نافرمانی کرتا رہا۔ ارشاد ہوا کہ یہ سچ ہے لیکن اوس کی عادت تھی کہ جب وہ توراۃ کو کھولتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دیکھتا تو اوس پر بوسہ دیکر اوسکو آنکھوں پر رکھ لیا کرتا تھا اس لئے میں نے اوس کی شکر گزاری کی اور اوس کو بخشدیا۔ اور ستر حوریں اوس کے نکاح میں دیں۔ انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کے نام مبارک کے مقام پر بوسہ دینے کی برکت سے سو برس کا گنہگار جنتی اور مقبول بارگاہ ایزدی ہو گیا۔

حدیث سابق سے ثابت ہے کہ جس مقام پر حضرت کا ملبوس خاص لگا تھا اوس سے برکت حاصل کی گئی اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت کا نام مبارک جس مقام پر لکھا تھا اوس سے برکت حاصل کی گئی۔ اور ادب کی راہ سے اوسکو بوسہ دیکر آنکھوں پر رکھا گیا۔ حالانکہ ذات مبارک سے حروف مکتوبہ کو کوئی تعلق نہیں۔ اگر ہے تو صرف اسی قدر کہ حضرت کی ذات مبارک پر وہ دلالت کرنے والا ہے۔ حالانکہ دال اور مدلول میں کوئی ذاتی مناسبت نہیں ہوتی بلکہ صرف وضع واضع سے یہ دلالت پیدا ہوتی ہے وہ بھی انہی لوگوں کے حق میں جو وضع سے واقف ہوں۔ باوجود اس کے

اوس نام مکتوب سے پوری برکت حاصل ہوئی۔
اسی طرح ملفوظی نام مبارک سے بھی برکت حاصل کی جاتی ہے۔ چنانچہ ہم نے متعدد کتابوں سے انوار احمدی میں نقل کیا ہے کہ جب موذن حضرت کا نام مبارک لے اور سننے والا دونوں ابہاموں کے ناخنوں پر بوسہ دیکر آنکھوں پر رکھے تو آشوب چشم سے اوس کی آنکھیں محفوظ رہینگی۔ اور جو شخص آنکھوں پر ملنے کے وقت یہ دعا پڑھے اللھم احفظ حدقتی ونورھا ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونورھا۔ تو وہ اندھا نہ ہوگا اور ابو العباس رح نے اپنے بھائی فقیہ محمد سے روایت کی ہے کہ ایک بار سخت ہوا چلی جس سے ایک کنکری اون کے آنکھ میں گری ہرچند اوس کو نکالا نہ نکلی اور شدت سے آنکھ میں درد ہونے لگا۔ جب موذن سے اشھد ان محمد رسول اللہ سنا حدیث مذکور پر عمل کیا فوراً آنکھ سے کنکری نکل پڑی۔ انتہی یہ برکت نام مبارک کے الفاظ سے ہوئی جو ناخنوں کو آنکھوں پر ملنے کی وجہ سے تھی۔ منشا اوس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ موذن کے مونہہ سے جو ہوا صوتی نکلی اوس میں وہ ہوا جو حروف نام مبارک سے مکیف تھی سننے والے کے ابہاموں تک پہونچی۔ اوس نے اوس کی یہ تعظیم کی کہ پہلے اوس کو بوسہ دیا اوس کے بعد اپنی آنکھوں پر ملا جس کا اثر یہ ہوا کہ آنکھیں تمام بلیات سے محفوظ ہوگئیں۔ ہرچند یہ بظاہر سمجھ میں نہ آئیگا کہ نام مبارک کا اثر آنکھوں تک

کیونکر پہونچا۔ مگر سائنس میں غور کیا جائے تو اوس کا استبعاد کم ہو سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک آلہ ایجاد ہوا ہے۔ جس سے بغیر تار برقی کے صدہا کوس تک خبر پہونچائی جاتی ہے جتنے دور پر چاہیں وہ آلہ رکھدیں۔ جب ایک آلہ میں مقررہ اشارات عمل میں آئیں تو دوسرے آلہ میں فوراً وہ نمایاں ہو جاتے ہیں یہ سب اندر ہی اندر ہوتا ہے۔ اس مسافت بعیدہ میں کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہوا کے اندر وہ خبر جارہی ہے۔ اسی طرح برکت اوس نام مبارک کی آنکھوں تک پہونچ جاتی ہے۔ غرضکہ جس طرح بحسب اعتقاد ابن عمرؓ آنحضرتؐ کے جسم مبارک کی برکت لباس خاص میں آئی اور لباس کی برکت اوس مقام میں آئی جہاں حضرتؐ تشریف رکھتے تھے اوس کو اونہوں نے اپنے ہاتھوں کے ذریعہ اپنے منہ تک پہونچایا۔ اسی طرح حضرتؐ کے ذات کی برکت نام مبارک میں اور نام مبارک کی برکت ہوا میں آئی۔ اور برکت ہوا بذریعہ ناخن ابہام لبوں اور آنکھوں تک پہونچائی گئی۔ حکماء نے تصریح کی ہے کہ جماع کے وقت عورت کو جس چیز کا تصور ہو اوس شکل کا بچہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک عورت بندر کی شکل کا لڑکا جنی اسی وجہ سے حکماء نے لکھا ہے کہ حکماء و فضلا کی تصویریں اوس وقت عورت کے پیش نظر رہنی چاہئیں تاکہ بچہ ذی کمال اور فاضل ہو۔ اب دیکھئے علوق کے وقت عورت کے خیال میں جس کی صورت ہوگی اوس کا اثر لڑکے میں کیونکر آسکتا ہے۔ خیالی صورت اوّل تو بے اصل محض ہے

پھر اوس کا مقام سر ہے۔ سر سے اتر کر رحم میں وہ صورت کیونکر گئی۔ پھر اسی پر کفایت نہیں۔ بچے کے اعضا ئیے تک اون میں اثر کرتی رہی۔ بلکہ سن شعور تک اندر ہی اندر استعدادِ کمال فراہم کرتی رہی۔ اوس کے بعد تکمیل تک ہمراہ رہکر مماثل اوس حکیم یا فاضل کے بنا دیا جس کو عورت نے تصوّر کیا تھا۔ حکما نے اپنے تجربوں سے ان معنوی تاثیرات کی صحت کا حکم لگا دیا۔ اگر اسی قسم کی تاثیرات تبرکات مذکورہ میں بھی ہوں تو کیا تعجب ہے۔

خصائص کبریٰ میں انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کی اصلاح کی۔ یعنی کم وزائد بالوں کو درست کر دیا۔ حضرت نے اوس کے لئے دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ جَمِّلْہُ یعنی اوس کو زینت دے۔ راوی کہتے ہیں کہ اوس شخص کی ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے مگر اس دعا کی برکت سے پھر سیاہ ہو گئے۔ انتہیٰ۔

اور روایت اوسی میں قتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے حضرت کی اونٹنی کا دودھ دوہا۔ حضرتؐ نے اوس کے حق میں دعا کی اللھم جملہ راوی کہتے ہیں کہ اوس کی ڈاڑھی کے بال نہایت درجے کے سیاہ ہو گئے۔ اور وہ نو ّے سال زندہ رہا۔ مگر ڈاڑھی اوس کی سفید نہ ہوی۔ انتہیٰ۔

یہ امر ظاہر ہے کہ سفید بال عادۃً سیاہ نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ کسی دوا وغیرہ کے استعمال کی وجہ سے بغیر خضاب کے سیاہ ہو جائیں۔ مگر ابتک ایسا کوئی بوڑھا

شخص دیکھا نہیں گیا کہ اوس کی داڑھی سفید ہونے کے بعد سیاہ ہو گئی ہو۔
اس معجزے سے ظاہر ہے کہ بغیر استعمال کسی دوا کے صرف دعا سے جو سیاہ مادہ بالو
مسامات کے پاس آتا تھا اوس کی ماہیت ہی بدل گئی اور بالوں میں جو سفید مادہ
تھا وہ بھی سیاہ ہو گیا۔ بالوں کی تخلیق سے متعلق اطبا نے جو تحقیق کی ہے اوسکا
تھوڑا سا حال بمناسبت مقام یہاں لکھا جاتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ
سفید بالوں کا سیاہ ہو جانا ایک دشوار امر ہے۔ نفیسی سے مستفاد ہے کہ جب
اخلاط میں حرارت اثر کرتی ہے تو اون سے بخارات دخانی اُٹھتے ہیں یعنی اُن
بخارات کے ساتھ دھواں بھی شریک رہتا ہے۔ اور چونکہ بخارات پانی اور
ہوا سے بنتے ہیں۔ اور دخان مٹی اور آگ سے اس لئے اس مادہ میں چاروں
عنصر شریک رہتے ہیں۔ مگر جب وہ مسامات کے پاس آتا ہے تو بدن وغیرہ
کی حرارت سے پانی تحلیل ہو کر اسی قدر باقی رہتا ہے کہ اس مادہ کے اجزا متفرق
نہ ہونے پائیں۔ پھر حسب صلاحیت مسامات وہ مادہ باہر نکلتا ہے جسکا نام بال
رکھا جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ بالوں کے تکوّن میں عناصر اربعہ کو دخل تام ہے
دیکھئے کوئی حصہ بدن کا ایسا نہیں جہاں اخلاط اور حرارت نہ پہونچتی ہو جس کا
مقتضے یہ تھا کہ آدمی سر سے پاؤں تک بالوں سے ڈھپا ہوتا جیسے ریچھ۔ مگر حکمت
بالغہ نے بہت سے اعضا ایسے بنائے کہ وہاں بال اوگ نہیں سکتے۔ مثلاً
آنکھیں۔ زبان۔ ہتھیلیاں۔ تلوے اور عضو تناسل وغیرہ اگر ان مقامات کے مسامات

مثل مسامات سر ہوتے اور اون سے بھی بال اوگتے تو کیسی مصیبتوں کا سامنا تھا۔ ڈاڑھی حالانکہ چہرہ ہی پر ہے مگر اوسی چہرہ کا ایک حصہ ایسا بنا یا گیا کہ اوسمیں بال نہیں ورنہ شناخت کسی کی نہ ہو سکتی۔ بالوں کے بڑھنے کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ وقتاً فوقتاً دخانی بخارات اوٹھتے رہتے ہیں اور جو بخارات مسامات کے پاس ہوتے ہیں اون کو نئے بخارات، ڈھکیل کر باہر نکالدیتے ہیں اور یہی سلسلہ بند ھا رہتا ہے۔ اس لئے بال لانبے ہوتے ہیں۔ یہاں بھی قدرت الٰہی معلوم ہوتی ہے۔ اوّل تو بخار اور دخان مثل ہوا کے نرم ہوتے ہیں۔ اور ایک جگہ ٹھیرے رہنا اون کی طبیعت کے خلاف ہے پھر اون کا اس قدر سخت ہو جانا کہ جن کا توڑنا دشوار ہو ایک حیرت انگیز بات ہے۔ دیکھئے چند بالوں کی رسی بنائی جاے تو آدمی تو کیا ہاتھی کی طاقت سے بھی نہیں ٹوٹتی۔ حالانکہ اگر یہ کہا جاے کہ ہم نے ایسے بخار یا دخان کو دیکھا کہ وہ توٹ نہیں سکتا تو کوئی اوسکو باور نہ کریگا۔ یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ دہنیت ان میں سرایت کرتی ہے اس وجہ سے وہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی کسی قدر مستبعد ہے کیونکہ دہنیت نرم و ملائم کرتی ہے بہر حال اس میں شک نہیں کہ کوئی ایسی چیز اس مادہ میں شامل کردی جاتی ہے کہ اون کو سخت بنائے۔ پھر مادہ کا پے در پے آنا اس کا مقتضے ہے کہ بال مدت العمر بڑھتے رہتے ہیں۔ کیونکہ بخار اور دخان کا اوٹھنا کبھی موقوف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اخلاط اور حرارت مدت العمر فنا

نہیں ہوتے گو آخر عمر میں کم اور کمزور ہو جائیں۔ غرضکہ اخلاط و حرارت سے
بالوں کا مادہ ہر وقت اعضا سے اُٹھتا رہتا ہے تو چاہئے کہ اس سبب بال ہر وقت
بڑھتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بحسب خصوصیت مقام بالوں کے بڑھنے کی ایک
حد معین ہے اگر پلکوں اور ابرو کے بال ہمیشہ بڑھتے رہیں تو آنکھوں پر اندھیر تھا
اور چہرے پر نقاب ہو جائیں حالانکہ وہ بال ایک حد معین تک بڑھ کر
ٹھہر جاتے ہیں۔ پھر اون کو نکال دیں تو بھی اسی حد تک بڑھ کر اون کا نمو موقوف
ہو جاتا ہے اسی طرح ڈاڑھی وغیرہ کا حال ہے کہ جب اپنے سن نمو سے بڑھ کر
سن وقوف کو پہونچ جاتی ہے تو آدمی کے قد کے طرح ایک قد معین ہو جاتا ہے
مگر فرق یہ ہے کہ اس کی قامت اگر کم کر دی جائے تو وہ بڑھ کر قامتِ اصلی
تک پہونچ جاتی ہے اور قامت آدمی میں یہ بات نہیں اس سن وقوف کے
زمانہ میں بالوں کا امدادی مادہ معلوم نہیں کہاں چلا جاتا ہے اگر متفرق ہو کر
دوسرے مساموں سے نکلتا ہے تو چاہئے کہ کترنے کے بعد نہ بڑھے کیونکہ امدادی
مادہ نے اپنے نکلنے کا راستہ دوسرا بنا لیا ہے۔ حالانکہ کترتے ہی بال
بڑھنے لگتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ امدادی مادہ گویا منتظر رہتا ہے کہ
باہر جو اس کے قد کی کمی ہوتی تھی فوراً آ دسکو ڈھکیلتا ہوا حد معین تک پہونچا دے اس سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کو جس حد تک اس کا بڑھنا منظور ہے
بڑھاتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی مقدار اوس کے نزدیک مقرر ہے جیسا کہ ارشاد

وکل شئی عندہ بمقدار اس وجہ سے اندرونی مادہ یا تحلیل ہوجاتا ہے یا کسی دوسرے طرف رجوع کر جاتا ہے۔ مگر یہ طاقت نہیں کہ اوسکو حد معین سے باہر قدم رکھنے میں مدد دے۔ البتہ حد معین تک پہونچانے میں عاقلانہ مدد کرسکتا ہے کیا عقلا کو اس قدر تنبیہ کافی نہیں کہ عاقل غیر عاقل طبعی اور غیر طبعی خدائے تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے۔

یہاں ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے کہ بال بغیر دخان کے نہیں پیدا ہوتے اور دھواں جب تک کوئی مرطوب چیز نہ جلے نہیں نکلتا پھر جلاکر دھواں نکالنا کم درجہ کی حرارت سے ممکن نہیں۔ دیکھئے موسم گرما میں دوپہر کے وقت دھوپ میں کیسی حرارت کی شدت ہوتی ہے۔ مگر کوئی مرطوب چیز اس سے نہیں جلتی اور جب خود حکما کے اعتراف سے مزاج کے حال میں معلوم ہوا کہ آگ کی صورت نوعیہ مزاج میں باقی رہتی ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ صورت نوعیہ حکما کے نزدیک فاعل اور مبدأ آثار ہے جیسا کہ مولانا محمد عبد الحلیم رحمہ نے حل نفیسی میں لکھا ہے کہ مذہب الحکماء ان الجسم یشتمل علی مادۃ وصورۃ جسمیۃ وصورۃ نوعیۃ بہا یتمیز نوع الجسم من نوع اٰخر والمادۃ من شانہا القبول والانفعال والمنفعل لا یکون فاعلا والصورۃ النوعیۃ مبدأ الاٰثار فھو فاعلۃ الخ اور نفیسی میں لکھا ہے فما دامت الصورۃ باقیۃ کانت الکیفیۃ

باقية قوية او ضعيفة اس سے ظاہر ہے کہ آگ کی صورت نوعیہ جو مزاج میں باقی ہے اوس میں کیفیت احراقیہ بھی موجود ہے۔ رہا یہ کہ شاید پانی کے ساتھ ہونے سے وہ ضعیف ہو کر قابل احراق نہ رہی ہو تو اوس کا ابطال اس سے ہو گیا کہ وہ ایسی شدید الحرارت ہے کہ اخلاط مرطوبہ کو جلا کر دھواں نکالتی ہے جس سے بال بنتے ہیں۔ تو بعد اس کے کہ مؤثر اور اثر خود حکما کے قول اور مشاہدہ سے ثابت ہو گئے تو ہمیں اب کوئی ضرورت نہیں کہ از سرِ نو زحمت اٹھا کر آگ کا وجود بدن انسانی میں ثابت کریں پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً کل بدنِ انسان پر بال اوگتے ہیں اور جہاں نہیں اوگتے اوس کی وجہ حکما نے یہ بیان کی ہے کہ وہاں کے مسامات یا تو نہایت باریک ہیں یا کشادہ جس کا مطلب یہ ہوا کہ دخان تو وہاں بھی موجود ہے مگر مسامات میں بال بنانے کی صلاحیت نہیں۔ اور دخان چونکہ بغیر آگ کے پیدا نہیں ہوتا اس سے ظاہر ہے کہ تمام بدن انسانی میں خالص آگ پھیلی ہوئی ہے جس کی صورت نوعیہ میں تغیر تک نہیں آیا۔ کیونکہ جب تقریباً تمام بدن پر بالوں کا اوگنا اور اون کا دھوئیں سے بننا مسلم ہے اور مشاہدہ اور تصریح اطبا سے ثابت ہے کہ دھواں بغیر کسی جلانے والی چیز کے نہیں پیدا ہوتا اور یہ ثابت ہو چکا کہ جلا کر دھواں نکالنے والی چیز بدن میں صرف آگ ہے چنانچہ اوس کا وجود بصورت نوعیہ محققین کی تصریح سے ثابت ہے اور صورتِ نوعیۂ نار کو احراق لازم ہے جس کے ثبوت پر بال دلیل ہیں تو

اس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ آگ تمام بدن میں بھری پڑی ہے جس نے اخلاط کو جلاکر اون سے دھواں نکالا۔ اور اوس سے بال بنے۔ اور بعض مقامات میں مسامات کی عدم صلاحیت کی وجہ سے نہ بن سکے۔ اب غور کیجیے کہ بدن میں خالص آگ موجود ہو اور اوس کے آثار یعنی حرارت وغیرہ بھی موجود ہوں اور وہ بھی کیسی کہ مرطوب چیزوں کو جلاکر اوس کا دھواں جسم انسان میں باہر نکالتی ہے اور اُس آگ میں اور ہمارے بدن میں کوئی چیز حائل نہیں باوجود اس کے ہمیں اوس کا احساس تک نہ ہو کیا یہ قدرت بالغہ نہیں؟ کیا کوئی عاقل اسکا انکار کرسکتا ہے۔؟ اب اگر کوئی دلائل میں غور نہ کرکے ناسمجھی سے کہدے کہ یہ بات عقل میں نہیں آتی تو سوائے اوس کے قصور عقل کے اسکا اور کیا سبب ہوسکتا ہے۔ عقلا کو تو ضرور ماننا پڑیگا کہ جس نے آگ کو جلانے کی قوت دی ہے اوسی نے اس موقع میں جلانے سے اُسے روک دیا۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے سبح اسم ربک الاعلی الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی یعنی پاک سمجھو اپنے رب کے نام کو جو سب سے اعلیٰ ہے جس نے پیدا کیا ہر چیز کو پھر پورا کیا اور معتدل بنایا اور جس نے اندازہ فرمایا پھر راہ بتائی۔ یعنی جس چیز کو جس کام کے لئے پیدا کرتا ہے اوس کو بذریعہ الہام اس کام کی ہدایت بھی فرمادیتا ہے۔ اسی بنا پر آگ کو ہدایت کردی اس موقعہ میں بدن کو نہ جلائے یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ حق تعالےٰ ہر چیز کو پیدا

کرنے کے وقت اوس کے فرائض منصبی اوسے تعلیم کرکے بے فکر ہو جاتا ہو گا۔ نہیں بلکہ اس تعلیم کے بعد بھی اپنا اختیار باقی رکھتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ یفعل اللّٰہ ما یشاء ویحکم ما یرید یعنی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو کچھ ارادہ کرتا ہے اسکا حکم کرتا ہے اور اپنی تدبیر میں کسی کو مداخلت نہیں دی چنانچہ ارشاد ہے یدبر الامر کلہ یعنی کل کاموں کی تدبیر خود ہی کرتا ہے۔ اب کہئے کہ ابراہیم علیہ السلام تھوڑی دیر آگ میں رہے اور اوس نے اون کو نہ جلایا جس کی خبر خدا تعالےٰ نے قرآن میں دی ہے۔ تو اوس کی قدرت کاملہ کے مقابلہ میں کونسی بڑی بات ہو گئی ہم تو عمر بھر دھکتی آگ میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔ اگر اس قدرت کاملہ کو دیکھکر بھی کلام الٰہی پر ایمان نہ لائیں تو بڑے افسوس کی بات ہے۔ یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ بال سفید اور سرخ کیوں نکلتے ہیں۔ اگرچہ حکماء نے اوس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ وہ خون اور بلغم کا اثر ہے مگر اوس سے تشفی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ بال خون اور بلغم سے نہیں بنتے بلکہ اون کا مادہ دخانی بخارات ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ بخارات میں صرف پانی جو بسیط ہے مخلوط ہوتا ہے اور خون و بلغم مرکب ہیں جیسا کہ نفیسی میں لکھا ہے وھو الغذاء بان یترک الصورۃ الغذائیۃ ویقبل الصورۃ الخلطیۃ اولا ثم العضویۃ جس سے ظاہر ہے کہ غذا جو ایک مرکب چیز ہے اپنی صورت کو چھوڑ کر صورت

خلطیہ کو قبول کرتی ہے۔ یعنی خون بلغم وغیرہ بنتی ہے اب اگر رنگ وار ہے تو خلط مرکب ہے یعنی بلغم وغیرہ اس بسیط پانی میں رنگ کہاں سے آگیا۔ یہ تو مشہور ہے کہ پانی کا کوئی رنگ نہیں۔ جیسے میں ملا وہی رنگ دکھائی دیا۔ البتہ جب تک خون یا بلغم میں تھا اون کا ہم رنگ محسوس ہوتا تھا کیونکہ لون الماء لون انائه پھر جب ان سے علیحدہ ہو گیا تو اب ظرفیت کہاں اب تو وہ دخانات کے ساتھ ہے جن کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ کاجل میں محسوس ہے۔ رہا یہ کہ شاید بعد مفارقت بھی ان اخلاط کا رنگ باقی رہ گیا ہو سو یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔ دیکھئے قرنبیق میں مختلف رنگوں کی چیزیں ڈالی جاتی ہیں مگر عرق جو بخارات کا نچوڑ ہے اوس میں کوئی رنگ نہیں آتا۔ پھر یہ بھی ابھی معلوم ہوا کہ پانی حرارت بدن وغیرہ سے تحلیل ہو کر اوسی قدر رہ جاتا ہے جو اجزاے ارضیہ کو متفرق نہ ہونے دے پھر جب وہ مسامات سے باہر نکل آئے تو رہا سہا پانی بھی ہوا ہو گیا۔ غامض نظر سے دیکھا جائے تو بال صرف جلے ہوے اجزاے ارضیہ معلوم ہونگے اور باقی عناصر اون کے لئے واسطہ فی الثبوت بناے گئے ہیں۔ حکمت بالغہ مقتضی ہوئی کہ وہ جلے ہوے اجزاے ارضیہ کسی طرح باہر نکل کر آرایش و آسایش بدن بنیں آگ نے اپنی حرارت سے مقامی بخارات کو اُٹھایا جنہوں نے اون لطیف اجزا کو اپنے ہمراہ لیا۔ ہواے بخاری اون کو اوڑ پر لائی۔ پانی نے اون کو متفرق ہونے سے روک کر جہاں تک اون کا پہونچانا

مقصود تھا ہاتھوں ہاتھ پہونچا دیا۔ اس کے بعد وہ بدرقہ رخصت ہو گیا۔ غرضکہ
خون یا بلغم کا رنگ اون مین شریک رہنا قرین قیاس نہین۔ پھر اون اخلاط کا
رنگ بالون کے مادے مین ہو تو چاہیئے کہ امدادی مادہ بالون کی جڑ ہی کی طرف سے
رنگین کرتا ہوا ایک مدت دراز مین اون کے سرون تک پہونچے حالانکہ ہم دیکھتے
ہین کہ جو بال سفید ہوتا ہے وہ تھوڑے ہی عرصہ مین پورا سفید ہو جاتا ہے پھر اگر
اوس قسم کا مادہ تسلیم بھی کیا جاے تو اون بالون کی نسبت خیال کیا جاوے گا
جو ہنوز اپنے سن نمو مین ہین اور جو اپنے سن وقوف کو پہونچ گئے اون کی نسبت
تو اوس کا خیال بھی نہین آسکتا۔ اس لئے کہ ابھی معلوم ہوا کہ اُن کے سن وقوف
کے بعد امدادی مادہ کسی دوسری راہ سے نکل جاتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے
کہ ڈاڑھی وغیرہ کے سیاہ بال اگر نہ کترے جائین تو کبھی سفید نہ ہوان۔ جب تک
سب جھڑ کر نئے سرے سے نہ اوگین اور یہ نہایت نادر الوقوع ہے اس لئے
کہ ڈاڑھی وغیرہ مین ہزارہا بال ہوتے ہین۔ اور اون کی جڑین ایسی مستحکم
ہین کہ اُکھاڑنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ بغیر کسی خاص مرض کے عموماً وہ خود
بخود نہین جھڑتے اور اگر کسی صدمہ سے جھڑ بھی گئے تو معدودے چند جو کسی
شمار مین نہین حالانکہ ہم گھن ڈاڑھی کے بالون کو دیکھتے ہین کہ نہ انہین
اون مین کنگھی کی جاتی ہے نہ کوئی مرض ہے اور وہ سفید ہو جاتی ہے۔ غرض کہ
ان امور سے سخت حیرانی ہوتی ہے کہ ان کے کیا اسباب ہونگے۔

حکما نے بالوں کے مسئلہ میں بہت سی موشگافیاں کین - چنانچہ حکیم محمود صمدانی صاحب نے اس باب میں ایک رسالہ ہی لکھا ہے - ممکن ہے کہ کوئی تسکین بخش تحقیق اونکو حاصل ہوئی ہو - مگر مین اپنی کہتا ہون کہ بہت کچھ اس باب مین غور کیا اور حکما کے اقوال سے مدد لی مگر مجھے توکوئی اطمینان بخش تحقیق نصیب نہ ہوی جس سے مین سمجھ گیا کہ جب ایک بال کی حقیقت مین یہ اُلجھنین پڑی ہوی ہین تو آئندہ کیا امید کہ بدن انسانی کے طلسمات پر مطلع ہو سکون - اور ایک مین ہی کیا بڑے بڑے عقلا حیران ہین جس پر کھلی دلیل یہ ہے کہ جس مسئلہ مین دیکھئے حکما کا اختلاف ہے - اسی کو دیکھ لیجئے کہ صرف ہمارے ملک مین تین قسم کی طب مدون اور رائج ہے - یونانی - مصری - ڈاکٹری جن کے اصول باہم متخالف ہین حالانکہ سب کا تعلق اسی بدن انسانی سے ہے اگر اس کا راز ممکن الحصول ہوتا تو بڑے بڑے حکما اس اختلاف مین کیون پڑے رہتے سرسری نظر مین بال ایک جلا ہوا سیاہ مادہ دکھائی دیتا ہے جو بدن سے باہر نکالدیا گیا ہے مگر درحقیقت منظور الٰہی تھا کہ جسم انسانی کو زیور سے آراستہ پیراستہ کرے اس لئے اہتمام کیا گیا کہ موقع موقع پر مثل زیور کے مختلف مقامات ان کے لئے مقرر کئے گئے اور انکو مرغوب طبائع بنایا یہ کون نہیں جانتا کہ ابرو کے کرشمہ شمشیر و خنجر کا کام کرتے ہیں مژگان ناوک سنان سے کم نہیں - زلفین وارفتہ طبیعتون کے حق مین دام ہین توضیح اسکی اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک معشوقہ نہایت حسین ہو اوسکی دو حالتیں

فرض کی جائیں ایک یہ کہ ابرو و مژگان۔ خط و خال وغیرہ سلامت ہوں مگر لباس فاخرہ اور زیور سے عاری۔ معمولی لباس میں جلوہ گر ہو۔ دوسری یہ کہ لباس نہایت فاخرہ اور زیور نہایت بیش بہا زیب بدن ہو۔ مگر پلکیں اور ابرو و اور سر کے بال مونڈ وادے جائیں اب غور کیجئے کہ ان دو حالتوں میں سے کونسی حالت اس قابل ہو گی کہ حسن کا اطلاق اُس پر ہو۔ وجدان صحیح تو یہی گواہی دیتا ہے کہ بالوں کے ساتھ حسن بھی رخصت ہو جائے گا۔ کیوں نہ ہو حسن عارضی کو حسن خداداد سے کیا نسبت اگرچہ یہ حسن تناسب اعضا اور خط و خال اور خاص قسم کی شکل اور رنگ وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے جو صرف اعتباری امور ہیں اگر عقل سے دیکھے جائیں تو انکو دلربائی سے کوئی تعلق نہیں مگر کسی عاشق سے کہا جائے کہ ان اعتباری امور پر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا خلاف عقل ہے اور اُس کے ساتھ ویسی ہی دلائل بھی قائم کئے جائیں۔ کہ اعتباری امور پر واقعی آثار کا مرتب ہونا قرین قیاس نہیں تو اس سے اس کے عشق میں کوئی فرق نہ آئے گا بلکہ وہ یہی کہے گا کہ حضرت یہ ایک وجدانی امر ہے جو آپ کو حاصل نہیں اس نے عقل کو ایسا مقہور کر دیا کہ وہ دم مار نہیں سکتی اس سے ظاہر ہے کہ وہ اعتباری امور خاص طبیعتوں میں حسن کا احساس پیدا کرتے ہیں پھر طرفہ یہ کہ عاشق مزاجوں کے وجدان بھی جدا گانہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے (لیلیٰ را بچشم مجنون باید دید) پھر ہر ملک کا حسن بھی جدا ہے جبش میں موٹے موٹے ہونٹ اور بھیڑ کی وضع کے چھوٹے

چھوٹے بال اور سیاہ چہرہ توے کا ہم رنگ حسن ہے جسکو یورپ اور ایشائی طبائع پسند نہین کرتے پھر وہی نازنین جو عنفوان شباب مین دلیر اور دلربا سمجھی جاتی تھی پچاس ساٹھ سال کی عمر مین قابل نفرت ہو جاتی ہے حالانکہ صورت و شکل تقریباً وہی باقی ہے۔اب غور کیجئے کہ وجدان عاشق اور شکل معشوق مین کس چیز نے ربط دیا جس سے وہ اوس کا دل دادہ ہے اور دوسرون کو کوئی تعلق نہین۔کیا عقل سے اسکا تصفیہ ہو سکتا ہے؟ کہ فلان قسم کے خط و خال اور شکل و شمائل کے ساتھ فلان قسم کی طبیعت مثلاً سوداوی صفراوی وغیرہ کو مناسبت ہوتی ہے۔ہرگز نہین۔پھر طرفہ یہ کہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ حسینون کو دیکھنے سے قواے شہوانیہ کو حرکت ہوتی ہے۔حالانکہ کجا چہرہ اور کجا مقام مستور اس جھوانی خیالات کی تحریک مین حسن صورت کو کیا دخل۔عقلاً زشت و خوب دونون اس باب مین برابر ہین حالانکہ حسن سے اوسکو خاص تعلق معلوم ہوتا ہے۔اسی وجہ سے ہماری شریعت مین اجنبی عورت کو دیکھنے کی اجازت نہین۔اور عورتون کو پردہ کرنے کا حکم ہی تاکہ نظر سے فسق و فجور کی سلسلہ جنبانی نہونے پاوے۔مقتضاے عقل تو یہ تھا کہ جب چہرہ اچھا معلوم ہوا تھا تو اوس کے دیکھنے سے سیری ہوتی۔اور کسی دوسری طرف خیال نہ جاتا۔جیسا کہ بعض بزرگون کا حال تھا کہ مشاہدہ حسن و جمال مین ایسے مستغرق ہو جاتے کہ کسی دوسری بات سے اون کو تعلق ہی نہ ہوتا۔غرض جن طبائع مین حیوانی خیالات جوش زن ہوتے ہین حسن صورت کا پہلا اثر قلب پ

پڑتا ہے جس کا واسطہ آنکھیں اور وجدان حسن ہے جس سے محبت وعشق پیدا ہوتا ہے۔ پھر قوائے نفسانیہ پر یہ اثر ہوا کہ دماغ مختل اور قوائے فکریہ بیکار ہو گئے۔ اور جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر قوائے شہوانیہ میں ہیجان پیدا ہوا جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ چند قطرہ خاص فضلہ کے نکل کر سب کو ٹھنڈے کر دے۔ اب نہ وہ حسن ولفریب ہے نہ وہ جوش محبت نہ وہ آہ وزاری وبیقراری نہ وہ دیوانگی نہ وہ ہیجان۔ اگر ان امور کے روابط باہمی دیکھے جائیں تو عقل سے کوئی تعلق ثابت نہ ہو گا۔ اور نہ مبادی اور مقاطع میں کوئی ایسی مناسبت پائی جائیگی جس کو عقل تسلیم کر سکے۔ آخری فیصلہ اسی پر ہو گا کہ خالق طبیعت نے اقسام کے میل اس میں رکھے ہیں جن میں بعض عام ہیں جیسے میل غذا وغیرہ۔ ان میلانوں میں مادی کو کوئی دخل نہیں اس لئے کہ مادہ سے فقط اعضائے جسمانی بنتے ہیں۔ اور یہ میول طبیعت سے متعلق ہیں جس کا تصفیہ اب تک نہیں ہوا کہ وہ کیا چیزیں ہیں۔ بہرحال بال انسان کے زینت کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ورنہ حیوانوں کی طرح سے سر سے پاؤں تک ہوتے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر خاص خاص قسم کی وضع ترکیب نہ ہوتی۔ دیکھئے سر اور ابرو کے بالوں میں پیشانی کا فاصلہ ہے۔ حالانکہ بظاہر پوست ایک قسم کا ہے مگر پیشانی پر نہیں اُگتے۔ جیسے تھوڑے فاصلہ پر پلکیں ہیں پھر مرد اور عورت میں فرق کرنے کے لئے مردوں کو ڈاڑھی مونچھیں دی گئیں اور جس طرح سر کے بال عورتوں کی زینت ہیں۔ ڈاڑھی

موچھیون سے مردون کی زینت ہے۔ اگرکسی کو ڈاڑھی نہ نکلے تو اوس کا چہرہ بدنما معلوم ہوتا ہے۔ اور کیسا ہی فاسق کیون نہ ہو ڈاڑھی کے نہ نکلنے کا اوسکو قلق ہوتا ہے اور باوجودیکہ ایسے دوائین موجود ہین کہ اون کے لگانے سے بال نہین اوگتے مگر ڈاڑھی مونڈوانے والے اون کا استعمال کرکے ہمیشہ کے لئے بے فکری حاصل کرلیتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کی ضرورت وہ بھی سمجھتے ہین خیالی ہی کیون نہ ہو۔ الحاصل بالون کا زینت انسانی ہونا ہر طرح سے مسلم ہے اسکے سوا معلوم نہین کہ خالق عزوجل نے اون مین کیا کیا فوائد رکھے ہین۔ حکما نے اپنے تجربون سے ایک فائدہ بالون کا یہ بھی بتایا ہے کہ وہ آدمی کی اندرونی حالت اور اخلاق پر مطلع کرتے ہین چنانچہ علم قیافہ مین لکھا ہے کہ وہ اون امور پر دلالت کرتے ہین۔ خوش خلقی۔ بدخلقی۔ قوت۔ جرأت۔ شجاعت۔ تہور۔ جبن۔ خونریزی۔ تکبر۔ ظلم۔ بدنیتی۔ دناءت۔ خبث باطنی۔ بدنفسی۔ نیک نفسی حسن و قبح طبع۔ غفلت۔ حماقت۔ کم ہمتی۔ کج فہمی۔ ذکاوت۔ وہم۔ جنون اختلاط ذہن۔ بدگمانی۔ مکاری۔ زنانگی۔ کثرت شہوت۔ عیاشی۔ بخل۔ حرص بیحیائی۔ لہو و لعب۔ استہزاء۔ طلاقت۔ و عدم طلاقت۔ لسان۔ لاف گزاف وغیرہ جن کو فن قیافہ مین مہارت تامہ حاصل ہے وہ صرف بالون کے حالات کو دیکھکر ان اخلاق باطنی پر مطلع ہوتے ہین۔ غور کیجئے کہ کیسی قدرت کاملہ ہے کہ بال بال اوس کی صنعت بالغہ پر گواہی دے رہا ہے اس کے سوا

خدا جانے اور کیا کیا مصلحتین پیش نظر ہین جن کا حال خدا ہی جانتا ہے۔ منجملہ اون کے ہین بظاہر یہ مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ اون سے بچاؤ گرمی سردی وغیرہ کا بھی ہوتا ہے پلکون کے بال ایسے وضع قطع کے بنائے گئے ہین کہ گرد وغبار وغیرہ اوپر اور نیچے سے نہ جاسکے باوجود اس پردہ ہونے کے بصارت کو وہ نہین روک سکتے۔ غرض کہ غائر نظر سے یہ معمولی چیزین دیکھی جائین تو خدا تعالی کی کمال حکمت وقدرت وغیرہ صفات کا ثبوت آدمی کو مل سکے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم لوگ اپنے دھندون مین ایسے لگے ہوے ہین کہ وہان تک نوبت ہی نہین آتی۔ اگرچہ یہ بحث موضوع کتاب سے متعلق نہین مگر مقاصد الاسلام سے ضرور متعلق ہے اس لئے ضمناً لکھدی گئی۔

خصائص کبریٰ مین روایت ہے کہ زیاد ابن عبداللہ حضرت کی خدمت مین حاضر ہوے۔ آپ نے اون کے لئے دعا کی اور دست مبارک اُن کے سر اور چہرہ پر پھیرا۔ بنی ہلال کہتے ہین حضرت کے دست مبارک کی برکت اُن کے چہرے مین نمایان تھی۔ اور اُن کا چہرہ پر نور چمکتا تھا انتہی۔

دیکھئے دست مبارک کی برکت جو ایک معنوی چیز تھی اون کے چہرے پر نمایان ہوگئی اور غیر محسوس امر محسوس ہوگیا جب اس عالم مین غیر محسوس امر محسوس ہوگیا تو قیامت کے روز اسکا محسوس ہونا ہر گز قابل استبعاد ہو نہین سکتا۔ اور جب برکت انکے مرنے تک محسوس ہوتی رہی تو قیامت کے روز یقیناً اُس مین اور بھی برکت ہوگی۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ بسرہؓ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ میرے ہاتھ کی پیٹھ پہ ایک رسولی سوی ہے جس کی وجہ سے میں اپنی اونٹنی کی مہار تھام نہیں سکتا۔ حضرت نے ایک پیالہ منگوایا اور رسولی پر اوسکو مارکر دست مبارک اوس پر پھیرنے لگے تھوڑی دیر میں وہ جاتی رہی انتہیٰ۔

تھوڑے عرصہ میں رسولی کا دفع ہوجانا مشکل کام ہے اکثر اطبا اوس کے علاج سے عاجز رہتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اوس کے لئے ایک خصوصیت عطا ہوتی ہے کہ جو چیز وہ چاہے موجود ہوجائے چنانچہ کل جنتیوں کو ایک خصوصیت عطا ہوگی۔ اس کا مقتضٰے یہ کہ ادھر کسی چیز کی خواہش ہوئی ادھر اوس کا وجود ہوگیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کن عطا ہوتا ہے۔ یعنی کسی چیز کے وجود کا خیال و ارادہ کرنا گویا کن کہنا ہے۔ جس کے ساتھ ہی وہ موجود ہو جاتی ہے۔ اس کی تصریح حضرت غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الغیب میں فرمائی ہے

خصائص کبریٰ میں عبدالرحمن ابن ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ حکم ابن عاص حضرت کے پاس بیٹھتا جب حضرت کچھ کلام فرماتے اپنے چہرے کے پوست کو پھڑکاتا۔ حضرت نے فرمایا کن کذالک مرتے تک اوس کی حالت یہی رہی کہ اوس کا چہرہ ہمیشہ پھڑکتا تھا۔ انتہیٰ۔

خصائص کبریٰ میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص پیچھے کھڑا ہو کر چڑھانے لگا حضرت نے فرمایا کن ا ا لک فکن یعنی ایسا ہی ہوجا۔ ساتھ ہی وہ گر گیا۔ دو مہینے تک فریش رہا اور جب افاقہ ہوا تو اوسکا چہرہ ویسا ہی ہو گیا جو چڑھانے کے وقت تھا۔ انتہیٰ۔ دیکھئے صاف لفظوں میں حضرت نے کن فرمایا اور حضرت نے جو ارادہ فرمایا وہ وقوع میں آگیا۔

خصائص کبریٰ میں ابو رحبی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت کسی انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے اس وقت وہ باغ کو پانی دیرہے تھے حضرت نے فرمایا اگر میں تمہارے پورے باغ کو پانی دوں تو تم مجھے کیا دو گے انہوں نے کہا میں بہت کوشش کیا کرتا ہوں کہ اوسکو سیراب کروں مگر نہیں ہوسکتا۔ حضرت نے فرمایا اگر میں اوسکو سیراب کروں تو کیا تم سو کھجوریں دو گے؟ اونہوں نے قبول کیا۔ حضرت نے ڈول لیا اور تھوڑی دیر میں کل باغ میں پانی پہونچا دیا۔ یہانتک کہ وہ انصاری کہنے لگے کہ بس کیجئے میرا باغ ڈوب گیا۔ حضرت نے اون سے کھجوریں لیکر آپ بھی کھائیں اور صحابہ کو بھی کھلائیں۔ یہاں تک کہ سب سیر ہوگئے اون کی وہی سو کھجوریں جو لی تھیں واپس کر دیں۔ انتہیٰ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے کام پر اجرت لی ہے کیونکہ باغ کو سینچا اور اس کے معاوضہ میں چھوہارے لئے۔ اور یہ صرف ضرورت کے لحاظ سے تھا

اس کے سوا اور روایات سے بھی ثابت ہے کہ ضرورت کے وقت حضرت
اس قسم کی مزدوری کر لیتے تھے اور یہ کچھ عیب نہین۔ ہان بلا معاوضہ کوئی چیز مانگنا
اور لینا البتہ عیب ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل ما اسالکم علیہ
من اجر الا من شاء ان یتخذ الیٰ ربہ سبیلا۔ یعنی کہو اے
محمدؐ کہ مین اس پر تم سے کوئی مزدوری نہین مانگتا۔ البتہ ایسے شخص کو مانگتا ہون
جو اپنے پروردگار کی طرف جانے کا راستہ لینا چاہتا ہے۔ انتہیٰ۔
خدا کے تقرب کا راستہ چلنے والے پہلے تو یونہی کم ہوتے ہین۔ اوس پر اگر کوئی
آنا چاہتا تو کفار اوس کو روکدیتے۔ اور حضرت سے ملنے ہی نہ دیتے۔ آپ
نے دیکھا ہوگا کہ جو واعظ کچھ مانگتا ہو اور قوم پر اوس کی یہ حالت ظاہر ہو جائے
تو لوگ اوس کے وعظ مین بہت کم شریک ہوتے ہین۔ اس لئے کہ پیسہ دینا
آدمی پر بہت شاق ہوتا ہے۔ خصوصاً ایسے موقع مین کہ معاوضہ کچھ بھی نہ ملے
اس لئے حضرت نے پہلے ہی فرمادیا کہ مین تم سے کسی قسم کی مزدوری نہین مانگتا
اور اوسکو عملاً بھی ثابت کر دکھایا۔ اس طریقہ سے کہ آپ نے گزران ایسی رکھی
کہ تمول کی اوس مین ضرورت ہی نہ ہو۔
المواہب اللدنیہ مین کتب معتبرہ سے روایتین لکھی ہین کہ متواتر کئی کئی روز ایسے
گزر جاتے تھے کہ آنحضرتؐ اور آپ کے گھر والون کو فاقہ ہوتا۔ عائشہ رضؓ کہتی ہین
کہ آنحضرتؐ کی زندگی بھر مین کبھی ایسا اتفاق نہین ہوا کہ ایک روز مین دو قسم کی

(حاشیہ: حالِ بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم)

چیزین آپ سیری سے کہاے ہون۔ اگر کھجورین ملین تو اوسی پر اکتفا کیا۔ اور جو کی روٹی مل گئی تو وہی کھالی۔ نعمان ابن بشیرؓ کہتے ہین کہ مین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ ردی اور کم درجہ کی کھجور بھی آپ کو کبھی اتنی نہ ملی کر پیٹ بھر کر کھاے ہون۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہین کہ دو دو تین تین چاند یعنی مہینے ایسے گزر جاتے تھے کہ ہمارے یہان چولھا سلگنے کی نوبت نہ آتی۔ صرف پانی اور کھجور پر گذر تھی۔

شفائے قاضی عیاض مین ہے کہ اکثر یہ ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ بھوک کی وجہ سے رات بھر پیچ وتاب کھاتے رہتے تھے۔ اور باوجود اس کے دن کو روزہ رکھتے مین حضرت کی یہ حالت دیکھکر بے اختیار رو دیتی اور شکم مبارک پر ہاتھ پھیرتی ایک بار عرض کی یارسول اللہ مین آپ پر فدا ہون۔ آپ دنیا سے اتنا تو رکھئے جو بقدر کفاف قوت ہوسکے۔ فرمایا مجھے دنیا سے کیا تعلق میرے بھائی جو اولوالعزم پیغمبر تھے اس سے زیادہ سختیون پر صبر کرے۔ اور اسی حالت سے اپنے رب کی طرف گئے اور اوس نے اون کا اکرام کیا اور اون کو اوس کے عوض مین بڑی بڑی نعمتین دین۔ مجھے شرم آتی ہے کہ مین مرفہ الحالی سے زندگی بسر کرون اور کل اون سے کم درجہ رہون۔ کوئی چیز مجھے اس سے زیادہ محبوب و مرغوب نہین کہ مین اپنے بھائیون اور دوستون اور رفیق اعلیٰ سے مل جاؤن۔

کنز العمال میں روایت ہے کہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ بیٹھ کر آپ نماز ادا فرما رہے ہیں میں نے اوس کا سبب پوچھا۔ فرمایا بھوک کی وجہ سے اے ابوہریرہ یہ سنکر میں بے اختیار رونے لگا حضرت نے فرمایا مت رو جو شخص بہ نیت اجر بھوکا رہے قیامت کی سختی سے وہ محفوظ رہے گا۔

ابوطلحہؓ کہتے ہیں ایک روز ہم نے آنحضرتؐ سے بھوک کی شکایت کی اور ایک ایک پتھر پیٹ پر بندھا ہوا دکھلایا۔ حضرت نے کپڑا اوٹھا کر دکھلایا کہ دو پتھر شکم مبارک پر بندھے ہیں انتہیٰ ملخصاً۔

اس مقام میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھنے سے بھوک کم نہیں ہو سکتی۔ بظاہر یہ درست معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہ فعل بے فائدہ ہو۔ عرب کی عادت تھی کہ جب بہت بھوکے ہوتے تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔ جب تک کہ کچھ نہ کچھ فائدہ اس میں نہ دیکھا ہو ممکن نہیں کہ ایک قوم ایسے فضول کام کی مرتکب ہوئی ہو۔ معترض صاحب پیٹ بھرے ہیں۔ وہ کیا جانیں کہ بھوک جب شدت سے لگتی ہے اور آدمی بیتاب ہو جاتا ہے اوس وقت کی کیا حالت ہوتی ہے اور کیا سوجھتی ہے کم سے کم یہ مصلحت ضرور ہے کہ جب پیٹ خالی ہو جاتا ہے تو آدمی سیدھا کھڑا ہو نہیں سکتا اس لئے پتلا سا پتھر باندھ لیتے ہوں گے۔ تاکہ قامت میں خمیدگی

نہ آنے پائے۔ انتہا درجہ کی بھوک کے وقت پیٹ پر پتھر باندھا جاتا ہے۔ یہاں
یہ بھی ایک خیال پیدا ہوتا ہے کہ انصار مہاجرین کے ساتھ کمال ہمدردی
سے پیش آئے۔ یہاں تک کہ اپنا آدھا مال دے دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی
حالت ایسی کیوں رہی اسکو یوں دفع کر سکتے ہیں۔ کہ حضرت کا فقر اختیاری
تھا چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے جو المواہب اللدنیہ میں ابن عباس
سے ہے کہ ایک روز آنحضرت اور جبرئیل مکہ معظمہ میں صفا پر تھے حضرت نے
اون سے فرمایا کہ قسم ہے اوس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا
شام کو آل محمد کے پاس ایک مٹھی آٹا اور ایک ہتیلی بھر ستو بھی نہیں ہوتا۔ یہ کلام
پورا ہونے نہیں پایا تھا کہ آسمان سے ایک سخت آواز آئی۔ جس سے حضرت گھبرا گئے
اور اون سے پوچھا کہ کیا قیامت قائم کرنے کا حکم آگیا ہے؟ کہا نہیں اسرافیل
کو آپ کے پاس آنے کا حکم ہوا ہے چنانچہ وہ آگئے اور کہا کہ جو آپ نے ذکر
کیا وہ خدائے تعالےٰ نے سنا اور آپ کے پاس مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں
دیکر بھیجا ہے اور حکم فرمایا کہ میں آپ پر یہ پیش کردوں۔ اور تہامہ کے
پہاڑوں کو زمرد اور یاقوت اور سونا اور چاندی بنا دوں۔ اگر آپ اس پر
راضی ہیں تو ابھی ایک کام کر دیتا ہوں۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ چاہیں نبی
یا دشاہ بنیں یا نبی بندے۔ جبرئیل نے آپ کو اشارے سے کہا کہ تواضع اختیار
کیجئے۔ حضرت نے اون سے کہا کہ میں نبی بندہ بنا چاہتا ہوں۔ انتہی۔

جب آپ کی ایسی حالت تھی تو طبع غیور کیونکر گوارا کر سکتی ہے کہ آپ اپنی معیشت کا بار انصار پر ڈال دیں۔ اس لئے جب سخت ضرورت ہوتی تو مزدوری کر لیتی اور ہدیہ اور دعوت بھی قبول فرما لیتے۔ بہرحال متعدد و صحیح صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ جس طرح آپ اور آپ کے اہل بیت و ازواج مطہرات نے گزران کی کوئی دنیا دار ایسی گزران نہیں کر سکتا۔

اور حضرت کے لباس مبارک کا یہ حال تھا مواہب میں مذکور ہے کہ کبھی چادر اوڑھ لیتے اور کبھی سیاہ کمبل اور کبھی کرتا زیب بدن فرماتے۔

اور انس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ صوف پہنا کرتے تھے اور ایک چادر پیوند لگائی ہوئی تھی۔ جس کو پہنتے اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں۔ جس طرح غلاموں کا لباس ہوا کرتا ہے۔ میں بھی ویسا ہی پہنتا ہوں۔ یہ لباس کا حال تھا۔ السیرۃ النبویہ میں حفصہؓ سے روایت ہے کہ حضرتؐ جس بچھونے پر آرام کرتے وہ موٹی کمبل تھی۔ اور کبھی چارپائی پر آرام کرتے جو بان سے بنی ہوتی جس کا اثر جسم مبارک پر نمایاں ہوتا۔

اب مکان کا حال سنئے۔

خلاصۃ الوفا وغیرہ میں لکھا ہے کہ حجرۂ مبارک کی یہ کیفیت تھی کہ جلانے کی چند لکڑیاں گاڑ دی اور اون سے کمبلوں کو باندھ دیا گیا تھا۔ وفات شریف تک حضرتؐ کا یہی خاص دولت سرا رہا۔ اور جو ازواج مطہرات کے حجرے تھے

حضرتؐ کے لباس کا حال

اُن میں چار حجروں کی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں ۔ اور چھت کھجور کی شاخوں کا چھپر کہگل کا گلابہ کردیا گیا تھا ۔ اور پانچ حجروں کو تو دیواریں بھی نہ تھیں صرف کھجور کی شاخیں گاڑ کر اُن پر گلابہ کردیا گیا تھا ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اُن کی بلندی اتنی تھی کہ میرا سر اُن کی چھت کو لگتا تھا ۔ اور اُن کے دروازوں پر تین ہاتھ طول اور ایک ہاتھ عرض کے پردے کمبل کے پڑے رہتے تھے ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت کے زمانے میں صاحبزادے کم سن تھے جب اُن کا سر چھت کو لگتا تھا تو اُس سے ان محلسرادں کے ارتفاع کا اندازہ ہوسکتا ہے ۔ یہ خاص حضرت کے اور ازواج مطہرات کے دولت خانے تھے جن میں عمر بھر گزران کی ۔ آدمی کے لئے کھانا کپڑا مکان ضروریات سے ہیں اور جس قدر روپیہ زیادہ صرف ہوتا ہے اسی میں ہوتا ہے ۔ بلکہ آدمی انہی اُمور میں ترفہ حاصل کرنیکی غرض سے اقسام کی مشقتیں اُٹھاتا ہے ۔ حضرت کے طرز عمل نے یہ ثابت کردکھایا کہ مال و دولت حاصل کرنیکی کوئی ضرورت نہیں ۔ کیونکہ جو امر یہاں پیش نظر ہے وہ اسی قدر ہے کہ حضرتؐ کو دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا جس سے لوگوں کو ما اسئلکم علیہ من اجر کا مشاہدہ ہو جائے ۔ کثرت ازواج سے اس مضمون کی اور زیادہ تائید ہوتی ہے کہ باوجود اسقدر عیالداری کے کسی پر بار نہیں ڈالا گیا ۔

السیرۃ النبویہ میں عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ حضرت کی وفات تک

کبھی ایسا نہ ہوا کہ خود بدولت یا ازواج مطہرات جو کی روٹی سے بھی سیر ہوئے ہوں انتہیٰ
شاید کسی بیوی کا خیال آرائش و زینت کی طرف متوجہ ہوا ہوگا جو خاطر غیور
سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بار ہونے کا باعث تھا ساتھ ہی یہ آیہ شریفہ
نازل ہوئی یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ
الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلا ۰ و
ان کنتن تردن اللہ و رسولہ و الدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنت
منکن اجرا عظیما ۰ اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو اگر تمکو دنیا کی زندگی اور اُس کی آرائش
منظور ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلاکر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں
اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہوں تو اللہ تم میں سے
نیکبختوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ انتہی۔

اس کے بعد جتنے خیالات آسکتے تھے کہ ہم جب نبی کی بیبیاں اور جتنے امتی ہیں
سب کی مائیں ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا وازواجہ امہاتھم اور اس ذریعے سے
ہمیں بہت کچھ زیور وغیرہ زینت دنیا ملیگی وہ سب کافور ہو گئے۔ اور صرف
خدا و رسول اور وعدہ قیامت پر قانع ہو گئیں۔ چنانچہ انہیں حجروں میں فقر و
فاقہ کے ساتھ عمر بسر کی۔ اور ابھی معلوم ہوا کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
لوگوں کے لئے کچھ کھانا منگوایا تو محلوں میں تلاش کیا گیا مگر کوئی کھانیکی چیز نہ نکلی۔
زرقانی شرح مواہب میں روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرے سینے میں درد ہو گیا تمہارے والد ماجد کے پاس بہت سے قیدی خدا تعالیٰ نے بھیجے ہیں۔ ایک آدھ قیدی خدمت کے لئے مانگ لاؤ۔ اونہوں نے کہا خدا کی قسم پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں بھی چھالے پڑ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے پوچھا اے لڑکی کس کام کے لئے آئی ہو۔ عرض کی آپ پر سلام عرض کرنے کے لئے اور شرم کے مارے مقصود بیان کر نہ سکیں۔ جب واپس گھر تشریف لائیں تو علی کرم اللہ وجہہ نے حال دریافت کیا۔ کہا شرم سے میں کچھ مانگ نہ سکی۔ حضرت علی رض نے فرمایا چلو تم ہم دونوں جائیں۔ چنانچہ حاضر ہوئے۔ اور علی رض نے عرض کی یا رسول اللہ پانی بھرتے بھرتے میرے سینے میں درد ہو گیا۔ اور فاطمہ علیہا السلام نے عرض کی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے اور ایک آدھ خادم ہمیں عنایت فرمائیے۔ حضرت نے جواب دیا خدا کی قسم تمہیں خادم نہ دونگا۔ کیونکہ اہل صفہ بھوک کے مارے بیتاب ہوتے ہیں اور میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ اُن پر خرچ کروں اس لئے اون قیدیوں کو بیچکر اونکی قیمت اون پر خرچ کرونگا یہ سنکر دونوں حضرات اپنے گھر واپس روانہ ہوئے اس کے ساتھ ہی حضرت اون کے یہاں تشریف لے گئے اوس وقت وہ ایک چادر میں لپٹے ہوئے تھے چادر کی یہ حالت تھی کہ اگر سر پہ اوڑھیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں پہ اوڑھیں تو سر کھلا رہ جاتا۔ حضرت کو دیکھتے ہی

وہ اٹھنا چاہتے حضرت نے فرمایا بیٹھے رہو۔ پھر فرمایا کہ کیا تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جو اوس سے بہتر ہو جس کا سوال تم نے کیا تھا۔ عرض کیا ارشاد ہو فرمایا چند کلمات جبرئیل نے مجھے تعلیم کئے۔ وہ یہ ہیں کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ دس بار۔ اور الحمد للہ دس بار۔ اللہ اکبر دس بار۔ اور جب بچھونے پر سونیکے لئے جاؤ تو سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لئے جائیں۔ انتہی۔ دیکھئے نہ پسینے کا درد قابل توجہ ہوا نہ ہاتوں کے چھالے نہ چادر کی کوتاہی اور فیصلہ ہوا تو اس پر کہ یاد الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیں اور باوجود اس کے طرفین میں نہ کسی قسم کا ملال ہے نہ گرانی خاطر۔ یہ خاص اپنے جگر گوشہ سیدۃ النساء کے ساتھ سلوک تھا جن سے کمال درجہ کی محبت تھی جن کی ملاقات کے وقت تعظیم کے لئے آپ اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور علی کرم اللہ وجہہ جیسے داماد بھی اس سوال میں شریک ہیں۔ مگر جواب میں قسم کھا کر ارشاد فرمارہے ہیں کہ اس عطا میں فقیروں پر تمہیں کبھی ترجیح نہ دی جائیگی۔ کیا ان امور کے مشاہدے کے بعد بھی کوئی جس کو تھوڑی بھی عقل ہو یہ الزام لگا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت نبوت سے دنیا طلبی مقصود تھی نعوذ باللہ من ذالک۔ لوازم دنیاداری میں یہ امور داخل ہیں کہ آدمی اولا خود مال سے اپنی اولاد اور متعلقین کو مالی فائدہ پہنچانے کی فکر میں رہتا ہے اسی کو دیکھ لیجئے کہ مرزا صاحب قادیانی نے اپنے فرزند

مرزا صاحب کا حال دنیاداری

ملک خاندان میں بذریعۂ الہام مسیحیت جا دی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا
خدا تیرے مجد کو زیادہ کر رکھا اور تیری ذریت کو بڑھائیگا۔ اور من بعدتیہ۔ خاندان کی
تجھ ہی سے ابتدا قرار دی جائے گی۔ ایک اولوالعزم پیدا ہوگا وہ حسن اور احسان
میں تیرا نظیر ہوگا۔ وہ تیری نسل سے ہی ہوگا فرزند دلبند گرامی و ارجمند
مظہر الحق والعلا کان اللہ نزل من السماء اور فرماتے ہیں اور مسیح کو بھی یاد رکھو
جو اس عاجز کی ذریت میں ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے
غرض کہ انہوں نے مسیحیت و نبوت کو ذریعۂ معاش بنا کر خوب سامان مختلف تدابیر سے
جمع کیا۔ جیسا کہ مفاتیح الاعلام فہرست افادۃ الافہام میں کتب معتبرہ سے
واقعات لکھے گئے ہیں کہ مرزا صاحب ایک کتاب کے دو نام رکھ کے
دونوں کی قیمت حاصل فرماتے ہیں۔ اور قیمت تگنی چوگنی رکھی جاتی ہے۔
کتابوں کی قیمت پیشگی وصول کر لی جاتی ہے اور کتاب ندارد۔ دعا کی پیشگی اجرت
لی جاتی ہے اور اثر ندارد۔ اموال و املاک و زیورات وغیرہ کی زکوٰۃ کی ترغیب
دی جاتی ہے۔ اس غرض سے کہ اپنی تصنیفات اوس سے خریدیں تمام
چندے اور زکوٰۃ وغیرہ بیوی صاحبہ کے سپرد کئے جاتے ہیں پھر نہ اوسکا
حساب ہے نہ نگرانی۔ اگر حساب طلب کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کیا میں کسی کا
خزانچی ہوں۔ لنگر کا روپیہ بہت جمع ہوتا ہے۔ کیونکہ حکم ہے کہ جو لنگر کے
لئے چندہ نہ دے وہ اسلام سے خارج ہے۔ پھر جب مہمانوں کو تکلیف

ہونے کی شکایت ہوئی تو ارشاد ہوتا ہے کیا میں بھکاری ہوں اپنی اور اپنے اہل
بیت کی تصویریں بیچکر روپیہ حاصل کیا گیا۔ بہشتی مقبرہ جسکی بنیاد ڈالی اوسمیں
دفن ہونے کی بہ شرط کہ اپنی جائداد کے دسویں حصہ کی وصیت کردے
قیمت کفن وغیرہ وصول کرکے اشتہار دلوادیا کہ امام وقت وخلیفۃ اللہ کو
[illegible] تنگ دلوں زرپرستوں کے حساب سے کیا کام۔ تقویت
اعصاب وغیرہ کے لئے انگریزی وہ دوائیں کھاتے ہیں جنمیں شراب ہوتی
ہے۔ چندہ وغیرہ کا بار مریدوں کی حیثیت سے بڑھکر اون پر ڈالا جاتا
ہے۔ اور اون غریبوں کے خون سے کیوڑا عنبر مشک بید مشک مفرحات
مقویات کی بھرمار رہتی ہے۔ بیوی سونے کے زیورات سے لدگئی مکانات
وسیع ہوگئے۔ قورما۔ پلاؤ بافراط کھایا جاتا ہے۔ امیرانہ بلکہ شاہانہ خوراک
لباس فرش فروش ومکانات وباغات جائداد زیور رکھتے ہیں۔ اور عیش وعشرت
میں مستغرق ہیں۔ یہ عیش وعشرت جو اون کو اور اون کی بیوی کو جو ام المومنین
کہلاتی ہیں حاصل ہوا۔ اوس ادعائی نبوت اور مسیحیت کا نتیجہ ہے جو انہوں نے
بڑی مشقت سے پیدا کی اب رہی اولاد کی فکر تو اوس کے لئے کئی الہام ہیں۔
منجملہ اون کے ایک یہ ہے جو فرماتے ہیں قطعی اور یقینی پیش گوئی ہے جو خدا نے
ظاہر کر رکھا ہے۔ کہ میرے ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو
کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔ وہ آسمان سے [illegible]

ہیں کہ اوس مسیح کو بھی یاد رکھ جو اس عاجز کی ذریت میں ہے جسکا نام ابن مریم رکھا گیا ہے۔ غرضکہ مسیحیت کی بدولت مرزا صاحب نے خود بھی عیش و عشرت کی عمدہ بسر کی اور متعلقین و اولاد کے واسطے جائدادوں کا بخوبی انتظام کیا۔ اس سے ثابت ہو گیا ہو کہ مسیحیت کا سلسلہ اپنے خاندان میں قائم کر دیا۔ ان حالات کے ملاحظہ کے بعد اصلی اور ادعائی نبوت میں ہر شخص فرق کریگا کہ ادعائی نبوت کو اصلی نبوت سے کیا تعلق ہے۔ مرزا صاحب سے بعض لوگ جو خوش اعتقادی رکھتے ہیں اون سے سنا گیا کہ وہ اوائل میں اچھے آدمی تھے۔ اور آخر میں اون کے دماغ میں خلل آگیا تھا جس کی وجہ سے نبوت اور الہاموں کا دعوے کرنے لگے تھے مگر میری دانست میں وہ مرفوع القلم یعنے دیوانے ہرگز نہ تھے۔ کیونکہ کمال عقلمندی سے انہوں نے یہ اصول قائم کئے کہ جتنے معجزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتابوں میں لکھے گئے ہیں وہ سب نقل ہیں اس لئے کہ جب اون کو دعوے نبوت تھا تو لوگ ضرور معجزے طلب کرتے اس لئے انہوں نے معجزات کا انکار ہی کر دیا اور صرف الہاموں پر زور دیا جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اور اس درجہ کا تقرب اپنا خدا کے ساتھ بیان کیا کہ خداے تعالیٰ اون سے ٹھٹھے کرتا ہے۔ کیا دیوانے سے یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نیا کارخانہ نبوت کا قائم کرے اور ایسے اصول پر اوس کی بنیاد رکھے جو گریز کے وقت کام میں

لاے جائیں۔ اون کی امت سے یہ پوچھا جائے کہ جب مرزا صاحب کو اس قدر تقرب الٰہی حاصل تھا تو خوارق عادات ظاہر ہونے کی اجازت کیوں نہیں لے لی۔ اور (اتھم) وغیرہ کے مقابلہ میں کیوں ناکام رہے یہ مباحث طویل ہیں۔ ہم نے مفاتیح الاعلام اور افادۃ الافہام اور انوار الحق میں کسی قدر بسط سے لکھا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اہل انصاف وحق پسند حضرات کے لئے اوس کا مطالعہ کافی ہوگا۔

میں اس مقام میں اپنے قصور کا معترف ہوں کہ جہاں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر تھا وہاں ایسے لوگوں کا ذکر کمال بے ادبی ہے۔ مگر مقولۂ تعرف الاشیاء باضدادھا پر نظر پڑتی ہے تو کسی قدر عذر خواہی کو موقع مل جاتا ہے کیونکہ جب تک ظلمت کا مقابلہ نہ ہو۔ نہ نور کی طرف خاص قسم کی توجہ ہوتی ہے نہ اوس کی قدر۔ متضاد اشیاء پیدا کرنے سے بڑی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر چیز کا انکشاف تام ہو جائے۔ اگر نبوت صادقہ کے مقابلہ میں نبوت کاذبہ اور نور صداقت کے مقابلہ میں نور ظلمت بطلان نہ ہوتی تو اصلی انبیا کی شان وعظمت اور جعلی نبیوں کی خواری وذلت کبھی نہ معلوم ہوتی اسی کو دیکھ لیجئے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دسترس آسمانوں تک تھا۔ کہ انگلی کے اشارہ میں چاند کے دو ٹکڑے کر دے اور مرزا صاحب اون کی بیوی جن کے ساتھ مرزا صاحب کا نکاح آسمانوں پر خدا نے خود کر دیا

تھا باوجودیکہ اون کے گھر کے پاس تھیں مگر اون کے ہاتھ نہ آئیں الغرض حضرت خاتم النبیئین صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکات غیر متناہی ہیں کیونکہ ہر وقت حضرتؐ اپنے امتیوں کی دستگیری فرماتے رہے ہیں اور قیامت میں تو بہت کچھ فرمادیں گے بشرطیکہ ہم لوگ خالص امتی بنے رہیں ۔

اب چند حدیثیں آب دہن مبارک کے برکات و تاثیرات کے متعلق یہاں لکھی جاتی ہیں ۔

اثرِ لعابِ مبارک

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ جب الکعب ابن اشرف کے قتل کے لئے حارث بن اوس گئے وہ وہاں زخمی ہوگئے ایک زخم شمشیر اون کے سر میں لگا ۔ دوسرا پاؤں میں ۔ لوگوں نے اون کو اوٹھا کر حضرت کی خدمت میں حاضر کیا آپ اون کے زخموں میں تھوکے اور فوراً درد جاتا رہا اور وہ اچھے ہوگئے ۔ انتہیٰ ۔

اس لب کو لب جاں بخش کہنا سزاوار ہے کہ دو زخم کاری جن کی دوا نہ ہوتی تو ہلاکت تک پہنچادیتے ۔ اون کو فوراً چنگا کردیا اور لب کشائی کی مہلت نہ دی ۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوہ ذات الرقاع میں آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے ۔ راستہ میں ایک بدوی عورت اپنے

لڑکے کو لئے ہوئے سامنے آئی اور کہا یا رسول اللہ اس لڑکے پر شیطان مسلط ہے جس سے میں عاجز ہو گئی ہوں۔ آپ نے لڑکے کے منہ میں تھوکا اور فرمایا اے دشمنِ خدا دور ہو جا میں رسول اللہ ہوں۔ یہ تین بار کہکر اُس عورت سے فرمایا کہ اپنے لڑکے کو لیجا۔ اب وہ مصیبت نہ ہوگی جب واپسی کے وقت حضرت اس مقام پر تشریف لائے تو اُس عورت نے آکر خبر دی کہ اب وہ لڑکا اچھا ہو گیا۔ انتہیٰ۔

یہ لعاب مبارک لڑکے کے حق میں آب حیات تھا اور اُس جن کے حق میں سمّ قاتل۔ اسی وجہ سے وہ فوراً بھاگ گیا۔ معلوم نہیں اُس میں کس قسم کا اثر تھا جسکی مقاومت کی وہ تاب نہ لاسکا۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کے لئے جارہے تھے جب ہم بطنِ روحا میں پہنچے تو حضرت نے ایک عورت کو دیکھا جو آپ کے طرف آرہی تھی۔ آپ نے اپنی سواری کو روک لیا جب وہ عورت نزدیک پہنچی تو عرض کی یا رسول اللہ یہ میرا لڑکا جس روز سے پیدا ہوا ہے آجتک افاقہ نہیں پایا۔ حضرت نے اُس کو اپنے نزدیک اونٹ پر لیکر اُس کے منہ میں تھوکا اور فرمایا نکل اے دشمنِ خدا میں رسول اللہ ہوں۔ پھر اُس لڑکے کو اس عورت کے حوالے کرکے فرمایا کہ اب اس کو کچھ خوف نہیں۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت حج سے فارغ ہوکر اُس مقام میں پہنچے تو وہی عورت ایک بھونی بکری لے آئی۔ حضرت نے فرمایا اس کا دست مجھے دو۔ اُس نے

دیا۔ پھر فرمایا اس کا دست مجھے دو اُس عورت نے دیا۔ پھر فرمایا اس کا دست مجھے دو۔ اُس نے عرض کی یارسول اللہ دست تو دو ہی ہوتے ہیں جو میں دے چکی۔ فرمایا۔ قسم ہے اگر تم چپ رہتیں تو جب تک میں دست مانگتا تم دیتی رہتیں۔

اسامہ رضؓ کہتے ہیں حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ کھجور کے درخت اور پتھر بھی کہیں نظر آتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ چند درخت قریب اور پتھروں کی ڈھیر نظر آتی ہے۔ فرمایا جاؤ اور اُن درختوں سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم کرتے ہیں کہ نزدیک ہو جاؤ تاکہ حاجتِ بشری سے فارغ ہوں اور پتھروں سے بھی یہی کہو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں وہاں جاکر یہ پیام پہنچایا۔ خدا کی قسم اُن درختوں کو دیکھا کہ زمین پھاڑتے ہوئے متصل ہو گئے اور پتھروں کو دیکھا کہ کودتے ہوئے نزدیک ہو کر ایک دیوار بنائی۔ جب حضرت حاجت سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کہ ان درختوں اور پتھروں سے کہدو کہ رسول اللہ صلعم حکم کرتے ہیں کہ اپنے اپنے مقامات پر واپس ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس ہو گئے۔ انتہیٰ۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت نے بکری کا دست تیسرے بار طلب فرمایا اور عورت نے گویا بر سبیل اعتراض عرض کی دو دست تو میں دے چکی جس کا ظاہر مطلب یہ ہوا کہ یا تو آپ بھول گئے یا نہیں جانتے کہ جانور کو دو سے زیادہ دست نہیں ہوتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت مرغوب تھا اس لئے

صحابہ اکثر دست پیش کیا کرتے اور حضرت مکرر طلب فرماتے جب تیسرے دست کے طلب کی نوبت پہنچتی تو بمقتضائے بشریت وعادت صحابہ اسی طرح عرض کرتے کہ جانور کو تو دو ہی دست ہوتے ہیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن سے فرماتے کہ اگر تم دینے کا قصد کرتے تو میں جتنے بار طلب کرتا تم دے سکتے تھے جس طرح اُس عورت سے فرمایا۔

یہاں خاص طور پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ کلام معمولی نہیں مخبر صادق کی خبر ہے۔ کیونکہ آپ اس امر کی خبر دے رہے ہیں کہ تم اگر تیسرے بار بھی دینا چاہتے تو دیتے اور اس خبر کو حضرتؐ نے قسم کے ساتھ موکد فرمایا اور ممکن نہیں کہ حضرتؐ کی کوئی خبر معاذ اللہ جھوٹ ہو سکے۔ اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ تیسرا دست تو یقیناً معدوم ہوتا ہے اگر اُس کا وجود ہوتا تو کس طرح سے ہوتا۔ ظاہری اسباب تخلیق تو بالکل مفقود ہیں بظاہر اگر اُس کا سبب ہے تو یہی ہے کہ حضرتؐ نے طلب فرمایا پھر جس سے طلب فرمایا اُس میں یہ صلاحیت اور قدرت نہیں کہ پیدا کر کے دے۔ مگر دینا ضرور۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بمجرد طلب فوراً وجود میں آجاتا اور اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر دیتا۔ یہاں ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تصور فرمانا اُس کے وجود کے لئے کافی تھا ادھر تصور ہوا اُدھر حق تعالیٰ نے پیدا کر دیا جس طرح جنت میں وجود اشیاء کے لئے صرف تصور کافی ہے۔ اصل سبب تو تخلیق خالق ہی ہے۔ مگر سببِ ظاہری

تصور کے سوا اور کوئی چیز نہیں اگرچہ آدمی کو خالق کہنے میں تامل ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ اگر کسی کو یہ صفت عطا فرمائے تو پھر اس میں کون کلام کرسکے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ سے بھی اس خیال کی تائید ہو سکتی ہے۔ تیسرے دست کا جو وجود نہو استثال امر نہ کرنیکی نکبت تھی۔ اولیاء اللہ نے یہیں سے یہ بات سلوک میں داخل کردی کہ مرشد کامل جو کچھ ارشاد اور امر کرے اُس پر بغیر چون وچرا کے عمل کرنا اور نہو سکے تو اس پر آمادگی ظاہر کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ اُن حضرات کا مقولہ ہے کہ مرید یکہ با پیر خود چون وچرا کند اورا در چراگاہ باید فرستاد۔ یہ حکایت مشہور ہے کہ کسی بزرگ کی خدمت میں ایک صاحب آئے تھوڑے عرصہ میں اُن کو خلافت دیکر اپنا جانشین کیا اور دوسرے مریدین جن میں علماء فضلاء بھی تھے ایک مدت تک اُن سے ریاضت لی گئی مگر وہ سب محروم کئے گئے۔ اس پر آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ شیخ نے ایک روز اُن تمام مریدوں کو جو اپنے آپ کو مستحق خلافت سمجھتے تھے بلایا اور اُن سے کہا کہ اس اونٹ کو بالاخانہ پر پہنچا دو سب کو اس کلام سے تعجب ہوا اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے گو بظاہر کمال ادب سے کچھ جواب نہ دیا مگر اُن کی حالت یہ کہہ رہی تھی کہ شیخ صاحب کی عقل میں فتور آگیا ہے جو ایسی احمقانہ گفتگو اور فرمائش کر رہے ہیں۔ غرضکہ مجلس پر سکوت اور تحیر کا عالم طاری تھا کہ اتنے میں وہ خلیفہ صاحب بھی وارد ہوئے۔ شیخ نے پکار کر اُن سے کہا کہ بھائی اس اونٹ کو بالاخانہ پر پہنچادو

ضرورت امتثال امر پیر طریقت

ثمرۂ امتثال امر

یہ سنتے ہی وہ کمر باندھکر اونٹ پر لپکے۔ جب اُس کے سامنے گئے تو کاٹنا چاہا پیچھے گئے تو لات مارنے کا قصد کیا۔ بازو پر گئے تو رخ بدلا۔ غرض وہ مستعدی سے اُس کے گرد و پیش چکر لگاتے رہے تھوڑی دیر تک اہل مجلس یہ تماشا دیکھتے اور اُن کی حماقت پر در پردہ مضحکہ اُڑاتے رہے۔ شیخ نے اُن کو اس حرکت سے روک دیکر اہل مجلس کی طرف خطاب کیا کہ تم میں اور ان میں اتنا فرق ہے کہ تم نے مجھے احمق بنایا اور اُنہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی اور اس کی کچھ پروا نہ کی کہ اس احمقانہ حرکت سے لوگ کیا کہیں گے۔ اُنہوں نے یہ خیال کیا

شعر

بمئی سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید ؎ کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

غرضکہ جب تک پیر کامل پر اتنا اعتماد نہو کہ جو کچھ وہ حکم کریگا خالی از مصلحت و حکمت نہو گا اس کو شیخ کامل سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اُن حضرات کے استدلال کے لئے یہ حدیث شریف کافی ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک محال چیز کی فرمائش کی اور جب انہوں نے اُس کی تکمیل نہیں کی تو اُن کا نقص عقیدہ بیان فرما دیا۔

اِس حدیث میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم درختوں اور پتھروں کو پہنچا تو وہ زمین کو چیرتے اور پھاڑتے کودتے وہاں پہنچ گئے جو مقام اُن کے لئے معین کیا گیا تھا اُن کی اس حرکت سے

طاعت و فہم و تمیز بھی جمادات و نباتات میں ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو اپنے کانوں سے سنا اور اُس کو اپنے دل میں جگہ دی اور عاقلانہ قوت سے خیال کیا کہ اس امر کو بجا لانا ضروریات سے ہے اس کے بعد جس طرح اُن سے ہو سکا چلتے ہوئے بغرض تعمیل حکم روانہ ہوئے حالانکہ دیکھنے کو نہ اُنکے کان تھے نہ دل نہ عقل نہ پاؤں مگر جو کام ان اعضا سے متعلق ہیں سب وقوع میں آئے اس سے معلوم ہوا کہ سننے کا مدار کانوں پر اور انکے اندر چھپے ہوئے پٹھوں پر نہیں ہے۔ اسی پر دوسرے اعضاء کو بھی قیاس کر لیجئے۔ عادت کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے کہ جمادات و نباتات کو نہ سماعت ہے نہ بصارت وغیرہ مگر جب ہم اس قسم کے واقعات احادیث میں دیکھتے ہیں تو ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے عالم جمادات اور نباتات میں بھی ان قوتوں کو ودیعت رکھا ہے مگر کسی دوسرے طریقہ پر جس سے ہم لوگ واقف نہیں کیونکہ ہمارا عالم عالم انسانی ہے اور اُن کا عالم جمادی اور نباتی۔ ضرور نہیں کہ سب میں ایک طریقہ مقرر ہو۔ دیکھئے آدمی اور جانور منہ سے غذا اپنے پیٹ میں پہنچاتے ہیں اور نباتات جڑوں کے ذریعہ سے جو زمین کے اندر گڑے رہتے ہیں۔ پھر ان تماموں کی غذائیں مختلف اور حاصل کرنے کا طریقہ جداگانہ۔ اگر دوسرے مذہب والے ہماری اِن باتوں کو نہ مانیں تو وہ معذور ہیں کیونکہ جب اُن کو ایمان ہی نہیں تو اُن کو ایسے امور کی تصدیق بھی ضرور نہیں بخلاف مسلمانوں کے کہ جب

اُن تک اِس قسم کی خبریں معتبر ذرائع سے پہنچ گئیں تو اُن کو چون وچرا کرنیکا
اب موقع نہ رہا کیونکہ ہزارہا مسلمان علمانے جب اس قسم کے باتوں کو اپنی
کتابوں میں نقل کیا جن کو عموماً مسلمان مانتے ہیں اور کروڑہا مسلمانوں نے
اس کی تصدیق کی اور وہ تصدیق اس طرح سے ہوئی کہ پہلے طبقے نے اپنے
دیکھے ہوئے امور اپنے بعد کے طبقے کو سنا دئے یہانتک کہ ہم تک وہ
خبریں برابر پہنچیں تو اب ہم بحیثیت اسلامی اس کا انکار نہیں کرسکتے اب رہی
یہ بات کہ پتھر اور درختوں کا چلنا خلاف عقل ہے تو ہم کہیں گے کہ عقل کے
طریقے سے تو آدمی کا چلنا بھی ثابت ہونا مشکل ہوتا ہے کتاب العقل میں ہم نے
اس سے متعلق جو تقریر لکھی ہے اُس سے اِس باب میں تائید مل سکتی ہے
کہ آدمی دو پاؤں پر چلتا ہے اور بعضے جانور چار پاؤں پر اور بعضے ہزار پاؤں
پر اور سانپ کو تو ایک پاؤں بھی نہیں ۔ مگر دوڑ میں آدمی بلکہ ہزار پا سے بھی
بڑھ جاتا ہے اس کو سوچ کے دیکھئے تو شاید سانپ کا دوڑنا مشکل سمجھ میں
آئیگا کیونکہ آدمی اگر پیٹ کے بل حرکت کرے تو میرے خیال میں بغیر کسی دستگیری
کے دو چار ہاتھ بھی نہ چل سکیگا اور سانپ بلا تکلف پیٹ سے چلتا ہے اور اسقدر
تیز چلتا ہے کہ آدمی بلکہ گھوڑا اُس کی تیز رفتاری کو نہیں پہنچ سکتا پھر آدمی کو
کانٹوں وغیرہ میں جانے کے لئے جوتے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بغیر
جوتے کے کیسی ہی کانٹوں کی زمین ہو بلکہ خاردار درختوں پر برابر دوڑتا ہے۔

حالانکہ اُس کے پیٹ کا پوست آدمی کے تلوؤں سے بدرجہا نرم ہے اس مقام میں سوا اس کے کچھ جواب نہ ہو سکیگا کہ سانپ کی فطرت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ پیٹ پر چلے اور اس کو اتنی قوت دی گئی کہ اپنے جسم کو بغیر کسی سہارے کے زور سے حرکت دے سکے اور آدمی کو اتنی قوت نہیں دی گئی کہ پیٹ کے بل ہو کر اپنے جسم کو زور سے حرکت دیکر سانپ کی طرح اپنے جسم کو آگے بڑھا سکے۔ البتہ یہ بات قرین قیاس ہے کہ حق تعالےٰ نے ہر ایک چیز کو ایک طرح کی خصوصیت عطا فرمایا ہے جو اُسی کے ساتھ مختص ہوتی ہے۔ اسی طرح پتھر اور درختوں کو چلنے کی قوت عطا فرمائے تو ہرگز بعید از قیاس نہیں۔ رہا یہ کہ ان کی اس قسم کی حرکت کبھی دیکھی نہیں جاتی تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالےٰ بھی اگر اُن میں حرکت پیدا کرے تو ممکن نہیں کیونکہ سانپ کا چلنا خدا تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے متعلق ہے۔ اگر وہ قوت جو اُس کو دی گئی ہے سلب فرمالے تو ممکن نہیں کہ وہ حرکت کر سکے جیسا کہ تمام حیوانات میں مشاہدہ ہے کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے کبھی وہ حرکت کرنے پر قادر نہیں بھی ہو سکتے اس صورت میں سانپ وغیرہ کی حرکت بھی متعلق بمشیت وارادۂ خالق ہوئی۔ اسی طرح درختوں وغیرہ کی حرکت کے ساتھ بھی مشیت وارادہ خالق متعلق ہو تو پھر اُن کی حرکت اور مشی کو کون مانع ہے۔

اس حدیث شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں چلنے کی قوت بھی رکھی گئی ہے۔ کیونکہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہلا بھیجا کہ ایک مقام میں جمع ہوں۔ اس کے بعد پھر حکم بھیجا کہ اپنے اپنے مقامات میں چلے جائیں اگر اُن میں حرکت کرنیکی

قدرت نہ ہوتی تو یہ کہلا بھیجنا بے موقع ہوتا۔ بلکہ بجائے کہلا بھیجنے حضرت دعا فرماتے
کہ الہٰی ان کو ایک مقام پر جمع کر دے اور دوسرے بار دعا فرماتے کہ ان کے مقامات
پر ان کو پہنچا دے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو اس امر کا مشاہدہ تھا کہ اپنے ارادے سے وہ حرکت کرتے ہیں چنانچہ ایسا ہی
ہوا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت حرکت نہیں کرتے جب تک کوئی
حکم واجب الاتباع ان کو نہ پہنچے۔

خصائص کبریٰ میں ام جندب رضؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرۃ العقبیٰ کے پاس دیکھا کہ رمی فرما رہے ہیں۔ پھر منیٰ میں اپنے
مقام پر واپس تشریف لے گئے وہاں ایک عورت اپنے لڑکے کو لے آئی جو آسیب زدہ
تھا اور عرض کی یا رسول اللہ صلعم میرے لڑکے پر کوئی بلا مسلط ہے کہ بات نہیں کرتا
آپ نے اُسے ایک برتن میں پانی لانے کو فرمایا جب وہ لے آئی تو آپ نے
تھوڑا پانی اُس میں سے لیکر اُس برتن میں کلی کی اور فرمایا کہ یہ پانی اس لڑکے کو
پلا دو اور اس میں نہلاؤ۔ ام جندبؓ کہتی ہیں کہ جب وہ جانے لگی تو میں بھی اُس کے
ساتھ ہو گئی اور اُس سے کہا کہ اس میں سے تھوڑا پانی مجھے بھی دو اُس نے دیا میں نے
اپنے لڑکے عبداللہ کو وہ پلا دیا بفضلہ تعالیٰ وہ بہت روز زندہ رہا اور بہت نیکبخت
ہوا۔ پھر اُس عورت سے ملاقات ہوئی اور حال دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ وہ
لڑکا اچھا ہو گیا اور اپنے ہم سن لڑکوں میں ایسا ہے جو اُس کا نظیر نہیں اور

عقل و فراست میں اوروں سے بڑھا ہوا ہے ۔ انتہیٰ ۔

حضرتؐ کو اُس موقع میں لعاب مبارک کی تاثیر کا مشاہدہ کرا دینا منظور تھا ورنہ اُس آسیب کو اگر نکل جانیکے لئے کہلا دیتے تو اُس کی مجال نہ تھی کہ پھر ٹھہر سکتا ۔

ام جندب رضؓ نے جو وہ پانی اُس عورت سے اپنے لڑکے کے واسطے لیا اُس سے ظاہر ہے کہ کل صحابہ جانتے تھے کہ حضرتؐ کے لعاب مبارک میں ہر قسم کی برکت ہے جس کام کے لئے وہ استعمال کیا جائے مقصود حاصل ہوتا ہے چنانچہ ام جندب رضؓ نے اپنے لڑکے کی درازی عمر اور نیک بختی کے لئے وہ پانی اُن سے لیا تھا اور اُس کی پوری تاثیر وجود میں بھی آئی ۔

خصائص کبریٰ میں انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک بار قبا کو تشریف لے گئے اور ایک کنوئیں پر پہنچے جس سے زراعت کو پانی دیا جاتا تھا ۔ اُس کنوئیں کی یہ حالت تھی کہ ہر روز اُس کا پانی تھوڑی دیر میں ختم ہو جاتا اور دن بھر وہ سوکا رہتا تھا ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول میں کلی کر کے وہ پانی کنوئیں میں ڈلوا دیا اُس کے ساتھ ہی کنوئیں کو جوش ہوا اور اُس سے وہاں کی پوری زمین سیراب ہوتی رہی ۔ انتہیٰ ۔

اس موقع میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی کی درخواست کے صرف رفاہ عام کے لحاظ سے کنوئیں کا پانی زیادہ فرمایا ۔ یہاں یہ مقصود نہ تھا کہ مخالفین کو وہ معجزہ بتلا کر قائل کریں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوارق عادات کے

اظہار میں اختیار دیا گیا تھا۔ جس سے بحسبِ مصلحتِ وقت خلق کی حاجت روائی کی غرض سے ایسے امور صادر فرماتے تھے۔

اب یہاں یہ بات معین کرنا مشکل ہے کہ آیا اُس کلی کے پانی نے وہاں سوتوں کو کھینچ لایا یا وہی پانی جو وہاں موجود تھا بڑھ گیا۔ بہرحال ایک ایسی بات ظاہر ہوئی کہ معمولی عقلیں اُس کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ حبیب ابن فدیک رضی اللہ عنہ کی بصارت زائل اور آنکھیں سفید ہوگئی تھیں۔ اُن کے والد نے اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ حضرتؐ نے اُن سے وجہ دریافت کی۔ عرض کیا کہ سانپ کے انڈوں پر میرا پاؤں پڑ گیا تھا۔ جس کا اثر آنکھوں پر ہوا۔ حضرت نے اُن کے دونوں آنکھوں میں تھوکا اور وہ دیکھنے لگی۔ انتہیٰ۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے اُن کو دیکھا کہ اُن کی اسّی سال کی عمر ہوگئی تھی اور سوئی کے ناکے میں وہ تاگا پروتے تھے اور لطف یہ کہ آنکھیں سفید تھیں۔ انتہیٰ

سانپ کے زہر سے اُن کی بصارت زائل ہو جانا منجملہ عجائبات کے ہے شاید ظاہر بینوں کو اس قسم کے اثر کے ماننے میں تامل ہوگا۔ مگر اُن کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اشیاء کی تاثیرات خاص خاص قسم پر ہوتی ہیں۔ دیکھئے دواؤں میں مشاہدہ ہے کہ کوئی سر میں تاثیر کرتی ہے کوئی جگر میں کوئی گردہ وغیرہ میں چنانچہ بعض ادویہ ایسے بھی ہیں کہ مثانہ میں جو پتھر پیدا ہوتا ہے اُس کو گلا دیتے ہیں بتارد

تاثیرات کو اکثر اشخاص جانتے ہیں کہ اتنی دور سے کسی کی تاثیر سے غلہ میں دودھ وغیرہ پیدا ہوتا ہے اور کسی کی تاثیر سے غلہ پختہ ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سانپ کے اندھا کی تاثیر خاص آنکھوں سے متعلق ہو تو کیا تعجب ہے۔

حق تعالیٰ نے عالم میں عجیب عجیب صنعتیں ودیعت رکھی ہیں۔ منجملہ اُن کے دوستی اور دشمنی ہے۔ بعضے اشیاء کو بعضوں کے ساتھ موافقت ہوتی ہے اور بعضوں کو مخالفت۔ مثلاً غذا کو جسمِ انسان کے ساتھ موافقت اور الفت ہے۔ چنانچہ بدل ما یتحلل بن کر اُس کو ہلاک ہونے سے بچاتی ہے۔ بخلاف اِس کے سمیات کو جسمِ انسان سے دشمنی ہے کہ جہاں پہنچا اُس کو تباہ کیا۔ اسی طرح اگر اشیاء میں غور کیا جائے اور سائنس کی کتابوں پر نظر ڈالی جائے تو بہت ساری چیزوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

اِس وقت ایک طبیب میرے احباب میں موجود ہیں جن کا نام سید محمد قاسم صاحب شاہ نوری ہے۔ اُن کے پاس ہزارہا دیوانے کتے کاٹے ہوئے اور مار گزیدہ آتے ہیں اور وہ ایک دوا آنکھوں میں لگا دیتے ہیں جس سے تھوڑے عرصہ میں اُس کا زہر اُتر جاتا ہے۔ دیکھئے دوا تو آنکھ میں لگائی جاتی ہے اور سانپ یا کتا مثلاً پاؤں کو کاٹے تو یہ تھوڑی سی دوا کا اثر اس مقام میں فوراً پہنچ جاتا ہے۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ ان جانوروں کا زہر فوراً تمام

جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ تمام جسم کے زہر کو وہ تھوڑی سی آنکھ میں لگائی ہوئی وہ ایک ٹکڑہ دفع کرتی ہوگی۔

غرض کہ معنوی آثار کی حقیقت خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس چیز میں کس قسم کی تاثیرات رکھی ہیں۔ کسی بات کے سمجھ میں نہ آنے سے اس پر اعتراض کر دینا عقلمند کا کام نہیں۔ جب عموماً اشیاء میں ایسی تاثیرات رکھی ہیں کہ ان کے سمجھنے میں عقل حیران ہوتی ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تھوک میں اقسام کی تاثیرات اگر رکھی گئی ہوں تو کیا تعجب۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم باعث ایجاد عالم ہیں۔ تمام عالم کو آپ کا مسخر اور ممنون ہونا ضرور تھا۔ اسی وجہ سے آپ کے تصرفات خاک۔ آب۔ باد۔ آتش۔ افلاک۔ کواکب اور ارواح میں برابر جاری تھے۔

ابھی معلوم ہوا کہ لعاب مبارک کے اثر سے ام جندب رضی کے فرزند کی عمر دراز ہوگئی اور تمام اخلاق ستودہ اور پسندیدہ ہوگئے۔ بہر حال قرائن اور واقعات کے دیکھنے سے ظاہر ہے کہ حضرت کے لعاب مبارک سے جس قسم کا کام لیا جاتا اس میں کامیابی ضرور ہوتی تھی۔ اور لب مبارک ہی پر منحصر نہیں جس چیز کو حضرت سے خاص تعلق تھا اس کا یہی حال ہے۔ چنانچہ موئے مبارک وغیرہ کا حال ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ لکھا جائیگا

خصائص کبریٰ میں حبیب بن یساف سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ

کسی جنگ میں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ معرکۂ کارزار میں میرے
مونڈھے پر ایک ایسا وار پڑا کہ ہاتھ لٹک گیا میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا
حضرت نے زخم پر تھوک کر ہاتھ کو جما دیا۔ جس سے وہ فوراً جم گیا۔ چنانچہ مجھے
جس نے زخمی کیا تھا میں نے اسی ہاتھ سے اُسے قتل کر ڈالا۔ انتہی۔

شاید بعضے طبائع کو یہاں یہ خدشہ ہوگا کہ جب حضرت کو یہ قدرت حاصل
تھی تو چاہیے تھا کہ لشکر اسلام میں کوئی شخص زخمی ہو کر نہ مرتا۔ حالانکہ صدہا آدمی
زخموں سے شہید ہو گئے۔ فی الحقیقت یہ ایک عقدۂ لاینحل ہے اس کا سمجھنا
اور سمجھانا معمولی عقلوں کا کام نہیں۔ مگر غور و تامل سے اگر کام لیا جائے تو ممکن
ہے کہ کچھ نہ کچھ عقل میں سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

اس بات کا انکار نہیں ہو سکتا کہ اکثر آدمی بیماریوں سے مرتے ہیں اور ہر
بیمار اپنی بیماری کا حال طبیبوں اور ڈاکٹروں سے بیان کرتا ہے اور وہ بھی اپنے
اصول کے مطابق بیماری کی تشخیص کر کے ایسی دوا تجویز کرتے ہیں کہ جس سے
بارہا لوگوں کو صحت ہوئی ہو اور جس طبیب کی تشخیص اور تجربہ بڑھا ہوا ہوتا ہے
عموماً لوگ اسی سے علاج کراتے ہیں اور جس کے ہاتھ پر لوگوں کو زیادہ صحت
ہوتی ہے اسی کے طرف رجوع ہوتے ہیں اور وہ بقدرِ امکان اُن کے علاج
میں کوتاہی بھی نہیں کرتا باوجود اس کے جس کی قضا آجاتی ہے اُس کے علاج
سے وہ عاجز ہو جاتے ہیں اور آخر وہ مر جاتا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ

اکثر لوگ تجربہ کار حاذق حکیموں ہی کے علاج میں مرجاتے ہیں اور ایسے لوگ بہت کم نکلیں گے کہ ڈاکٹروں اور طبیبوں سے علاج نہ کرا کے مرے ہوں اگر حاذق حکیم کے علاج سے موت رک سکتی تو دنیا میں کوئی بادشاہ اور مالدار نہ مرتا۔ سلاطین نامدار کے علاج کے واسطے ہر ملک کے منتخب طبیب جمع کئے جاتے ہیں اور بڑی بڑی امیدیں اُن کو دلائی جاتی ہیں مگر انہیں کے زیرِ علاج مرنے والا مرجاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ موت کسی حال میں ٹل نہیں سکتی۔ مگر باوجود اس کے ڈاکٹروں اور طبیبوں پر یہ الزام نہیں لگایا جاتا کہ تم نے اس کو مار ڈالا یا علاج میں غفلت کی۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ عموماً طبیعتوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ موت کا علاج نہیں۔ اصل وجہ اس کی یہ کہ خدائے تعالیٰ عالم پیدا کرنے سے پہلے ہر ایک چیز کا اندازہ کر چکا ہے کہ فلاں چیز اتنی مدت تک باقی رہے اور اُس مدت میں اُس پر فلاں فلاں قسم کے تغیرات واقع ہوں۔ اسی کو تقدیر اور قضا کہتے ہیں اور عموماً لوگ جانتے ہیں کہ تقدیر کا لکھا مٹتا نہیں اور جو بات تقدیر میں لکھی گئی وہ ٹلتی نہیں مگر خدائے تعالیٰ نے دو قسم کی قضائیں مقرر کی ہیں۔ ایک معلق۔ دوسری مبرم۔ معلق وہ ہے کہ کسی وجہ سے ٹل جائے۔ مثلاً دعا یا دوا صدقات سے بیماری اکثر دفع ہو جاتی ہے۔ اگر وہ دوا یا دعا نہ کی جائے تو ہلاکت کی نوبت آجائے۔ اسی وجہ سے آدمی ہر بیماری میں مصیبت کے وقت دعا یا دوا وغیرہ کرتا ہے

اور صحت ہو جاتی ہے جس سے طبیب یا دعا کرنے والا نیک نام ہو جاتا ہے اور قضائے مبرم وہ ہوتی ہے کہ نہ دعا سے ٹلے نہ دوا وغیرہ سے۔ اس سے یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی معاملے میں دیکھتے کہ قضائے معلق ہے تو دعا یا اور کسی قسم کا تصرف فرماتے اور جب دیکھتے کہ قضائے مبرم ہے تو کسی قسم کا تصرف نہ فرماتے کیونکہ یہ تو منظور ہی نہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام کریں۔ بلکہ وہاں تو ہر کام میں اپنا یا اور کسی کا نفع ہو یا نقصان خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی مقدم ہوا کرتی تھی اسی وجہ سے جب خدائے تعالیٰ کی جانب سے آپ کو اطلاع دی گئی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حالتِ غربت میں اقسام کے مصائب اور سختیاں اٹھا کر شہید ہوں گے تو آپ نے اس کے قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ فرمایا۔ اسیطرح صحابہ کی شہادت کے وقت میں آپ سے تصرفات صادر نہیں ہوتے تھے۔ ورنہ ان کا قصد فرماتے۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ جعرتہ نے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا حضرت نے فرمایا داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ عرض کیا کہ وہ آفت رسیدہ ہے حضرت نے اس پر تھو کا وہ کہتے ہیں کہ جو شکایت اس میں تھی بالکلیہ جاتی رہی۔ انتہیٰ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو داہنے ہاتھ سے کھانیکی فرمائش کی اور جب انہوں نے عذر کیا کہ آفت رسیدہ ہے تو ہاتھ کو درست فرما دیا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت کو داہنے ہاتھ سے کھانیکا اہتمام کس قدر مقصود تھا۔ اس زمانہ میں یہ امر تہذیب میں داخل ہو گیا ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھایا جائے۔

مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو انسانی تہذیب سکھانیکو تشریف لائے تھے اور اخلاقی تہذیب کو آپ نے انتہا کو پہنچا دیا اُس سے تو ظاہر ہے کہ انسانی تہذیب داہنے ہاتھ سے کھانے میں ہے۔

لعاب دہن

خصائص کبریٰ میں ہے کہ عبداللہ بن انیس کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے میرے چہرے پر ایسا زخم مارا کہ سر کی ہڈیاں تک کھل گئیں میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے پٹی کو کھولکر اُس پر تھوک دیا۔ فوراً اذیت جاتی رہی اور وہ چنگا ہو گیا۔

اتنا گہرا چہرے پر زخم جس سے سر کی ہڈیاں کھل گئیں وہ کیسا گہرا زخم ہو گا مگر سبحان اللہ لعاب مبارک سے وہ فوراً چنگا ہو گیا۔ انتہی۔

درد شکم

خصائص کبریٰ میں ہے کہ ملاعب الاسنہؓ کے پیٹ میں سخت درد رہا کرتا تھا۔ اُنھوں نے حضرتؐ کے پاس شفا کی غرض سے کسی کو بھیجا حضرت نے ایک ڈھیلا زمین سے لیکر اُس پر تھوکا اور فرمایا کہ اس کو پانی میں گھولکر پلادو جب وہ پلایا گیا تو فوراً صحت ہو گئی۔ انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ لعاب مبارک میں خاص قسم کی تاثیر رکھی تھی۔ اسی وجہ سے حضرتؐ نے اُس کے پہنچانیکی یہ تدبیر کی کہ ڈھیلے پر ڈالا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ لعاب دہن پانی ہے جو بحسب اصول فلسفہ ہوا ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ سوکھنے کے بعد اصل لعاب تو فنا ہو گیا پھر بھی اوسکا خفیف غیر محسوس اثر جو ڈھیلے میں رہ گیا تھا

اُس کی یہ تاثیر ہوئی کہ ایک مہلک بیماری کو فوراً دفع کر دیا۔
خصائص کبریٰ میں ہے کہ غزوہ خندق کے زمانے میں ہم لوگ خندق کھود رہے تھے کہ ایک مقام پر سخت چٹان نکلی حضرت کے پاس لوگ حاضر ہوئے اور اس کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا میں اترتا ہوں جب حضرت وہاں تشریف لیجانے کے لئے کھڑے ہوئے میں نے دیکھا کہ شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا ہے اور یہی حالت سب کی تھی کیونکہ تین روز گذر چکے تھے کہ کھانا تو کہاں کسی نے کچھ چکھا بھی نہ تھا حضرت نے کدالی لی اور خندق میں اترے جب اس چٹان پر ایک کدالی ماری تو وہ ایسی نرم ہوگئی جیسے نرم مٹی کا ٹیلا ہوتا ہے۔ میں نے حضرت کی بھوک کی وہ حالت دیکھی تو رہ نہ سکا اور اجازت لیکر اپنے گھر گیا اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ حضرت اسوقت بہت بھوکے ہیں کچھ تمہارے یہاں ہے۔ انھوں نے کہا کچھ تھوڑے جَو ہیں اور بکری کا ایک بچہ ہے۔ چنانچہ جلدی سے انھوں نے تیاری شروع کردی اور میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یارسول اللہ کچھ تھوڑا سا کھانا ہے حضرت ایک دو صاحبوں کو ہمراہ لیکر تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کس قدر ہے۔ میں نے بیان کیا فرمایا وہ بہت اور پاکیزہ ہے۔ اپنی بی بی سے کہدو کہ جب تک میں نہ آؤں ہانڈی چولھے سے نہ اُتاریں اور روٹیاں تنور سے نہ نکالیں اور بآواز بلند اعلان دیدیا کہ اے اہل خندق جابر نے ہماری دعوت کی تیاری کی ہے سب چلو جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جلدی سے گھر جا کر بیوی سے کہا

اسی نیک بخت حضرتؐ مع تمام مہاجرین و انصار و دیگر ہمراہیان گئے تشریف
لارہے ہیں ۔ انہوں نے کہا حضرتؐ نے تم سے کچھ پوچھا بھی میں نے کہا ہاں
کہا جب تو کچھ فکر کی بات نہیں ۔ حضرتؐ جب تشریف لائے اپنا لب مبارک
خمیر میں اور ہانڈی میں ڈالا ۔ جب چند روٹیاں پک گئیں تو آپ نے تقسیم
شروع کی روٹیاں توڑتے اور اُن پر گوشت رکھ کر صحابہ کے سامنے رکھدیتے
جب سب نے سیری سے کھا لیا تو جابرؓ کی اہلیہ سے فرمایا اب تم کھاؤ اور
جہاں جہاں بھیجنا ہو بھیجو کیونکہ لوگ بھوکے ہیں ۔ جابرؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ
ہزار صحابہ نے سیری سے کھایا اور ہنوز گوشت روٹی باقی تھی ۔ چنانچہ دن بھر
ہم تقسیم کرتے رہے ۔ انتہیٰ ۔

یہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ بمجرد اس کے کہ جابرؓ نے حضرتؐ کو ایک دو
شخص کے ساتھ دعوت دی ۔ آپ نے تمام کو دعوت دیدی عقلاً یہ فعل
کہاں تک قابل تسلیم ہے ۔ بڑے سے بڑا فیلسوف ہرگز اس کو جائز نہیں رکھ سکتا
اب اگر اس سے ترقی کیجائے اور شرعی اصول پر دیکھا جائے کہ خدا کی جانب سے
آپ کو اطلاع ہو گئی ہو گی کہ وہ کھانا تمام لشکر کے لئے کافی ہو گا تو ظاہر اس کا
کوئی قرینہ نہیں ۔ اگر جبرئیل علیہ السلام آگئے تھے تو انہیں ضرور تخلیہ ہوتا اور کچھ تو
اس میں دیر ہوتی ۔ اور اگر آپ نے حق تعالیٰ سے دریافت فرمالیا تھا تو کم سے
کم مراقبہ کی طور پر تھوڑا سا توقف فرماتے ۔ جس سے معلوم ہوتا کہ آپ نے

اندرونی طور پر خدا تعالیٰ سے اجازت حاصل کرلی ہے اور اگر کسی اور طریقہ سے اجازت ہوگئی تھی تو حسب عادت ظاہر فرما دیتے۔ مگر اس موقع میں کوئی بات اس قسم کی وقوع میں نہ آئی۔ بلکہ اُدھر جابر رضؓ نے خبر دی اِدھر حضرتؐ نے پکار دیا کہ کل لشکر ان کے گھر پر کھانے کے لئے پہنچے۔ اس راز کو ہر شخص معلوم نہیں کرسکتا۔ البتہ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپکو اِس قسم کے معاملات میں اقتدار دیا تھا اور یہ کوئی خلافِ قیاس بات بھی نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ اپنے میں خاص خاص قسم کی قدرت ہے۔ مثلاً بات کرنے میں۔ چلنے پھرنے میں۔ کسی کو مار دینے وغیرہ میں۔ مگر ایک ضلع کا حاکم جو اقتدار اپنے میں پاتا ہے اور اُس کو عمل میں لاتا ہے ہر شخص اُس اقتدار کو اپنے میں نہیں پاسکتا۔ علیٰ ہذا القیاس بادشاہ وقت کو جو اپنے اقتدار کا وجدان ہوگا حاکم ضلع کو نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ دراصل نفس قدرت سوے خدا کے کسی میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ اقتدار اور وجدان عطائی ہے۔

ابراہیم علیہ السّلام نے جب نمرود سے خدا تعالیٰ کی قدرت کا حال بیان فرمایا کہ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں۔ آپ نے اُس سے اغماض کرکے فرمایا کہ خدا تعالیٰ آفتاب مشرق کی طرف سے نکالتا ہے تو مغرب کی طرف سے نکال۔ اُسوقت جواب سے عاجز ہوگیا مقصود یہ کہ نمرود لوگوں کے قتل کرنے اور واجب القتل لوگوں کے چھوڑ دینے کو اپنا اقتداری کام سمجھتا تھا ابراہیم علیہ السلام نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور ایسا کام پیش کیا جسے وہ اپنے اقتدار

خارج سمجھتا تھا۔ یہ وجدانِ اقتدار فقیر امیر بادشاہ وغیرہ میں مختلف طور پر ہوتا ہے۔
جب ظاہری بادشاہ کو اسقدر اقتدار دیا جائے جسکا اُسکو وجدان ہوتا ہے تو مقربان
بارگاہ الٰہی کو اگر اس سے زیادہ اقتدار دیا جائے جس کا انہیں وجدان ہو تو کیا
تعجب ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پورے حالات دیکھے جائیں تو
معلوم ہو کہ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ فلکیات۔ ارواح وغیرہ کل آپ کے مسخر تھے
اور جس طرح چاہتے آپ ان سے کام لیتے۔ یہی منشا تھا کہ جب جابرؓ نے خبر دی
آپ نے فوراً اعلان دیدیا۔ کیونکہ آپ کا وجدان گواہی دے رہا تھا کہ اُس کھانے
میں برکت دیدی جائیگی۔ اس موقع میں یہ خیال ہوتا ہے کہ قدرت کا حال دیکھے
تو یہ کہ دو تین آدمیوں کی خوراک میں ہزاروں آدمیوں کو کھلا دیں اور کیفیت یہ کہ
تین روز تک بھوک اور پیاس میں گذرے جس سے پیٹ کو پتھر باندھنے کی ضرورت
ہوئی اور ایک غریب صحابی کو رحم آیا جس نے ضیافت کی تجویز کی فی الحقیقت
مقربان بارگاہِ الٰہی کی ایسی ہی بوالعجب اور نرالی حالت ہوتی ہے جس کا سمجھنا
معمولی عقلوں کا کام نہیں۔ مگر ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں جس سے ممکن ہے کہ
بشرط انصاف مضمون قریب الفہم ہو جائے ہر شخص جانتا ہے کہ بادشاہ اپنے وزراء
و امراء کو کس قدر اقتدار دیتا ہے چنانچہ مختار الملک وغیرہ خطابات دیے جاتے ہیں
اور وہ اختیار سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ باوجود اس کے جب وہ روبرو ہوتے ہیں
تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو کسی قسم کی حکومت حاصل نہیں۔ اگر حکومت ہے تو

بادشاہ ہی کو ہے۔ اگر کچھ کام کرنا بھی چاہتے ہیں تو بادشاہ سے حکم حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح مقربان بارگاہ الٰہی کی یہی حالت ہے۔ اُن کو اقتدارات سب کچھ حاصل رہتے ہیں۔ مگر چونکہ ہمیشہ وہ مشاہدہ اور حضوری میں ہوتے ہیں۔ اس لئے مرضی الٰہی کے تابع رہنا اُن کو ضرور ہوتا ہے۔ جب تک کوئی خاص طور پر اُن کو حکم نہیں ہوتا جس کا طریقہ انہی کو معلوم ہے کوئی کام نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ تین دن تک تمام لشکر پر فاقہ رہا مگر حضرت نے کوئی تدبیر نہیں کی۔ اور جب جابرؓ کی درخواست پیش ہوئی اس وقت معلوم ہوا کہ اب اقتدار صرف کرنیکی اجازت ہے۔ اس بنا پر آپ نے فوراً کل لشکر کو دعوت دیدی اور یہ دعا بھی نہیں کی کہ الٰہی اُس کھانے میں برکت عطا فرما۔ ہر چند صحابہ حضرت کے اُس اقتدار کو بارہا دیکھ چکے تھے مگر اصلی بھید سے وہ واقف تھے۔ اس لئے اس فاقہ کی حالت میں بھی کسی نے درخواست نہیں کی کہ وہ اقتدار صرف کیا جائے یا دعا کی جائے کہ کسی طرح کھانا ملے اور خندق کھودنے کے لئے طاقت حاصل ہو۔ یہی حال حضرت کے جانشین صحابہ اور دوسرے سر آوردہ صحابہ کا تھا۔ چنانچہ ناسخ التواریخ وغیرہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وفات شریف کے بعد اکثر قبائل عرب مرتد اور باغی ہو گئے اور دو سال تک ملک عرب میں معرکہ کارزار گرم رہا اور طرفین سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نذر قتال و جدال ہوئے۔ بمجرد اس کے کہ ملک عرب پر اہل اسلام کا تسلط ہوا۔ ابوبکرؓ نے ملک کسریٰ پر چڑھائی کا

حکم دے دیا۔

دیکھئے چند اہل اسلام جن کو اہل عرب کے ساتھ عشر عشیر کی نسبت بھی نہ تھی کل ملک عرب کے ساتھ مقابلہ کر کے تھکے ہوئے تھے ہنوز ان کے زخم تک چنگے نہیں ہوئے تھے کہ دو بڑے بڑے خونخوار سلطنتوں کے مقابلہ کے لئے حکم دیدیا۔ جن کا یہ حال کہ تمام ملک عرب آبادی کے لحاظ سے ان کا دسواں حصہ بھی نہیں۔ اُن کے افواج قاہرہ کے مقابلہ میں لشکر اسلام دیکھا جائے تو ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ سامان جنگ پر نظر ڈالی جائے تو دونوں میں کوئی نسبت نہیں۔ چنانچہ وہاں کے لوگ عرب کے تیروں کو تکلے کہا کرتے تھے غرضکہ تھوڑی سی شکستہ فوج کو دوسری سلطنتوں کے مقابلہ میں اس غرض سے بھیجنا کہ اُن کو فتح کرلیں۔ ایک ایسی بات تھی کہ اس زمانے کے عقلا اُن پر ہنسی اڑاتے ہونگے۔ باوجود اسکے اسی تھوڑی سی شکستہ فوج نے تھوڑی مدت میں ان دونوں سلطنتوں کو بلکہ افریقہ کے بھی ایک بڑے حصہ کو فتح کرلیا۔ یہ اقتدار اس اقتدار کا طفیلی تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا۔ اور یہ فعل حضرت صدیق اکبر رضہ کا اُسی اجازت پر مبنی تھا جو منجانب اللہ مقربان بارگاہ الٰہی کو ملا کرتی ہے اس قسم کے صدہا واقعات خلفائے راشدین اور صحابہ کبار سے وقوع میں آئے۔ چنانچہ علاء بن حضرمی رضہ جن کے نام سے بھی بہت سے اہل اسلام ناواقف ہوں گے اُن کے حال میں لکھا ہے کہ جب بحرین کے مرتدین نے

حد سے زیادہ اُدھم مچایا یا تو حضرت امیر المومنین صدیق اکبرؓ نے علاء بن حضرمی کو امیر لشکر مقرر کر کے بحرین کی طرف روانہ فرمایا۔ جب لشکر اسلام مرتدین کے قریب پہنچ گیا تو ایک مناسب مقام دیکھ کے قیام کیا۔ صبح ہوتے ہی مرتدوں کی طرف سے ایک غل سنائی دیا۔ علاءؓ نے حکم دیا کہ دریافت کرو یہ کیا بات ہے۔ معلوم ہوا کہ سب شرابیں پی پی کے مست ہیں۔ لشکر اسلام نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ایک دم سے حملہ کیا اور دشمنوں کا مار مار کے سویرا کر دیا کچھ لوگ بچکے بھاگے اور کشتیوں میں بیٹھکر موضع دارین پہنچے۔ حضرت علاءؓ نے اُن کا پیچھا کرنا چاہا مگر دریا درمیان میں حائل تھا اور طغیانی بھی اُس میں بہت ہو رہی تھی آپ نے دریا میں گھوڑا ڈالدیا اور اپنے لشکر والوں سے بھی کہا کہ جو دعا میں پڑھ رہا ہوں یہی پڑھتے ہوئے تم بھی میرے قدم بقدم چلے آؤ۔ وہ دعا یہ ہے

یا رحمن یا رحیم یا کریم یا احد یا صمد یا محی یا حی یا قیوم لا الٰہ الا انت یا ربنا انا عبیدک فی سبیلک اجعل لنا السبیل علیھم۔

چڑھا ہوا پانی دم زدن میں اُتر گیا یہ بھی تو نہ معلوم ہوا کہ اوس پانی کو زمین جذب کر گئی یا آسمان پر ابخرے بن کے اُڑ گیا کمر کمر پانی تھا سارا لشکر اسلام بسہولت پار پہنچ گیا۔ غرض کہ اہل اسلام دشمنوں کے سروں پر پہنچ گئے اور اُن کے قتل و قید کے بعد مال غنیمت لیکے جیسے گئے تھے ویسے ہی اپنے جائے قیام پر واپس آگئے یہ سب کچھ ایک ہی دن میں ہو گیا۔

اس عجیب و غریب واقعہ کو دیکھ کے ایک راہب مسلمان ہوا۔ اس قسم کے صدہا بلکہ ہزارہا واقعات کتب سیر و تاریخ میں موجود ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ مقربانِ بارگاہ الٰہی کو قدرت دی جاتی ہے وہ جو چاہتے ہیں ضرورت کے وقت کرتے ہیں۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں اترے دیکھے کہ شدت کی گرمی کی وجہ سے کنوئیں کا پانی سوکھ گیا ہے۔ آپ نے ایک برتن میں پانی منگوا کر ڈول میں کلی کی۔ ناجیہ ابن الاعجم کہتے ہیں کہ مجھے وہ ڈول دیکر فرمایا کہ تم کنوئیں میں اتر کر یہہ پانی اُس میں ڈال دو اور ایک تیر عنایت فرمایا کہ اس سے پانی کا راستہ کشادہ کرو وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کلی کا پانی ڈالتے ہی کنوئیں کے پانی کو حرکت ہوئی اور بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ میں اُس میں گھر گیا اور اتنا بڑھا کہ لب تک پہنچ گیا اور لوگ اپنے ہاتھ سے پینے لگے۔ اور سب سیراب ہوئے اُس وقت چند منافق لوگ بھی پانی کی حالت کو دیکھ رہے تھے۔ اَوس بن خولی نے عبد اللہ بن اُبی سے کہا کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ اس کو تو دیکھے کیا اس کے بعد بھی کوئی اور بات دیکھنے کی ضرورت ہے۔ جب ہم اس کنوئیں پر آئے تو اُس کی یہہ حالت تھی کہ کھر وچ کھر وچ کے پانی نکالتے تو برتن میں ایک گھونٹ پانی بھی نہیں آتا تھا۔ حضرت نے کلی کر کے جب اوس میں ڈلوایا تو

پانی کو جوش ہوا۔ اُس نے کہا ہم اس قسم کے امور بہت دیکھ چکے ہیں۔ اوس رضؓ نے کہا خدا تجھے اور تیری رائے کو تباہ کرے۔ جب ابن اُبی حضرتؐ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا جو آج تم نے دیکھا وہ کیسی بات تھی۔ کہا ایسا واقعہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ فرمایا پھر اُس وقت ویسی بات کیوں کہی۔ کہا میں اس سے استغفار کرتا ہوں۔ انتہیٰ۔

اگر اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی قدرت کہیں تو بھی بے موقع نہیں۔ اس لیے کہ حضرتؐ ہی سے اس کا ظہور ہوا۔ جس طرح ہمارے افعال ہم سے ظاہر ہو کر اثر کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کہیں تو بھی بجا ہے۔ کیونکہ دنیا میں جس چیز کا ظہور ہوتا ہے خدا تعالےٰ ہی کی قدرت سے ہوتا ہے۔ کسی کی قدرت مستقل نہیں۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ غزوۂ خیبر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا کہ کل میں نشان ایسے شخص کے ہاتھ میں دونگا جس کو خدا و رسول دوست رکھتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ علیؓ کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ اُن کی آنکھوں میں درد ہے فرمایا اُن کو بلالو۔ جب وہ آئے تو آپ نے اُن کی دونوں آنکھوں میں تھوکا جس سے وہ فوراً اچھے ہو گئے۔ اور نشان اُن کو عطا فرمایا۔ وہ نشان لیکر روانہ ہو گئے۔ اور قلعہ کے پاس اُس کو گاڑ دیا۔ قلعہ پر سے ایک یہودی نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ آپ نے کہا علیؓ اُس نے کہا۔ اب تم غالب ہو گئے

چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ کہ آپ نے قلعہ کو فتح کر لیا ۔ انتہیٰ ۔

اس کی وجہ یہی ہو گی کہ اُن کی کتابوں میں لکھا ہو گا کہ جن کے ہاتھ پہ وہ قلعہ فتح ہو گا ان کا نام علیؓ ہو گا ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آب دہن مبارک میرے آنکھوں میں ڈالا کبھی نہ آشوب چشم ہوا نہ سر میں درد اور نہ کبھی سردی ہوئی نہ گرمی ۔ اسی وجہ سے آپ سخت سردی کے وقت بھی ایک ہی چادر اوڑھتے تھے ۔ یہہ لعاب مبارک کا اثر تھا کہ عمر بھر کے لئے دوا ہو گئی اور صرف دوا ہی نہیں بلکہ طبعی امور میں بھی انقلاب ہو گیا کہ کرۂ ہوا کی تاثیر سے آپ کا جسمِ مبارک مستثنیٰ ہو گیا ۔ سردی اور گرمی ہوا کی طاقت نہ تھی کہ اپنا زور بتائے ۔ دیکھئے سرد ہوا کے اثر کو روکنے کے لئے کیسی کیسی تدابیر کیجاتی ہیں جسم اور ہوا کے درمیان گرم لباس حائل کیا جاتا ہے تاکہ وہ جسم تک نہ پہنچے ۔ کبھی آگ جلا کر ہوا کی سردی دفع کیجاتی ہے ۔ تاکہ اُس کا اثر باقی نہ رہے اور یہاں برخلاف اُس کے خالص سرد ہوا بغیر کسی حائل کے برابر جسم کو لگتی تھی مگر اُسکا اثر نہیں ہوتا تھا ۔ جس طرح ابراہیم علیہ السّلام کے جسم مبارک کو آگ لگتی تھی مگر اسکا کچھ اثر نہین ہوتا تھا اگر تامل سے دیکھا جائے تو ابراہیم علیہ السّلام کے واقعہ مین اس مین کوئی فرق نہین ۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہے اسلئے کہ وہان چند ساعتون تک وہ بات رہی اور یہان عمر بھر ۔ اسی قسم کے آثار مشاہدہ ہونے کی وجہ صحابہ روز آنہ حضرتؐ کا تھوک اور رینٹ لے لیکر چہرون پر

سردی گرمی کا اثر نہ ہونا ۔

ملتے تھے تاکہ دارین میں سرخروئی حاصل رہے۔

شفا میں روایت ہے کہ ابن ملاعب الاسنہ رضہ کو استسقاء کی شکایت ہوئی (یہہ ایک سخت بیماری ہے پیٹ میں زرد پانی جمع ہو جاتا ہے) انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کو عرض حال کے لئے روانہ کیا حضرت نے اُن سے سنتے ہی تھوڑی مٹی لی اور اُس میں تھوک کر اُس شخص کو دیدیا اُس نے خیال کیا کہ یہہ صرف دل لگی کی گئی ہے پھر وہ مٹی لے گئے اور ایسی حالت میں پہنچے کہ ابن ملاعب قریب المرگ ہو گئے تھے۔ اُنہوں نے اُس مٹی کو پانی میں گھول کر پیا اور خدا کے فضل سے اُن کو صحت ہو گئی۔ انتہیٰ۔

دیکھئے اُس مبارک تھوک کی یہہ برکت تھی کہ مہلک مرض دفع ہو گیا اور دوبارہ زندگی پائی۔ ہر وقت لب مبارک کی یہی تاثیر تھی۔

شفا اور اس کی شرح خفاجی میں یہہ روایت ہے کہ حبیب بن فدیک کہتے ہیں کہ میرے والد کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئی تھیں جن سے کچھہ نظر نہیں آتا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں آنکھوں میں تھوکے فوراً وہ شکایت رفع ہو گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اسّی سال کی عمر میں اُن کی بصارت کی یہہ حالت تھی کہ سوئی میں تاگا پرو دیا کرتے تھے۔ انتہیٰ۔

یہہ امر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ اسّی سال کی عمر میں بصارت کا

کیا حال ہوتا ہے ۔ اگر کوئی بیماری بھی نہ ہو تو پیرانہ سالی خود تمام قوتوں کو زائل کرنے والی ہے مگر اُس لب مبارک کی یہہ برکت تھی کہ علت نابینائی کو زائل کرکے بصارت کو بے زوال بنا دیا ۔ ایک فضلہ میں ایسی تاثیرات ہوں تو خاص نظر جن کے حالوں پر ہوتی تھی اور ان میں سے خاص وہ حضرات جو منظور نظر تھے اُن کے قوائے روحانی اور بصیرت کا کیا حال ہوگا اسی وجہ سے اولیاء اللہ کیسے ہی مدارج ہوں صحابہ سے نہیں بڑھ سکتے ۔

شفاء اور اس کی شرح خفاجی میں یہہ روایت ہے کہ اُحد کی لڑائی میں کلثوم بن حصین کے گلے میں (جہاں رگ جاں ہے جس میں زخم لگے تو آدمی نہیں جیتا) پتھر لگا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس میں تھوکا اور وہ اچھے ہوگئے ۔ انتہیٰ ۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر تھوڑی دیر توقف ہوتا تو مقام زخم کے لحاظ سے اُن کے شہید ہو جانے میں کوئی بات باقی نہ تھی مگر اُس لب جاں بخش کا یہ اثر تھا کہ گویا مردہ کو زندہ کردیا ۔ انتہی ۔

شفاء اور اُس کی شرح میں یہہ روایت ہے کہ غزوہ خندق کے روز علی بن الحکم نے گھوڑا خندق میں اُتارا اُس نے شوخی کی جس سے دیوار کا ایسا صدمہ اُن کے پاؤں پر پہنچا کہ ساق ٹوٹ گئی ۔ اُسی حالت میں وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اپنا آب دہن اُس پر

ڈالا وہ فوراً اچھے ہو گئے اور گھوڑے سے اُترنے کی نوبت بھی نہ آئی انتہیٰ
شفا اور اس کی شرح میں ہے کہ جنگ بدر میں معوذ بن عفرا رضی اللہ عنہ
کا ہاتھ مونڈھے سے کٹ گیا جس کا صرف تسمہ باقی رہ گیا تھا وہ اسیطرح
لڑتے رہے۔ جب اُس سے بہت ایذا ہونے لگی اپنا پاؤں اُس پر رکھ کر
اُسے جدا کر دیا اور اُس کو دوسرے ہاتھ میں لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اُس پر تھوک کر اُس کے مقام پر اُسے
جما دیا اور وہ حالت اصلی پر آگیا۔ انتہیٰ ملخصاً۔

کیا عقلی قاعدے سے ممکن ہے کہ شرائین اعصاب وغیرہ کٹ جائیں اور
ہاتھ بالکل علیٰحدہ ہو جائے پھر کسی تدبیر سے وہ حالت اصلی پر آجائے
ہرگز نہیں۔ کیونکہ جب دن بھر وہ ہاتھ منقطع رہا ہو اُس کے مردہ ہونے میں
کیا شک۔ ایسے مردہ کو کیا زندہ کرنا ممکن ہے۔ مگر سبحان اللہ آپ
دہن مبارک کی یہہ تاثیر تھی کہ اُس مردہ کو دوبارہ زندہ کیا۔

شفا میں یہہ روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت اپنے لڑکے کو
حضرتؐ کی خدمت میں لائی جو دماغی عارضہ کی وجہ سے بات نہیں کرتا تھا۔
حضرتؐ نے پانی منگوا کر اُس میں کلی کی اور اپنے دونوں ہاتھ دھوئے
اور وہ پانی اُس عورت کو عنایت کر کے فرمایا کہ لڑکے کو پلادو اور کچھ
منہ پر لگا دو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس عمل کے ساتھ ہی لڑکا اچھا ہو گیا اور

ایسا عقلمند ہوا کہ اوروں کی عقل سے اُس کی عقل بڑھ گئی ۔ انتہیٰ ۔

سبحان اللہ تبرکات کے یہہ آثار ہوتے ہیں کہ جانور کو آدمی بنادیتے ہیں ۔کیونکہ وہ لڑکا جب بات ہی نہیں کرتا تھا اور اُس میں عقل بھی نہ تھی تو اُسکو حیوان ناطق کہنے ہی میں کلام ہے ۔ صرف آدمی کی شکل قدو قامت سے کوئی آدمی نہیں ہوسکتا جب تک وہ ناطق و عاقل نہو ۔ ایسے کو عاقل و ناطق بنا دینا بعینہٖ حیوان کو آدمی بنا دینا ہے ۔ انتہیٰ ۔

شفاء اور اُس کی شرح میں یہہ روایت ہے کہ محمد بن حاطب کم عمر لڑکے تھے اُن کے ہاتھ پر پکی ہوئی دیگ اُلٹ گئی اور ہاتھ جل گیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پر ہاتھ پھیرا اور لب مبارک لگا دیا فوراً اچھا ہوگیا ۔ انتہیٰ ۔

(حاشیہ: اثر لعاب مبارک)

شفاء میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایکروز کھانا تناول فرما رہے تھے ۔ ایک لونڈی آئی اور کھانا طلب کیا آپ کے روبرو جو کھانا رکھا تھا اُس میں سے کچھ عطا فرمایا اُس نے کہا میں یہہ نہیں چاہتی آپ کے منہ میں کا نوالہ مجھے چاہئے آپ نے عطا فرمایا کیونکہ آپ سے جو کچھ مانگا جاتا تھا اُس کے دینے میں آپ دریغ فرماتے نہ تھے ۔ اُس نے وہ نوالہ کھالیا وہ لونڈی بے حیائی میں مشہور تھی مگر اُس نوالۂ مبارک کا یہہ اثر ہوا کہ معدہ میں پہنچتے ہی اس پر حیا طاری ہوگئی اور اسقدر وہ حیادار ہوئی کہ تمام مدینہ منورہ میں اُس سے زیادہ حیادار کوئی عورت نہ تھی ۔ انتہیٰ ۔

(حاشیہ: اثر نوالۂ دہن مبارک)

خصائص کبریٰ میں ہے کہ ترمذی ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ سلمہ بن اکوع رضی کی پنڈلی پر زخم کا اثر تھا۔ میں نے پوچھا کہ اسکا کیا واقعہ ہے انہوں نے کہا کہ خیبر کی لڑائی میں مجھے یہ زخم لگا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ زخم کاری ہے۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے تین بار اوس پر تھوکا اُس کے بعد آجکی ساعت تک اُس سے متعلق کوئی شکایت مجھے نہ ہوئی۔ انتہیٰ۔

اب چاہیں اسے اثر روحانی کہیئے یا دوا یا معجزہ۔ معجزہ کہنے میں اسوجہ سے تامل ہوتا ہے کہ یہ تاثیر بتاکر کسی کافر کو عاجز کرنا مقصود نہ تھا۔ اگر دوا کہیں تو کوئی دوا ایسی نہیں سنی گئی کہ زخم کاری کا فوراً اندمال کر دے۔ اور درد بھی فوراً جاتا رہے۔ دراصل بات ہی کچھ اور تھی۔ جس کا سمجھنا معمولی عقلونکا کام نہیں۔

شمس التواریخ میں لکھا ہے کہ جنگ بدر میں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مقام روحہ میں پہنچے کہ ایک اونٹ جس پر خلاد اور عبید اور خلاد کے بھائی سوار تھے تھک کر بیٹھ گیا۔ اور حضرت سے اُس کی شکایت کی۔ آپ نے پانی منگوایا اور وضو کرکر اوس پانی میں کلیاں کیں اور فرمایا کہ یہ پانی اسکے منہ میں ڈالدو۔ چنانچہ اونٹ کا منہ کھول کر وہ پانی اُس کو پلادیا گیا تھوڑا سا پانی جو باقی رہ گیا تھا اُس کے سر و گردن اور شانوں اور کوہان اور ریڑ پر دُم تک ڈلوادیا۔ اور فرماکر کہ اب تم لوگ اس پر سوار ہوجاؤ آپ آگے کو

روانہ ہو گئے۔ اونٹ سواروں کو لیکر بھاگ نکلا۔ انتہیٰ۔

یہ لب مبارک کی تاثیر تھی کہ تمام اعصاب جو ضعیف ہوئے تھے فوراً قوی ہو گئے حالانکہ ہنوز وہ آب دہن اُن اعصاب تک پہنچا بھی نہ تھا

خصائص کبریٰ میں ہے کہ عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے لوگوں نے پیاس کی شکایت کی آپنے علی کرم اللہ وجہہ اور ایک دوسرے شخص کو بلا کر فرمایا کہیں سے پانی ڈھونڈ لاؤ وہ روانہ ہوئے۔ ایک عورت اُن کو راہ میں ملی جو اونٹ پر دو پکھالیں پانی کی لاد کر لے جاتی تھی۔ اُس سے پوچھا کہ پانی کہاں ہے۔ اُس نے کہا کہ کل اس وقت میں پانی کے پاس سے نکلی ہوں اُس کو حضرت کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے ایک برتن منگوایا اور اُنہیں پکھالوں سے پانی لیکر اُس میں کلی کی اور اُن پکھالوں میں اُسکو ڈلوادیا اور اُن کے منہ کھول کے لوگوں میں پکار دیا گیا۔ کہ پانی پیو اور جانوروں کو پلالو۔ چنانچہ سب نے پیا اور پلایا اور وہ عورت دیکھتی کھڑی تھی۔

راوی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جب پکھالوں کا منہ باندھ دیا گیا تو ہمیں خیال ہوتا تھا کہ پہلے سے بھی وہ زیادہ بھری ہوئی ہیں۔ پھر فرمایا کہ اُس عورت کو کچھ جمع کردو۔ چنانچہ کھجوریں۔ آٹا۔ ستّو بہت کچھ اُسکو جمع کر دیا گیا اور حضرتؐ نے اس سے فرمایا کہ جانتی ہو کہ ہم نے تیرے پانی سے کچھ خرچ نہیں کیا بلکہ

سیراب ہونا۔ پانی سے لشکر کا تھوڑے سے

خدائے تعالےٰ نے ہمیں پلایا۔ جب وہ عورت اپنے قبیلے میں پہنچی تو اُس سے لوگوں نے تاخیر کا سبب دریافت کیا۔ اُسنے کہا کہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ دو شخصوں نے مجھے اُس شخص کے پاس لے گئے۔ جس نے نیا دین نکالا ہے۔ اور وہ واقعہ جو پانی کا گزرا تھا بیان کرکے کہا کہ یا تو آسمان و زمین کے مابین اُس سے زیادہ کوئی جادوگر نہیں یا یہ بات ہے کہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔ اس واقعہ کے بعد مسلمان لوگ اُس قبیلے کے اطراف و جوانب تاخت و تاراج کرتے تھے لیکن اس قبیلے کا کبھی قصد نہیں کیا۔ ایک روز اُس عورت نے اپنے قبیلے سے کہا کہ میں یہ خیال کرتی ہوں کہ تم لوگوں کو وہ قصداً چھوڑ دیتے ہیں۔ کیا تم اسلام لانیکو مناسب سمجھتے ہو۔ لوگوں نے اُس کی اطاعت کی اور وہ کل قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ انتہیٰ۔

ظاہراً یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب حضرت کو یہ اقتدار حاصل تھا کہ تمام لشکر کو دو پکھالوں کے پانی سے سیراب کیا۔ اور وہ پکھالیں بھری کی بھری رہیں۔ تو پھر پانی کی تلاش کی کیا ضرورت تھی جس کے لئے دو جلیل القدر صحابی رضہ کئے گئے۔ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام عبودیت تھا۔ جو باتفاق جمیع اولیا اللہ ثابت ہے کہ وہ ارفع مقامات ہے۔ اگر حضرت وہیں پانی جاری فرمادیتے تو لوگوں کو خیال ہوتا کہ حضرت پانی کے خالق ہیں۔ اگرچہ کلمۂ (کُن) مقربین بارگاہ الٰہی کو دیا جاتا ہے۔ یعنی جب وہ کسی چیز کو موجود

کرنا چاہتے ہیں تو "کن" کہدینا اُنکا باذن الٰہی کافی ہوتا ہے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کمال ادب سے اس کو بھی گوارا نہیں فرماتے تھے۔ اس وجہ سے پانی کے تلاش کی ضرورت ہوئی۔ تاکہ کسی کا خیال خالقیت کے طرف منتقل نہ ہو۔

حق تعالیٰ جنت میں ہر مسلمان کو قوت و تصرف عنایت فرمائیگا کہ بمجردِ خیال کے جو چیز وہ چاہے موجود ہو جائے گی۔ چونکہ منشاء اس کا تقرب الٰہی ہے تو مقربان بارگاہ کو دنیا میں بھی اگر یہ صفت عنایت ہو جائے تو فضل الٰہی سے کونسی بڑی بات ہے۔ اس قسم کے خیالات کی نسبت جو کہا جاتا ہے کہ مشرکانہ خیالات ہیں اُس کا باعث سوا اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ آیات و احادیث میں غور نہیں کیا جاتا۔

صحابہ جو اُس قبیلے کو لوٹتے نہ تھے۔ اُس کا سبب یہ تھا کہ ضرورت کے وقت اُس قبیلے کی عورت کے پانی سے ایک بار نفع اُٹھایا تھا۔ سبحان اللہ اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ ایک بار بھی اگر کسی کے طرف سے احسان ہو گیا تو عمر بھر اُس کو بھولتے نہ تھے اور اگر اُس کے ضرر پہونچانے میں یقینی نفع بھی ہوتا ہو تو اُس نفع سے دست بردار ہو جاتے۔ پھر اس موقع میں تو اُس عورت نے کوئی احسان بھی نہیں کیا تھا۔ اس لئے کہ اُس کے پانی سے تو ایک قطرہ بھی خرچ نہیں ہوا بلکہ اور زیادہ پانی اُس میں ہو گیا تھا۔ مگر اُنہوں نے اس موقع میں بھی احتیاط

اسلامی تعلیم سے حفاظت احسان

سے کام لیا کہ شاید جو پانی پیا گیا وہ پکھال ہی کا پانی ہو۔ یا قدرتی پانی کے ساتھ شامل ہو گیا ہو۔ بہرحال ان حضرات کی نازک خیالیاں ایسے موقع میں ہوا کرتی تھیں کہ جہاں دنیوی نقصان اُٹھانا لازم ہو بخلاف اس کے ہمارے زمانہ میں احتیاط اور نازک خیالیوں کا منشا یہ ہوتا ہے کہ دنیاوی نقصان سے محفوظ رہیں اور احسان فراموشی تو آجکل ضروری چیز بلکہ داخل تہذیب سمجھی جاتی ہے اگر عمر بھر کسی کے ساتھ احسان کیجئے اور کوئی ایک فرمائش اُن کی پوری نہ کی جائے تو مخالفت کا سامان پیدا ہو گیا اور جتنے احسان ہوئے وہ سب کالعدم ہو گئے۔

سیرۃ نبویہ میں روایت ہے کہ سلمان فارسی رضؓ پر چالیس اوقیہ قرض تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مرغ کے انڈے کے برابر سونا اُن کو عنایت کر کے فرمایا کہ اس سے اپنا قرض ادا کردو انہوں نے عرض کی کہ مجھ پر چالیس اوقیہ قرض ہے اُس کے مقابلے میں یہ کسی شمار میں نہیں آسکتا آپ نے سونا لیکر اپنی زبان مبارک پر پھیرا اور فرمایا کہ لیجاؤ خدا تعالیٰ اس سے تمہارا قرض ادا کردیگا وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کو تولکر چالیس اوقیہ قرض ادا کردیا اور اُتنا ہی میرے پاس باقی رہا۔ انتہیٰ۔

دیکھئے کہ جب سلمان فارسی رضؓ نے اس سونے کو دیکھا تو کہا۔ این تقع هٰذہ مما علیّ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چالیس اوقیہ کے مقابلہ میں یہ کسی شمار میں نہیں

مگر وہ اتنا بڑھ گیا کہ اسّی اوقیہ ہوگیا یہ برکت تھی جس کو حضرتؐ کے لب مبارک سے نے اُس میں پیدا کردیا۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ خالد بن ولید رضؓ حنین کی لڑائی میں زخمی ہوئے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے زخم میں تھوکا اور فوراً زخم چنگا ہوگیا۔ اس قسم کے اکثر واقعات وقوع میں آئے ہیں۔ انتہیٰ۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ راشد ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں مدینۂ طیبہ کو جاکر مشرف باسلام ہوا اور بیعت کی اس کے بعد درخواست کی کہ زہاط جو مکۂ معظّمہ کے قریب ایک گاؤں ہے اس کی زمین میں سے تھوڑی زمین بطور مقطعہ عطا ہو۔ حضرتؐ نے وہ عطا کرکے ایک ڈولچی میں پانی منگوایا اور اُس میں تھوک کر اُن سے فرمایا کہ یہ پانی مقطعہ کے بلند مقام میں ڈالدو اور پانی زیادہ ہو جائے تو لوگوں کو اس کے پینے سے منع نہ کرنا۔ وہ کہتے ہیں جب میں نے وہ متبرک پانی اس مقام میں ڈالا تو ایک چشمہ اس سے جاری ہوگیا اور ایک بستان وہاں لگایا جو اُس چشمہ کے پانی سے سیراب ہوتا ہے۔ اور صرف وہ ہی نہیں بلکہ وہاں کی کل زمینیں اس سے سیراب ہوتی ہیں اور لوگ اُس میں نہاتے ہیں اور بیمار اُس میں نہا کر شفا پاتے ہیں۔ لوگوں نے اُس چشمہ کا نام ماء الرسول رکھا ہے۔ انتہیٰ۔

دیکھئے وہ لعاب مبارک تولا جاتا تو ایک تولہ سے زیادہ نہ ہوتا مگر ایک چشمہ

اس سے جاری ہوگیا جو دن رات کثرت سے بہتا رہتا ہے ۔ سبحان اللہ برکت اسے کہتے ہیں کیا کوئی ایسا چشمہ بہا سکتا ہے یا اس کی حقیقت کا ادراک کر سکتا ہے ہرگز نہیں ۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک بار ایک کنوئیں پر تشریف فرما ہوئے جس کا نام بئر بضاعہ ہے اور ڈول میں وضوء کا پانی جمع کر کے اُس میں کلی کی اور کنوئیں میں وہ پانی ڈالدیا اور اس میں لعاب مبارک بھی ڈالا ۔ حضرت کے زمانۂ مبارک میں جب کوئی بیمار ہوتا تو فرماتے کہ اُس کنوئیں کے پانی سے نہالو ۔ چنانچہ نہاتے ہی فوراً صحت ہو جاتی ۔

لعاب مبارک کے اثر سے بئر بضاعہ گویا چشمۂ آب حیات ہوگیا تھا ۔ آبحیات نہیں معلوم کس تاریکی اور گوشۂ خمول میں ہے ۔ بخلاف بئر بضاعہ کے کہ اُس کے تاثیرات علانیہ ظاہر تھیں جس سے ہر قسم کے بیمار صحت پاتے تھے

خصائص کبریٰ میں ہے ۔ اُمّ عاصم کہتے ہیں کہ ہم چار عورتیں عتبہ بن فرقد کی نکاح میں تھیں ہر ایک چاہتی کہ اپنی سوت سے بہتر خوشبو لگائے اور عتبہ کبھی خوشبو نہیں لگاتے تھے مگر سب سے عمدہ خوشبو اُن کے جسم سے مہکتی تھی اور لوگ کہتے کہ عتبہ کی خوشبو سے بہتر ہم نے نہیں سونگھی ۔

ایک روز اُن سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ ایک بار میرے جسم پر بثور بہت ہوگئے تھے میں نے حضرت سے شکایت کی فرمایا جسم سے

کپڑے اُتار دو میں صرف شرمگاہ پر کپڑا ڈھانپ کر بالکل برہنہ ہوگیا۔ اور حضرت کے روبرو بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنا آبِ دہن دونوں دستِ مبارک میں لیکر میری پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا اُس روز سے یہ خوشبو میرے جسم سے مہکتی رہتی ہے۔ انتہیٰ۔

یہاں مقصود بالذات اُن کے بثور کا علاج تھا۔ مگر لعاب مبارک نے اُن پر وہ اثر کیا کہ اُن کے جسم کو پاکیزہ اور خوشبودار بنا دیا۔ ہر چند بظاہر جسم کے اندر اُس کی سرایت نہیں ہوئی تھی۔ اگر اعلیٰ درجہ کی خوشبو تمام جسم پر لگا دیجائے تو ایک دو روز سے بڑھکر اس کا اثر نہ رہ سکتا بخلاف اس کے یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام اخلاط میں اُس کی سرایت ہوگئی تھی۔ بلکہ اس سے بھی ایک درجہ بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ بدل ما یتحلل جب پیدا ہوتا تھا تو وہ بھی معطر ہو کر پیدا ہوتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ گویا اُن کے جسم کی ماہیت ہی بدل گئی۔

السیرۃ النبویہ میں وائل ابن حجر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول میں کلی کر کے کسی کنوئیں میں وہ پانی ڈلوا دیا۔ اُس کا اثر یہ ہوا کہ علانیہ اُس کے پانی میں مُشک کی بو آتی تھی۔ انتہیٰ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خوشبو نہایت مرغوب تھی اور کل ارواح صالحہ کو مرغوب ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے جمعہ کے روز مساجد میں بخور جلانا اور لباس

کو خوشبو لگانا مسنون ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک میں اگر خوشبو ہو تو کیا تعجب حضرت سراپا معطر تھے۔

چنانچہ خصائص کبریٰ میں متعدد روایتیں عایشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت بشری سے فارغ ہوتے تو وہاں مشک کی خوشبو مہکتی رہتی۔ ایک بار میں نے عرض کی حضرت نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیاء کے اجساد جنتیوں کے ارواح پر بنائے جاتے ہیں یعنے جنتیوں کی روحوں میں جو لطافت اور پاکیزگی اور خوشبو ہوتی ہے وہ ہمارے جسموں میں ہوتی ہے اور اس کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جو خصائص کبریٰ میں ذکوانؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں اور نہ قضائے حاجت کے بعد کوئی اثر وہاں باقی رہتا بلکہ زمین نگل جاتی تھی۔ اس کے سوا متعدد روایتوں سے جو خصائص کبریٰ وغیرہ میں مذکور ہیں اسکا ثبوت ملتا ہے چونکہ مسلمانوں کے ارواح کو خوشبو مرغوب ہے۔ اسی وجہ سے میت کے کفن کو حنوط جو ایک قسم کی خوشبو ہے لگانیکا حکم ہے حالانکہ مردی کی حس جسمانی قبر میں باقی نہیں رہتی۔ بلکہ صرف روحانی تعلق رہ جاتا ہے۔ اسی تعلق روحانی کی وجہ سے کفن کو معطر کرنیکی ضرورت ہے۔

یہیں سے اہل اسلام نے بزرگانِ دین کی قبروں پر پھول چڑھانے اور صندل وغیرہ لگانیکا مسئلہ استنباط کیا ہے اگرچہ اسکی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ فاتحہ کے

موافقت مسئلہ سوال دوم

وقت عود کیوں جلایا جاتا ہے۔ غالباً وجہ اس کی یہ ہو گی کہ کسی بزرگ صاحب کشف نے اس امر کا احساس کیا ہو کہ روح کو اسوقت تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے گو کتنی ہی دور کیوں نہ ہو کیونکہ قرب و بعد جسم کے لوازم میں سے اور ہر ایک جسم کا حیز دوسرے جسم کے حیز سے ممتاز ہوتا ہے۔ اور دونوں عنصروں میں ممکن ہے کہ قرب یا بعد ہو بخلاف روح کے کہ جسم حیز دار نہیں ہے اس لئے قرب و بعد اس کا قرین قیاس نہیں۔ غرضکہ فاتحہ کے وقت ممکن ہے کہ روح کو خاص تعلق اس مقام سے ہو جائے۔ اس وجہ سے خوشبو کا استعمال اسوقت مناسب سمجھا گیا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ خوشبو کے ساتھ اہل اسلام کے ارواح کو مناسبت ہے کیونکہ یہ لوگ جنتی ہیں اور اہل جنت کے لئے اقسام کے خوشبوئیاں مہیا کی گئیں ہیں۔ بخلاف کفار کے کہ ان کے لئے دوزخ میں اقسام کی بدبوئیاں مہیا ہیں۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ عبداللہ بن عامر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کئے گئے (غالباً یہ بیمار تھے) آپ نے ان پر اپنا لعاب مبارک ڈالا اور ان کو اللہ کی پناہ میں دیا وہ لعاب مبارک کو نگلنے لگے۔ یہ دیکھ کر فرمایا کہ یہ سیراب کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد ان کا یہ حال تھا کہ جب کسی زمین کی سیرابی کی طرف توجہ کرتے تو وہاں پانی نکل آتا۔ انتہیٰ۔

لعاب مبارک کے نگلنے کی وجہ سے جو آپ نے خبر دی کہ یہ سیراب کرنیوالے ہیں

اس سے لب مبارک کی تاثیر کا پتا چلتا ہے کہ جس طرح حضرتؐ کے لعاب مبارک سے چشمے نکل آتے تھے ان کی توجہ سے بھی خشک زمین میں چشمے نکلنے لگے۔ ابتداءً لعاب مبارک جسم میں اثر کیا اس سے خیال و توجہ میں۔ اس سے زمین میں اثر پیدا ہوا۔ پھر یہ اثر محدود نہ تھا۔ بلکہ توجہ میں ایک دائمی ایسی تاثیر پیدا ہوگئی کہ جب ارادہ کرتے اور زمین پر توجہ ڈالتے تو وہاں پانی نکل آتا اور زمین سیراب ہوتی۔

شمس التواریخ میں لکھا ہے کہ حارثہ ابن سراقہ جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ان کی شہادت کی خبر مدینہ منورہ میں مشہور ہوئی اُن کی والدہ کہتے ہیں کہ اس دن حارثہ ابن سراقہ حوض پر تھے ناگاہ ایک بہت تیز تیر اُن کے سینہ میں آکے لگا اور وہ شہید ہوئے۔ جب مدینہ میں اُن کے مرنے کی خبر اُن کی والدہ اور بہن کو پہنچی تو ماں نے کہا کہ جب تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صحیح و سالم مدینہ میں نہ آلیں گے میں اپنے بیٹے کو ہرگز نہ روؤں گی۔ اُن سے پوچھوں گی کہ حضرتؐ اگر میرا بیٹا بہشت میں ہے تو خوشی کا مقام ہے رونے کی کچھ ضرورت نہیں۔ ہاں اگر وہ فرمائیں گے کہ حارثہ دوزخ میں ہے تو روؤں گی اور قسم ہے خدا کی پھر میں اُس کو چلا چلا کے روؤں گی۔ آخرش جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر سے مراجعت فرمائی تو مادر حارثہ خدمت عالی میں حاضر ہوئیں اور حال حارثہ کا پوچھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

قسم ہے خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ۔ حارث جنت الفردوس میں ہے ۔ماں بولی اب میں اس کے لئے ہرگز بکا نہ کروں گی اُس وقت حضور نے ایک پیالہ پانی کا طلب کیا اُس میں اپنے ہاتھ دھوئے اور کُلی کرکے اُس میں ڈالدی اور حارث کی ماں کو وہ پانی پلادیا اور جو کچھ باقی رہا حارث کی بہن کو دیدیا ۔ اُس نے بھی پیا پھر حکم دیا کہ اس میں سے تھوڑا سا پانی اپنے گریبانوں پر چھڑک لو اُن دونوں نے یہی کیا اور اپنے گھر چلی گئیں راوی کہتے ہیں کہ پھر مدینہ بھر میں کوئی عورت اُن سے زیادہ خوش و خرم نہیں نظر پڑی ۔ انتہیٰ ۔

ہر چند اُن بیوی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر رونا ترک کردیا تھا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن کی حالت ظاہری اور باطنی سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اُن کے دل پر سخت صدمہ ہے جس سے ضرر کا اندیشہ ہے ۔ کیونکہ غم اور خوشی آدمی کی اختیاری چیز نہیں ۔جب غم کے اسباب قائم ہوجاتے ہیں تو غم کا ہونا ایک لازمی امر ہے اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک اُن کی تسکین کے لئے استعمال فرمایا جس کی تاثیر یہ ہوئی کہ بجائے غمی کے اُن کے دل میں مسرت اور شادی پیدا ہوگئی اور اسقدر شادماں تھیں کہ مدینہ طیبہ میں اُن سے زیادہ خوش کوئی نہ تھا ۔ یہ تھی تاثیر لب مبارک کی ۔

لعاب مبارک سے غم دل میں خوشی پیدا ہوئی

شمس التواریخ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کے روز صدیق اکبر رضؓ کو ہمراہ لیکر غار ثور پر پہنچے صدیق رضؓ کو خیال آیا کہ لوگ اس غار میں کیڑے مکوڑے بہت سے بتاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو کچھ مضرت پہنچے۔ بہتر یہ ہے کہ اس غار میں پہلے میں جاؤں تاکہ جو کچھ ہونا ہو مجھی کو ہوجائے۔ اجازت لیکر اندر گئے۔ دیکھا کہ بڑا ہی تاریک اور ظلمانی غار تھا۔ ہاتھ سے ٹٹول کر جسقدر سوراخ پائے اپنی چادر کے ٹکڑوں سے بھردے۔ اس پر بھی ایک سوراخ رہ گیا اُس میں اپنی ایڑی لگادی اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اندر بلالیا۔ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے زانو پر سر رکھ کر سو رہے اگرچہ اُن کو سانپ بچھو کاٹتے لیکن اس خیال سے دم نہ مارتے تھے کہ حضرتؐ کے خواب نوشین میں خلل نہ پڑے۔ آخر کار کسی ایسے موذی کیڑے نے کاٹا کہ بوجہ تکلیف اُن کے آنسو نکل پڑے اور حضرت کے رخسارۂ مبارک پر گرے آپ نے چونک کر دریافت فرمایا اُنھوں باعث بتایا حضرتؐ نے آب دہن مبارک اُس مقام پر لگا کر دعا کی جس سے فوراً ساری تکلیف دفع ہوگئی اور پھر کسی جانور نے نہ کاٹا۔ انتہی ملخصاً۔

سُبحان اللہ آب دہن مبارک عجیب نسخۂ جامعہ تھا کہ ہر مرض کی دوا اور محتاج کا حاجت روا تھا۔

خصائص کبریٰ میں عبداللہ بن ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ

جب مدینہ میں تجارت کے جانور آئے تو میرے والد نے ایک گھوڑا خریدا اُس وقت مسعدہ فزاری سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے پوچھا اے ابوقتادہ یہ گھوڑا کیسا اُنہوں نے کہا میں نے اُسے اس لئے خریدا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت دوں۔ اُس نے کہا تم لوگوں کا قتل کرنا بہت آسان ہے ابوقتادہ رض نے کہا میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ تجھ سے ایسی حالت میں ملوں جو میں اُس پر سوار ہوں۔ اس نے کہا۔ آمین۔ ایک روز ابوقتادہ رض گھوڑے کو کھجوریں کھلا رہے تھے کہ اُس نے سر اُٹھا کر کان کھڑے کیا انہوں نے کہا کہ غالباً گھوڑوں کی بو اسے آئی ہے۔ ابوقتادہ کی والدہ نے اُن سے کہا کہ ہم لوگ جاہلیت میں ماں کے بیٹے نہ تھے تو اب اس دور میں ہماری کیا حالت ہونی چاہئے۔ مطلب یہ کہ ہم لوگ مرد میدان ہیں۔ گھروں میں رہنا ہمیں زیبا نہیں۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گھوڑے نے پھر سر اُٹھایا اور کان تیز کیا ابوقتادہ رض فوراً مسلح ہوئے اور اُس پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک شخص نے کہا اونٹنیوں کو کفار لے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اُن کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ اُنہوں نے گھوڑے کو تیز کیا چنانچہ حضرت سے مل گئے۔ حضرت نے فرمایا۔ بڑھے جاؤ۔ خدا تمہارے ساتھ رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ اونٹنیوں تک پہنچ گیا اور لشکر کفار نے مجھ پر ہجوم کیا۔ چنانچہ میری پیشانی میں ایک تیر لگا میں نے اسکو کھینچ کر نکالا مگر

تیر کا پیکان رہ گیا۔ اس اثنا میں ایک سوار میرے قریب آیا جو خود پہنا ہوا تھا اور کہا۔ اے ابو قتادہ اللہ نے تمہیں ہمیں ملا دیا۔ اور چہرے پر سے خود وغیرہ ہٹا دیا دیکھا کہ وہی مسعدہ فزاری ہے۔ پھر اُس نے کہا کہ تم کس قسم کی لڑائی پسند کرتے ہو۔ کیا تلوار کی یا بھالے کی یا کشتی۔ میں نے کہا جو تم پسند کرو اُس نے کہا کشتی کرینگے۔ اور یہ کہکر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور میں بھی اُترا۔ اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ میں نے ایک حملہ ایسا کیا کہ اسکو گرا کے اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور اُسکی تلوار چھین لی۔ اُس وقت اُس نے کہا اے ابو قتادہ مجھے زندہ چھوڑ دو۔ میں نے کہا۔ خدا کی قسم یہ ہرگز نہ ہوگا۔ کہا کہ میرے بچوں کی کون کفالت کریگا۔ میں نے کہا جہنم۔ پھر اُس کو قتل کر کے اپنی چادر میں لپیٹ کر وہیں ڈال دیا اور اُس کے کپڑے پہن کر اُس کے ہتھیار لے لئے اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو گیا کیونکہ میرا گھوڑا بھاگ کر اپنے لشکر میں چلا گیا میں وہاں سے آگے بڑھا تو مسعدہ کا بھتیجا ملا۔ جس کے ساتھ سترہ سوار تھے میں نے اُس پر حملہ کر کے اُس کی پیٹھ بھالے سے چھید دی۔ یہ دیکھتے ہی اُسکے ساتھ والے سب بھاگ گئے اور میں نے بھالے سے اونٹنیوں کو روکا جب حضرت لشکر گاہ کو پہنچے تو دیکھا کہ میرا گھوڑا زخمی کھڑا ہے پھر حضرت علیہ السلام آگے بڑھے اور اُس مقام پر پہنچے جہاں مجھ سے اور مسعدہ سے کشتی ہوئی تھی۔ دیکھا کہ ایک شخص ابو قتادہ رضی کے کپڑوں میں لپٹا پڑا ہے کسی نے کہا یا رسول اللہ ابو قتادہ شہید ہو گئے۔ فرمایا اللہ ابو قتادہ پر رحم کرے خدا کی قسم

وہ قوم کے پیچھے رجزیہ پڑھ رہے ہیں۔ یہ سنکر عمر اور ابوبکر رضی اللہ عنہما نے دوڑتے ہوے جاکر دیکھا تو اُن کپڑوں میں لپٹا ہوا شخص مسعدہ تھا۔ اُنہوں نے مارے خوشی کے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے کہا کہ خدا و رسول نے سچ کہا جب میں اونٹنیوں کو ہانکتا ہوا حضرتؐ کے روبرو آیا تو حضرتؐ نے دعا دی کہ تمہارا چہرہ اچھا رہے۔ اور فرمایا کہ تم سواروں کے سردار ہو۔ خدا تم میں اور تمہاری اولاد اور اولادِ اولاد میں برکت دے۔ پھر فرمایا کہ تمہارے منہ کو کیا ہوا۔ میں نے عرض کی کہ تیر لگا فرمایا نزدیک آؤ۔ جب میں نزدیک ہوا تو بہت آہستگی سے پیکان جو اندر رہ گیا تھا کھینچا اور اُسمیں تھوک کر اپنی ہتیلی اُس پر رکھی۔ خدا کی قسم اُس کے بعد نہ اُس میں درد تھا نہ پیپ پڑی۔ راوی کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت ابوقتادہؓ کی عمر ستّر سال کی تھی۔ مگر چہرہ سے پندرا سال کے معلوم ہوتے تھے۔ انتہیٰ

یہ حضرتؐ کی دعا کا اثر تھا۔

خصائص کبریٰ میں ابن شہاب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو یسیر بن رزام یہودی کے طرف تیس سوار دیکر بھیجا جس میں عبداللہ بن انیس بھی تھے۔ یسیر نے عبداللہ بن انیس کے منہ پر وار کیا جس سے وہ سخت زخمی ہوئے۔ جب حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرتؐ نے اپنا لعاب دہن مبارک اُس زخم میں ڈالا تو وہ اچھا ہو گیا۔ اور جو پیپ اُس زخم میں پڑی تھی وہ کچھ بھی نہ رہی۔ انتہیٰ۔

جب صحابہ رضی اللہ عنہم اس قسم کے ہزارہا تاثیرات اور دست مبارک کے برکات

برکات مشاہدہ کرتے تھے اس وجہ سے اُن کو ہمیشہ برکات حاصل کرنیکا خیال رہا کرتا تھا اور اسی خیال سے ایسے ایسے حرکات اُن سے صادر ہوتے تھے کہ بظاہر عرفاً شرعاً طبعاً قابل اعتراض سمجھے جائیں مگر اُن حضرات نے اس کی کچھ پروانہ کی چنانچہ خصائص کبریٰ میں عبداللہ بن زبیر رضی سے روایت ہے کہ ایک بار وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت آئے کہ حضرت پچھنے لگوا رہے تھے جب اُس سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبداللہ یہ خون لیجاؤ اور ایسی جگہ اُسے پھینک دو کہ تمہیں کوئی نہ دیکھے۔ اُنھوں نے لیجاکر اُسے پی لیا جب واپس آئے تو حضرت نے فرمایا اے عبداللہ تم نے اُسے کیا کیا۔ کہا ایسے مقام میں ڈالا کہ میری دانست میں وہ لوگوں سے مخفی ہے۔ فرمایا شاید تم نے اُسے پی لیا عرض کیا جی ہاں! فرمایا وَیۡلٌ لِلنَّاسِ مِنۡكَ وَ وَیۡلٌ لَّكَ مِنَ النَّاسِ۔ مطلب یہ کہ جوانمردی اور قوت تم میں کچھ ایسی بڑھ جائیگی کہ لوگوں کو تم سے صدمہ پہنچیگا جس کی وجہ سے وہ تم کو صدمہ پہنچائینگے صحابہ خیال کرتے تھے اُن میں جو غیر معمولی قوت تھی وہ اُسی خون کی وجہ سے تھی۔ انتہیٰ۔

حافظ ابن عبدالبر رحہ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ معاویہ بن یزید کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سنہ ۶۴ ہجری میں خلیفہ بنے اور سنہ ۷۳ھ میں حجاج کے حکم سے قتل کئے گئے اس طرح کہ چھ مہینے ستر اروز تک مکۂ معظمہ کا اُس نے محاصرہ کیا۔ ایک روز آپ مسجد حرام میں تھے کہ حجاج کے لوگ

مسجد میں گھس آئے۔ آپنے اُن سے مقابلہ کیا۔ سب بھاگ گئے۔ اس کے بعد اہل حمص اندر داخل ہوئے اُن کو بھی اتنا مارا کہ سب بھاگ گئے۔ پھر کسی دروازہ سے اہل اردن داخل ہوئے اُن سے بھی مقابلہ کر کے مسجد سے نکالدیا۔ مگر اس اثنا میں صفا کی طرف سے ایک پتھر اس زور سے آکر آپ کی آنکھوں کے بیچ میں لگا کہ آپ نے سر جھکالیا۔ اور یہ شعر پڑھا ؎

وَلَسْنَا عَلَى الْأَعْقَابِ تَدْمِي كُلُومُنَا وَلٰكِنْ عَلٰى اَقْدَامِنَا يَقْطُرُ الدَّمُ

یعنے ہم ایسے نہیں ہیں کہ ہمارے زخم ہماری ایڑیوں پر خون ٹپکادیں بلکہ ہمارے قدموں پر خون ٹپکا کرتا ہے۔ اُس کے بعد ہر طرف سے لوگ دوڑے اور آپکو قتل کر ڈالا۔ انتہی۔

دیکھئے بنی امیہ اور مروانیوں سے سلطنت کا لینا کوئی آسان کام نہیں اسکے لئے بڑی جوانمردی اور قوت درکار تھی یہ اُسی خون کا اثر تھا جو حضرت کے جسم مبارک کا فضلہ تھا۔ ایک بار اُس کے پی لینے سے گویا قلب ماہیت ہی ہوگئی کہ ہمیشہ کے لئے جوانمرد اور زور آور بن گئے۔

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ خون کا حرام ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ صحابہ رضؓ نے کسی آدمی یا جانور کا خون پیا ہو۔ مگر عبداللہ بن زبیر رضؓ نے بجائے اس کے کہ اُس خون کو کہیں دفن کردیں پی لیا۔ اور آنحضرتؐ نے

بھی اس پر ناراضی ظاہر نہیں فرمائی اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم نے حرام چیز کو کیوں استعمال کیا حضرت صلعم کے خون کی حلت و حرمت کا بیان یہاں مقصود نہیں دیکھنا یہ ہے کہ نص صریح سے جس چیز کی حرمت ثابت ہے اس کو انہوں نے خواہش سے پی لیا۔ اور باوجود دیکھ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے۔ اس کا حکم بھی دریافت نہ کیا۔ پھر وہ کوئی ایسی ذائقہ دار چیز بھی نہ تھی جس کی رغبت ہوئی ہو۔ بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ بالطبع مکروہ ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ محبت کی وجہ سے انکو اسکی کراہت نہ ہوئی اور اس کے پینے کا منشا بھی محبت ہی تھا تو یہ باور نہیں ہوسکتا اسلیئے کہ کیسا ہی دوست اور محبوب ہو اسکا خون یا پیشاب پینا گوارا نہیں ہوتا اور اس کی ضرورت ہی کیا کہ محبوب کے فضلات کھائے اور پیئے جائیں غرض کہ محبت کی وجہ سے انہوں نے یہ کام نہیں کیا۔ بلکہ منشا اس کا کچھ اور ہی تھا اُن کا اعتقاد تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مثل اور اجسام کے نہیں ہے وہ سراپا طاہر اور مطہر ہے بمصداق شعر

تو جان پاکی سربسر نے آب و خاک اے نازنیں ؛ واللہ زجان ہم پاک تر روحی فداک اے نازنیں

لہ و لقائلہ۔ بجسم پاکیزہ تر زجانی بجاں چہ گویم کہ جان جانی ؛ مرا چہ یارا کہ گویم

ز نبیہ، زنخیں بہر گمانی۔ آپ کے جسم مبارک کا ہر جز ہمہ تن نور ہے جس کو اہل بصیرت جانتے ہیں اس میں وہ برکت اور فضیلت رکھی ہوئی ہے کہ کسی دوسری چیز میں نہیں۔ اُس کو اپنے باطن میں پہنچانا باعث ترقی روحانی ہے

اُن حضرات کے اس خیال پر یہ روایت بھی گواہ ہے جس کو قاضی عیاض رح نے شفاء میں نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیشاب کو پی لیا آپ نے اُس بی بی کو فرمایا کہ پیٹ کی بیماریوں کی شکایت اب تمہیں کبھی نہ ہوگی۔ اس سے تو ثابت ہے کہ فضلات کی نسبت بھی صحابہ کا یہی اعتقاد تھا کہ وہ سب تبرک ہیں اور ارشاد نبوی صلعم سے ثابت ہے کہ وہ دوائے امراض جسمانی بھی ہیں جس کی بالطبع آدمی کو رغبت ہوا کرتی ہے جب ہم خیال کرتے ہیں کہ پینے کے وقت انہیں کوئی مرض لاحق نہ تھا جس کے علاج کا انہیں خیال آیا ہو تو اس سے ظاہر ہے کہ ان حضرات کے عقیدہ میں یہ بات مستحکم تھی کہ وہ فضلات اپنی جان سے افضل اور باعث ترقی روحانی ہیں۔ قاضی عیاض رح نے اور کئی واقعات اسی قسم کے نقل کئے ہیں جس سے ہمارے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ اب یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ صحابہ جن کی فضیلت تمام امت مرحومہ پر نصوص قطعیہ سے ثابت ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیشاب وغیرہ فضلات کو جان سے افضل بلکہ جان کے تقدس کا باعث سمجھتے تھے تو کیا ممکن ہے کہ معاذاللہ وہ اپنے آپ کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسر سمجھے ہوں گے آخر وہ حضرات بھی قل انما انا بشر مثلکم پڑھتے تھے بلکہ سچ پوچھئے تو تازہ ایمان انہی حضرات کا تھا اور اسباب نزول پیش نظر ہونیکی وجہ سے ہر آیت کا اصلی مضمون وہ سمجھتے تھے باوجود اس کے کسی صحابی سے کوئی ایسی

اسم شریف بدنام سلطان

بات مروی نہیں جو اس آخری زمانہ کے بعضے اُمتی کہتے ہیں اور اس توہین کو توحید کا تکملہ قرار دیکر تمام اُمت میں اپنے آپ کو ممتاز سمجھتے ہیں ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اگر توحید اسی کا نام ہے تو صحابہ سے اس قسم کے اقوال اور حرکات ضرور مروی ہوتے کیونکہ ہمارے دین کا مدار تعلیم نبوی پر ہے اور بلاواسطہ تعلیم یافتہ جماعت پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اُن حضرات کے افعال و اقوال حرکات سکنات اس قسم کے پیش نظر ہو جاتے ہیں کہ اس آخری زمانے کے اہل توحید سے ان کو کوئی مناسبت نہیں بلکہ بالکل تضاد اور مخالفت ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کی توحید بدعت ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانے میں نہ تھی۔ اہل ایمان کو صحابہ کے اعتقاد سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ اپنے آپ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو کہاں آپکے بول و براز کے ساتھ بھی ہمسری کا دعویٰ نکریں اور انصاف سے دیکھا جائے تو اُس بول و براز سے ہمسری کا دعویٰ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ شفا میں قاضی عیاض رحمہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حاجت بشری سے فارغ ہوتے تو بول و براز کو زمین فوراً نگل جاتی اور وہاں خوشبو مہکتی رہتی۔ اب یہ کہیے کہ کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کے جسم سے خوشبو مہکتی ہے۔ اس کا تجربہ آسان ہے کہ جو صاحب دعویٰ کریں انکو گرمی میں گرم لباس پہنا کر کسی گرم مقام میں بٹھلا دیجئے اور کوئی اجنبی آدمی کو اُن کے

پاس لاکر چھوڑ دیجئے اگر وہ لاحول پڑھتا ہوا وہاں سے نہ بھاگ جائے تو ہم سے پوچھئے اس سے ظاہر ہو جائیگا کہ وہ بُو انہی کے جسم کی تھی ایسے گندہ جسم والوں کو کیا اُس معطر بول و براز کی ہمسری کا دعوٰی قابل قبول ہو سکتا ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ یہ حضرتؐ کے جسمانی فضیلت کا حال ہے کہ وہ بدرجہا اوروں کے جسم سے افضل تھے ۔

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک بلکہ لباس پر کبھی نہیں مکھی بیٹھتی تھی چنانچہ خصائص کبرٰی میں کتب معتبرہ سے یہ روایت نقل کیا ہے اسکے مقابلہ میں اپنا حال دیکھ لیا جائے کہ مکھیاں کس قدر ناک میں دم کر دیا کرتی ہیں اور یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ مکھیوں کو کونسی چیز مرغوب بالطبع ہے بہر حال آدمی کو چاہیے کہ اپنی حد سے تجاوز نہ کرے ۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے " ایاز حد خود بشناس " اس تقریر سے بفضلہ تعالیٰ یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ساتھ کوئی ہمسری نہیں کر سکتا اور کیونکر کر سکے حضرتؐ کا جسم مبارک ظاہراً جسم تھا اور درحقیقت نور تھا ۔ جس پر روشن دلیل یہ روایت ہے جو خصائص کبرٰی میں ذکوانؓ سے ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب دھوپ میں یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا ۔ اور اس حدیث سے بھی ثابت ہے جو جو کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ قریش نے عروہ بن مسعودؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت

استعمال آثار آنحضرت صلعم

کرنے کے لئے بھیجا وہ کہتے ہیں کہ جب میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ جب حضرتؐ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کا وہاں ہجوم ہو جاتا ہے۔ وضو کا پانی جسم مبارک سے جُدا ہوتے ہی قبل اس کے کہ زمین پر گرے ہاتھوں ہاتھ اُسے لے لیتے ہیں اور آپ تھوکتے ہیں تو تھوک اور بلغم کے لئے لوگ ہاتھ پھیلا پھیلا کر بہت جلدی سے اُسے لیکر اپنے مُنہ اور جسم پر ملتے ہیں اور جب کوئی موئے مبارک زمین پر گرتا ہے تو فوراً اُسے اُٹھا لیتے ہیں اور اُن کی حالت اِن تبرکات کے حاصل کرنے کے وقت ایسی ہوتی ہے کہ باہم مقابلے پر آمادہ رہتے ہیں۔ وہ جب یہ حالت دیکھکر واپس گئے تو قریش سے کہا کہ یا معشر قریش میں کسریٰ بادشاہ فارس کے دربار میں گیا اور قیصر روم کے دربار میں گیا نجاشی بادشاہ حبش کے دربار میں گیا مگر کسی قوم کو ایسی نہ دیکھا کہ اپنے بادشاہ کی تعظیم اسطرح کرتے ہوں۔ جیسے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اُن کی تعظیم کرتے ہیں یاد رکھو کہ وہ لوگ ایسے نہیں ہیں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے حوالے کردیں اِنتہیٰ ملخصاً۔

اب یہاں چند امور قابل توجہ ہیں (۱) جو مستعمل پانی قطع نظر اسکے کہ اسکی نجاست میں اختلاف ہے وہ عقلاً و عادۃً اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ اسکو آدمی رغبت سے لیکر اپنے جسم پر ملے چہ جائیکہ تھوک بلغم اور رینٹ ان کی نسبت تو یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی سلیم الطبع ان کو اپنے

منہ پر ملے ۔

(۲) وضو فرمانا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایسا نہ تھا کہ اسکو تخلیہ کی ضرورت ہو بلکہ مجمع عام میں ہوا کرتا تھا جیسا کہ روایت موصوفہ سے ثابت ہے پھر وہ امور اتفاقیہ میں بھی نہ تھا بلکہ روزانہ چند بار فرمایا کرتے تھے ۔

(۳) ۔ وضو اکثر نماز کے وقت ہوا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے صحابہؓ مدینہ طیبہ میں حاضر رہتے تھے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کو ضروری سمجھتے تھے ۔ یہانتک کہ فجر اور عشا کی نمازیں جو اتفاقاً حاضر ہو سکتے تھے ان کو زجر و توبیخ ہوا کرتی تھی جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے ۔ غرضکہ صدہا صحابہ کا مجمع وضو کے وقت ہونا روایۃً اور درایۃً ثابت ہے ۔

(۴) ۔ وضو کے وقت وہ تمام حرکات جو حدیث میں مذکور ہیں ہر وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو وقوع میں آتے اور آپ انکو خود مشاہدہ فرماتے تھے مگر کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم لوگ یہ کیسے ناشائستہ اور خلاف طبع سلیم حرکات کرتے ہو ۔

(۵) صحابہؓ باوجودیکہ نہایت مؤدب و مہذب تھے مگر روزانہ وضو کے پانی اور تھوک وغیرہ پر اسقدر بھیڑ بھاڑ اور گھس پیٹ حضرت کے روبرو کرتے کہ دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ قریب ہے کہ آپسمیں جنگ و جدال ہو جائے اور حضرت انکو منع نہ فرماتے اسکی وجہ بادی الرائے میں کبھی سمجھ میں نہ آئیگی ۔

اسلئے کہ حضرت ہر قسم کے ہمیشہ آداب کی تعلیم فرماتے تھے اور صحابہ اُسی تعلیم کے اثر سے ایسے مؤدب تھے کہ دنیا میں ان کا نظیر نہیں۔

بخاری شریف وغیرہ میں ہے کہ صحابہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیٹھتے تو ایسے سر جھکائے ہوئے بیٹھتے تھے جیسے کسی کے سر پر پرندہ بیٹھا ہے اور وہ شخص اس خیال سے کہ کہیں وہ اڑ نجائے سر جھکائے ہوئے بیٹھتا ہے۔ اور کوئی شخص حضرت کے چہرۂ مبارک کو آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایسے مؤدب حضرات کے وہ خلاف شان اور گستاخانہ حرکات قابل تعجب ہیں اور اسپر سکوت اور رضامندی حضرت کی اس سے زیادہ حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے، مگر بات یہ ہے کہ صحابہ کے پیش نظر اُس وقت یہ امر ہوتا تھا کہ اس پانی سے جو جسم مبارک تک پہنچ کر سراپا برکت ہوگیا تھا برکت حاصل کریں۔ اور وہ فضلات جس کو حضرت کے جسم مبارک سے متصل ہونے کی فضیلت حاصل ہوگئی تھی اپنے چہروں پر مل کر دارین میں سُرخ روئی حاصل کریں اور اُن اشیائے فاضلہ کے استعمال کی بدولت اپنے جسم میں یہ صلاحیت پیدا ہو کہ روح پر جو جسم سے متصل یا متعلق ہے اثر ڈالے اور اسکی ترقی کا باعث بنے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اصلی یہی تھا کہ اہل ایمان کو ترقی روحانی حاصل ہو اسلئے آپ اُس ظاہری بے ادبی کو نظر انداز فرما دیتے تھے اور یہ سکوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کو جرأت دلاتا تھا کہ دل کھول کر یہ کام کیا جائے۔

ورنہ کس کی مجال تھی کہ حضور نبوی میں ایسے بے ادبانہ حرکات کرسکتا۔ غرضکہ وہ فضلات بلاشبہ باعث ترقی روحانی سمجھے جاتے تھے۔ اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ صحابہ اُن فضلات کو اپنے سے افضل بلکہ باعث حصولِ فضیلت سمجھتے تھے اور صحابہ کے مقابلے میں اپنے آپ کو لاکر دیکھ لیا جائے کہ عقلاً و شرعاً وہ ہم سے افضل تھے یا نہیں؟ اسکے بعد خود فیصلہ ہوجائیگا کہ ہم تو کیا ہم سے افضل لوگوں سے وہ فضلات افضل تھے اب جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ رکھتے ہیں ان روایتوں کو پیش نظر رکھیں تو سمجھ جائیں گے کہ حضرتؐ تو کہاں حضرتؐ کا بول و براز بھی ہم سے بدرجہا افضل تھا۔

(۶) موئے مبارک کا حال حدیث موصوف سے معلوم ہوگیا کہ روزانہ جو وضو کے وقت گرتے وہ دست بدست تقسیم ہوجاتے تھے۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اصلاح بنوا رہے تھے اور صحابہ گرداگرد بیٹھے نوبت بنوبت اپنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر موے مبارک کو حاصل کرتے تھے۔

المواہب اللدنیہ میں بخاری و مسلم سے منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اصلاح بنوائی تو سر مبارک کے بال ایک ایک دو دو لوگوں میں تقسیم کرنیکا حکم دے دیا۔ انتہی۔ ملخصاً۔

شارح زرقانی رحمہ نے لکھا ہے کہ ایک ایک دو دو بال تقسیم کرنا اس بات پر

موئے مبارک کا بیان

دلالت کرتا ہے کہ حاضرین کثرت سے تھے اور اُس سے غرض یہ تھی کہ ہمیشہ اُنکے پاس وہ برکت باقی رہے اور آئندہ کے لئے یادگار ہو۔

تقسیم موئے مبارک۔

ان احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ موئے مبارک اس غرض سے حاصل کیا کرتے تھے کہ بطور تبرک انکو اپنے پاس رکھیں اور اپنے احباب میں تقسیم کریں وہ تبرکات کچھ تو اپنے ورثہ میں تقسیم کئے اور کچھ اُنہوں نے اپنے احباب کو دئے ہونگے اور خود صحابہ جب انکی قدر کرتے تھے تو وہ جن کے پاس گئے وہاں بھی بطور تبرکات رکھے جاتے تھے جیسا کہ ابتک باوجود تیرا سو سال منقضی ہونیکے تبرکات ہی کے حیثیت سے رکھے جاتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ اُس موقع میں جہاں اس تعظیم و توقیر کا منشار قائم ہوتا تھا حضرت کا سکوت فرمانا اسی غرض سے تھا کہ اہل اسلام دل کھولکر ان تبرکات سے برکت حاصل کیا کریں اور بڑی غرض اس سے یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو عشاق نبی صلے اللہ علیہ وسلم دیدار جہاں آرا سے محروم ہیں وہ اس متبرک جزو کو سر اور آنکھوں پر رکھکر آنکھیں ٹھنڈی کریں اور سرفراز ہوں۔

اب رہی یہ بات کہ بعض جعل سازوں نے بھی بغرض دنیوی کارسازیاں کی ہونگی جس سے ہر ایک میں اشتباہ واقع ہوگیا تو وہ اصل مقصود کے منافی نہیں اسلئے کہ تعظیم کرنیوالا اسکو موئے مبارک سمجھتا ہے اسکے اعتقاد کے مطابق خدا تعالیٰ اس کو برکت عطا فرمائیگا۔ جیسا کہ اس حدیث شریف سے بھی واضح ہوسکتا ہے۔ انما الاعمال بالنیات

کنز العمال کے کتاب المواعظ و الحکم میں یہ حدیث شریف ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کسیکو فضیلت کی کوئی بات پہنچے اور اس کو ایمان کی راہ سے قبول کرلیا اور اُس میں ثواب کی اُمید رکھی تو حق تعالیٰ اُسکو وہی ثواب عطا فرمائیگا جو اس کو معلوم ہوا ہے۔ اگرچیکہ وہ خلاف واقع ہو۔ انتہی ملخصاً مقصود یہ کہ کسی روایت سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کام میں فضیلت ہے گو اس کا ثبوت باضابطہ نہوا ہو مگر عمل کرنے والا اعتقاد سے اس پر عمل کر لے تو وہی ثواب پائیگا جو اس میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بزرگ کے پاس موئے مبارک کی زیارت ہوتی ہو اور انہوں نے کہدیا کہ یہ موئے مبارک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے تو اگر فی الواقع وہ حضرتؐ کا موئے مبارک نہ بھی ہو تو جو برکت اصلی موئے مبارک کی زیارت میں حاصل ہونے والی ہو وہی برکت اس موئے مبارک کی زیارت میں بھی حاصل ہوگی۔ یہ خدائے تعالیٰ کا ایک فضل ہے جو بطفیل حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ کی اُمّت پر ہے واہی تباہی شبہات کی وجہ سے ایسی فضیلت سے محروم رہنا مقتضائے عقل نہیں شیطان آدمی کا دشمن ہے وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی فضیلت اور برکت کسی کو حاصل ہو۔ اس وجہ سے وہ ایسے شبہات پیش کرتا ہے جس کو عقل بھی مان لیتی ہے مگر ایمان آدمی کا مستحکم ہو تو دونوں کو جواب دیکر آدمی سعادت دارین حاصل کر سکتا ہے۔ جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہزارہا بلکہ لکھوکھا موئے مبارک موجود ہیں تو اب یہ خیال کرنے کی ضرورت ہی کیا کہ وہ کسی اور کا بال ہے۔ اگر صرف سو پچاس بال کا وجود احادیث سے ثابت ہوتا تو یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ ہزارہا موئے مبارک کہاں سے آگئے جبکی زیارتیں ہو رہی ہیں۔ میری دانست میں اس وقت موئے مبارک کی اسقدر کثرت نہیں جسقدر صحابہ کے زمانہ میں احادیث سے معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال موئے مبارک کی زیارت نہ کرکے اُس برکت سے محروم رہنا جو صحابہ کے مدنظر تھی قرین مصلحت نہیں بعض حضرات اس کو پرستش قرار دیکر لوگوں کو زیارت سے روکتے ہیں اگر ایسے امور پرستش قرار دیے جائیں تو ہندوؤں کا قول صادق آجائیگا۔ کہ مسلمان بھی مثل دیول کے کعبے کے اطراف پھرتے ہیں اور اس کی پرستش کیا کرتے ہیں مگر ہندوؤں کے قول سے ہم ان امور کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے جو بتعلیم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ثابت ہوئے اور صحابہ اُن پر عامل رہے ہیں۔

تاریخ واقدی وغیرہ میں مروی ہے کہ جب شام میں خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جبلہ بن ایہم کی قوم کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے ایک روز تھوڑی فوج کے ساتھ مقابل ہوئے اور رومیوں کے بڑے افسر کو مار لیا اس وقت جبلہ نے تمام رومی اور عرب متنصرہ کو یکبارگی حملہ کرنیکا حکم دیا صحابہ کی حالت نہایت نازک ہو گئی رافع ابن عمر طائی نے خالد رضہ سے کہا آج معلوم ہوتا ہے کہ ہماری قضا آگئی خالد رضہ نے کہا سچ کہتے ہو اسکی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنی ٹوپی بھول آیا

اسلام میں ٹوپی مبارک

جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں۔ اِدھر یہ حالت تھی اور اُدھر رات ہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدۃ بن الجراح رضؓ کو جو افسر فوج تھے خواب میں زجر فرمایا کہ تم اسوقت سوتے پڑے ہو اُٹھو اور فوراً خالد بن الولید کی مدد کو پہنچو کفار نے ان کو گھیر لیا ہے۔ اگر تم اسوقت جاؤ گے تو وقت پر پہنچ جاؤ گے۔ ابو عبیدہ رضؓ اسیوقت لشکر میں پکار دئے کہ جلد تیار ہو جاؤ چنانچہ وہاں سے وہ مع فوج یلغار روانہ ہوئے راستے میں دیکھا کہ فوج کے آگے آگے نہایت سرعت سے ایک سوار گھوڑا دوڑائے ہوئے چلا جا رہا ہے اسطرح کہ کوئی اسکو پہنچ نہیں سکتا انہوں نے خیال کیا کہ شاید کوئی فرشتہ ہے جو مدد کے لیئے جا رہا ہے مگر احتیاطاً چند تیز رفتار سواروں کو حکم کیا اُس سوار کا حال دریافت کریں جب قریب پہنچے تو پکار کر کہا کہ اے بہادر مرد ذرا توقف کر یہ سنتے ہی وہ ٹھہر گیا دیکھا تو خالد بن ولید رضؓ کی بی بی تھیں اُن سے حال دریافت کیا کہا کہ اے امیر جب رات میں میں نے سنا کہ آپ نے نہایت بے تابی سے لوگوں سے فرمایا کہ خالد بن الولید کو دشمن نے گھیر لیا تو میں نے خیال کیا کہ وہ ناکام کبھی نہ ہونگے کیونکہ ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں مگر جب اِدھر اُدھر دیکھا تو اُن کی ٹوپی پر نظر پڑی جسمیں موئے مبارک تھے۔ نہایت افسوس سے میں نے ٹوپی لی اور اب چاہتی ہوں کہ کسیطرح اس کو اُن تک پہنچا دوں۔ ابو عبیدہ نے فرمایا جلدی سے جاؤ خدا

تمہیں برکت دے۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑے کو ایڑ کیا اور آگے بڑھ گئیں
رافع بن عمر جو خالد رضؓ کے ساتھ تھے وہ کہتے ہیں کہ ہماری جب یہ حالت ہوئی کہ
اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے یکبارگی تہلیل و تکبیر کی آواز آئی خالد رضؓ
دیکھ رہے تھے کہ یہ آواز کدھر سے آرہی ہے کہ یکبارگی روم کے سوار دن پر
نظر پڑی کہ بدحواس بھاگے چلے آرہے ہیں اور ایک سوار اُن کا پیچھا کئے
ہوئے ہے خالد رضؓ گھوڑا دوڑا کر اس سوار کے قریب پہنچے اور پوچھا کہ
اے جوانمرد سوار تو کون ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ میں تمہاری بی بی
اُم تمیم ہوں تمہاری مبارک ٹوپی لائی ہوں جس سے دشمن پر فتح پایا کرتے تھے
تم نے اس کو اسی وجہ سے بھولا تھا کہ یہ مصیبت تم پر آنیوالی تھی۔ الغرض وہ
ٹوپی انہوں نے اُن کو دی اس سے برق خاطف کی طرح نور نمایاں ہوا۔
راوی حدیث قسم کھا کر کہتے ہیں کہ خالد رضؓ نے جب ٹوپی پہنکر کفار پر
حملہ کیا تو لشکر کفار کے پیر اُکھڑ گئے اور لشکر اسلام کی فتح ہو گئی۔ انتہی ملخصاً۔
صحابہؓ موئے مبارک میں جو برکت سمجھتے تھے سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ کیا
چیز ہے حسی ہے یا معنوی اور بالوں کے اندر رہتی ہے یا سطح بالائی پر کتنی ہی
موشگافیاں کیا کیجے اس کا سمجھنا مشکل تھا۔ اس روایت سے سب مشکلات
حل ہو گئے۔ اور معلوم ہو گیا کہ مشکل سے مشکل کاموں میں آسانی اور جان گزا
واقعات میں امداد غیبی اُس برکت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

شمس التواریخ میں لکھا ہے کہ حضرت خالد رض کا بیان ہے کہ میرے سارے فتوحات کے باعث یہی موئے مبارک ہوتے تھے۔

صاحب اصابہ فی احوال الصحابہ تحریر فرماتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں یہ ٹوپی سر پر نہ تھی جب تک نہیں ملی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نہایت الجھن میں رہے ملنے کے بعد اطمینان ہوا۔ اس وقت آپ نے یہ ماجرا بیان فرمایا کہ کل فتوحات کا مدار ان موئے مبارک پر تھا۔ انتہی۔

غرضکہ یہ تبرکات وہ ہیں جو بڑی جاں فشانیوں سے صحابہ رض نے حاصل کئے اور اس کی حفاظت کی۔ صحابہؓ ایسے لوگ نہ تھے کہ فضول کام میں وہ اہتمام کرتے کہ دینی ضروریات سے بھی زیادہ ہو کیونکہ اس کے حاصل کرنے میں نوبت بجدال وقتال پہنچنے کو ہوتی جیسا کہ لفظ حدیث کادوا یقتتلون سے ظاہر ہے بخلاف اس کے اور کسی دوسرے کام میں یہاں تک نوبت نہیں پہنچتی تھی۔ دیکھئے صف اول کی فضیلت ثابت ہے مگر جب یہاں تک نوبت پہنچی تو صاف ارشاد ہو گیا کہ صف ثانی میں بھی وہی فضیلت ہے اور اس جھگڑے کو یوں طے فرمادیا۔ بخلاف اس کے یہ حالت روزانہ ملاحظہ فرماتے اور خاموش رہ جاتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس اہتمام کو برا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ حضرت جانتے تھے کہ وہ برکات ان کے دارین کی صلاح وفلاح کے باعث ہیں ایسی چیز سے ان کو روکنا گویا ان کو سخت ضرر

پہنچاتا ہے اور مقتضائے رحمت نبوی یہ تھا کہ اپنے جان نثاروں کو کسی قسم کا ضرر پہنچا ئیں اہل انصاف غور فرما سکتے ہیں کہ صحابہ کا ہم پر کیسا احسان ہے کہ کس مصیبت سے انہوں نے وہ تبرکات حاصل کیے اور ان کی حفاظت نسلاً بعد نسلٍ کر کے ہم تک پہنچایا مگر افسوس ہے کہ ہمارے زمانے میں ان کی کچھ قدر نہ ہوئی کیونکہ باپ دادا کی کمائی کی آدمی کو وہ قدر نہیں ہوتی جو اپنی کمائی کی ہوتی ہے۔

تاریخ واقدی میں لکھا ہے کہ جنگ یرموک میں ایک روز خالد ابن ولید رضی اپنی شجاعت بیان کرتے ہوئے لشکر کفار کی طرف بڑھے ادھر سے ایک پہلوان نکلا جس کا نام نسطور تھا اور دونوں کا دیر تک سخت مقابلہ ہو رہا تھا کہ خالد رضی کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور خالد اس کے سر پر آ گئے اور ٹوپی زمین پر گر گئی نسطور موقع پا کر آپ کی پیٹھ پر آ گیا اس حالت میں خالد رضی نے پکار کر اپنے رفقاء سے کہا کہ میری ٹوپی مجھے دو خدا تم پر رحم کرے۔ ایک شخص آپ کی قوم بنی مخزوم سے تھا دوڑ کر ٹوپی دیدیا آپ نے اُسے پہن کر باندھ لیا اور نسطور پر حملہ کر کے اُس کا کام تمام کر دیا۔ لوگوں نے اس واقعے کے بعد پوچھا کہ یہ آپ نے کیسی حرکت کی کہ دشمن قوی پیٹھ پر آ پہنچا اور کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہی اس وقت آپ اپنی ٹوپی کی فکر میں تھے جو شاید دو چار آنے کی ہو گی آپ نے کہا وہ معمولی ٹوپی نہیں تھی اس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے۔

اب غور کیجئے کہ اُس ٹوپی کا خیال اُس وقت کہ جب دشمن کے پورے قابو میں

ہین کس غرض سے ہوگا لوگون کو جو تعجب تھا کہ ایسی کیا قیمت اس کی ہو گی جو ایسی حالت مین اُس کا خیال آیا وہ پہلے ہی آپ نے دفع فرمایا کہ کوئی قیمتی چیز نہ تھی لیکن اس مین موئے مبارک تھے۔ غرضکہ اس وقت توجہ موئے مبارک کی طرف تھی اور اس کی طرف توجہ کرنے کا سبب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہو کہ اس ٹوپی سے صرف استعانت مقصود تھی کہ دشمن پر مدد حاصل ہو۔

اب غور کیجے کہ ایسے جلیل القدر صحابی جن کی تعریف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور سیف من سیوف اللہ فرمایا اُن کی یہ حالت ہو کہ ایسے وقت مین کہ دشمن پورا قابو پاچکا ہے اور جانبری کی کچھ توقع نہین اور دشمن کا خنجر بکف ہے موئے مبارک سے استمداد کر رہے ہین اور یہ استمداد زبانی نہ تھی جیسا اکثر شاعری مین استمدادی الفاظ کہدئے جاتے ہین جن مین بندش مضمون زیادہ مقصود ہوتی ہے۔ بلکہ یہ مدد طلب کرنا عملی طور پر تھا اور زبان حال پکار پکار کر کہتی تھی کہ اے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے موئے مبارک یہی وقت مدد ہے دشمن قوی سے بچا لیجئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ اس نازک حالت مین آپ ہی کو غلبہ ہوا اس مین شک نہین کہ وہ خدا سے ضرور مدد مانگ رہے ہونگے مگر ظاہر انہوں نے کوئی دعا کی نہ ایسے الفاظ کہے جس سے معلوم ہو کہ وہ بال کوئی قابل توجہ نہین بلکہ برخلاف اسکے صاف کہدیا کہ میرے سارے فتوحات کے باعث یہی موئے مبارک ہین اہل انصاف اگر ادنیٰ توجہ فرمائین تو مسئلہ استعانت بالغیر

جو آج کل معرکۃ الآرا بنا ہوا ہے اسی ایک واقعے سے حل ہو سکتا ہے۔

جلیل القدر صحابہ کے عمل سے جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ موے مبارک نہایت واجب التعظیم ہیں تو اس کے مقابلے میں آخری زمانے کے مسلمانوں کا یہ کہنا کہ انکی تعظیم بدعت اور بت پرستی ہے ہرگز قابل اعتبار نہیں ہو سکتا بڑی خرابی اس میں یہ ہے کہ موئے مبارک کی اس میں سخت توہین ہے کیونکہ لیے بت کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ چیز کی توہین باعث عذاب و لعنت ہے کیونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ کی اذیت متصور ہے جو باعث لعنت و شقاوت ابدی ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم یعنی جو لوگ اللہ اور رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر دنیا او آخرت میں خدا کی لعنت ہے اور ان پر بڑا عذاب ہوگا۔

اور کنز العمال میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے میرے ایک بال کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے خدا کو ایذا دی اور اُس میں یہ روایت بھی ہے کہ علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک بال ہاتھ میں لیکر فرمایا کہ جس نے میرے بال کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے خدا کو ایذا دی اور جس نے خدا کو ایذا دی اُس پر تمام آسمان

ایذاء موئے مبارک

اور زمین کے فرشتوں کی لعنت ہے اور نہ اس کے نوافل قبول ہوں گے اور نہ فرائض۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اُس پر جنت حرام ہے۔ ظاہرا بال ایک ایسی چیز ہے کہ اس کو کاٹتے ہیں کترتے ہیں مگر اس کو ایذا نہیں ہوتی پھر کیا وجہ ہوگی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے موئے مبارک کو ہاتھ میں لیکر اس کی ایذا کی تصریح فرمائی یوں تو آسان ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے کہ سکتے ہیں کہ وہ مجاز یا مبالغہ ہے مگر نکتہ رس طبائع کا خلجان ایسی توجیہات سے دفع نہیں ہوسکتا۔ میری دانست میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد خاص حقیقت شناسوں کے لحاظ سے فرمایا جو صحابہ تھے کیونکہ فیضان صحبت سے وہ سب حضرات حقیقت شناس ہوگئے تھے وہ جانتے تھے کہ عالم میں ہر چیز زندہ اور ذی فہم ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم یعنے کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا تعالیٰ کی تسبیح نہیں کرتی لیکن ان کی تسبیح کو تم نہیں سمجھتے۔ یہ ظاہر ہے کہ تسبیح اور تنزیہہ کرنے والے کو جب تک اس امر کا ادراک نہ ہو کہ اس کا ایک خالق ہے اور اس کے جس قدر اوصاف ہیں سب کمالات ہیں اور سب عیبوں سے وہ منزہ ہے تسبیح کرنا صادق نہیں آتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تمام عالم کے اشیاء اچھی چیز کو اچھی اور بری چیز کو بری سمجھتے ہیں جو تنزیہہ کا منشا ہے۔ اگرچہ اس آیہ شریفہ میں بھی یہ احتمال تھا کہ اُن کا تسبیح کرنا بزبان حال ہوگا مگر چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس امر کا شناسا تھا کہ جیسے انسان کے ادراک ہیں ان کے بھی ادراکات ہیں اسوجہ سے انکو اس آیہ شریفہ میں

تاویل کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ہمیشہ وہ دیکھا کرتے تھے کہ درخت وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا کرتے تھے۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکان سے نکلا دیکھا کہ حضرت کا جس درخت اور پتھر پر گذر ہوتا وہ حضرت پر سلام کرتا تھا۔ اور مجمع عام میں ستون کا رونا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی گفت وشنود اور کنکروں کا بآواز بلند کلمہ شہادت پڑھنا وغیرہ صدہا امور جو خصائص کبریٰ وغیرہ کتب حدیث میں مذکور ہیں ہمیشہ پیش نظر تھے غرضکہ کثرت مشاہدات سے ان کو جمادات وغیرہ کے ادراکات میں ذرا بھی شک نہ تھا اس وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے موئے مبارک کو ہاتھ میں لیکر فرمایا کہ میرے بال کو جو ایذا دے اس کو یہ سزائیں ہیں اور انہوں نے یقین کر لیا کہ بیشک موئے مبارک کو بعض امور سے اذیت ہوا کرتی ہے اس لئے انہوں نے اسکی تعظیم وتوقیر کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس کے روبرو مؤدب ہو جاتے اور اس کی نہایت تعظیم وتوقیر کرتے۔ بہر حال جب موئے مبارک کی نسبت کسی قسم کی گستاخی کی جائے تو ان کو اس سے اذیت ہوتی ہے اب رہی یہ بات کہ ان کو کان تو ہیں بھی نہیں پھر سننے کی کیا صورت تو اہل ایمان کے نزدیک یہ اعتراض قابل توجہ نہیں اس لئے کہ سماعت کو کان سے کوئی ذاتی تعلق نہیں بلکہ عطائی تعلق ہے چنانچہ ہم نے مقاصد الاسلام کے کسی حصہ میں اس سے متعلق بحث کی ہے کہ خدائے تعالےٰ

(حاشیہ: سلام درخت وغیرہ)

جس طرح کان سے سماعت کو متعلق فرمایا جس چیز سے چاہے متعلق فرما دیسکتا ہے
مشکوٰۃ شریف کے باب الاذان میں یہ روایت ہی جو کتب صحاح سے منقول ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب موذن اذان کہتا ہی تو جہاں تک
اُسکی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کل اشیاء خواہ وہ خشک ہوں یا تر سب قیامت
میں اُسکے حق میں گواہی دینگے کہ اس شخص نے اذان کہی تھی۔ دیکھئے درخت
پتھر ڈھیلے وغیرہ اگر موذن کی آواز سُنتے نہوں تو گواہی دینے کی صورت
اِس سے یہ بھی ثابت ہی کہ اُنکو اِس کا علم و ادراک بھی ہے۔
کنز العمال کی کتاب الحج میں ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ سے یہ حدیث منقول
ہی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص تلبیہ کہتا ہی یعنی لبیک اللھم
لبیک الخ تو جتنے پتھر ڈھیلے اور درخت اس کے داہنے اور بائیں بازو ہیں
سب تلبیہ کہتے ہیں اس سے سماعت اُن اشیاء کی ثابت ہے۔
اس کے سوا کثرت سے احادیث موجود ہیں جن سے ثابت ہی کہ سوائے
انسان اور حیوانات کے نباتات اور جمادات بھی سُنتے اور سمجھتے ہیں غرضکہ
موئے مبارک کا سُننا اور اُن کے علمی ادراکات ثابت ہیں تو توہین سے
ان کو ضرور اذیت ہوتی ہوگی اور یہ ایذا رسانی اُن سزاوں کا باعث ہوتی ہے
جنکی تصریح حضرتؒ نے فرمادی جو ابھی مذکور ہوئیں۔
کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ حدیث شریف ہے کہ السیم رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کو جا رہے تھے ایک مقام میں مجھ سے فرمایا کہ دیکھو کوئی جگہ ایسی ہے جہاں حاجت بشری سے فراغت حاصل ہوجائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بہت دور نکل گیا مگر جدھر دیکھا آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے کوئی جگہ ایسی نہیں دیکھی جہاں تخلیہ ہو سکے جب میں نے یہ حال عرض کیا فرمایا کہ کہیں کھجور کے چھوٹے چھوٹے درخت بھی نظر آتے ہیں جن کے بازو میں پتھروں کا ڈھیر ہو میں نے عرض کیا جی ہاں یہ تو دیکھا ہے۔ فرمایا جاؤ اور اُن درختوں سے کہدو کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) تم کو حکم کرتے ہیں کہ ایک دوسرے سے ملجاؤ اور یہی بات پتھروں سے بھی کہدو۔ وہ کہتے ہیں خدا کی قسم میں نے جب درختوں کو حضرت کا حکم پہنچایا دیکھا کہ اُن کی جڑیں اور مٹی حرکت کرنے لگی اور تھوڑے عرصے میں ایسے مل گئے کہ ان میں بالکل فاصلہ نہ رہا اور جب پتھروں کو حکم پہنچایا تو پتھروں کو دیکھا کہ ایک کے اوپر ایک چڑھنے لگے یہانتک کہ ایک دیوار بن گئی میں نے حضرت کو اس کی خبر دی۔ فرمایا ڈولچی میں پانی بھر لو میں پانی لیکر حضرت کے ساتھ ہو گیا اور اُس پائخانے میں پانی رکھکر میں دور ہٹ گیا۔ حضرت جب حاجت سے فارغ ہوئے اور خیمہ مبارک میں تشریف لائے فرمایا کہ اُن درختوں اور پتھروں سے کہدو کہ اپنی اپنی جگہ چلے جائیں چنانچہ بمجرد حکم پہنچانے کے ہر درخت اور پتھر اپنے اپنے مقام سابق پر آگیا انتہی ملخصاً۔

اس سے ظاہر ہے کہ نباتات جمادات بات سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ معجزہ تھا اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ کل نباتات و جمادات سنتے اور سمجھتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس لحاظ سے اس کو معجزہ کہہ سکتے ہیں کہ دوسرے سے یہ کام نہیں ہو سکتا مگر معجزے کی تعریف اُس پر پوری طور سے صادق نہیں آتی اسلئے کہ معجزہ کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جہاں کفار کے ساتھ مقابلہ ہو اور بر سر مقابلہ دعوے نبوت کیا جائے اور دلیل میں ایسا امر پیش کیا جائے کہ کفار میں سے کوئی وہ کام نہ کر سکے تا کہ حجت قائم ہو جائے او یہاں ایسی کوئی بات نہ تھی حضرت کو قضائے حاجت کی ضرورت تھی اور کوئی مقام ایسا نہ تھا کہ وہاں اس سے فارغ ہوں پائخانہ تیار کرنیکے لئے پتھروں اور درختوں پر حکم صادر فرمادیا کہ فوراً تیار کر دیں اور انہوں نے بطیب خاطر فرمانبرداری کی نہ وہاں کوئی کافر تھا نہ کسی کو یہ حکومت بتلانے کی ضرورت تھی اگر ایسا ہوتا تو اعلان دیا جاتا کہ دیکھو ہم درختوں اور پتھروں سے یوں کام لیتے ہیں اور وہاں کل رفقائے سفر کا جو ہزار ہا تھے اژدہام ہو جاتا در اصل انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ امر منکشف تھا کہ تمام ذرات عالم سمجھدار ہیں اگرچہ ہر کس و ناکس کی بات پر وہ توجہ نہیں کرتے مگر جس کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اس کا حکم نافذ ہے ممکن نہیں کہ اُس کے حکم سے انحراف کریں اسلئے آپ نے ایک غیر معروف شخص کی زبانی حکم بھیجدیا اور اس کی تعمیل فوراً انہوں نے کر دی، اس حکمرانی کو نبوت سے تعلق نہیں بلکہ اس کا منشا وہ ہے جو آیہ شریفہ میں ہے وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا الخ۔ یعنی جو چیز زمین اور آسمان میں ہے ان سب کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔

چنانچہ اولیاء اللہ سے بھی اس قسم کے خوارق عادات صادر ہوتے ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ من کان للہ کان اللہ لہ یعنے جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا اور من لہ المولیٰ فلہ الکل اور اللہ جس کا ہو گیا تو تمام عالم اس کا ہے۔ شعر

تو گردن ز فرمانِ داور مپیچ ✽ نہ پیچد گردن ز حکم تو ہیچ

یہ امر مشاہد ہے کہ جو لوگ سلاطین کے مقرب ہوتے ہیں ان کو سب مانتے ہیں اور ہر جگہ ان کی آؤ بھگت ہوتی ہے پھر جس قدر تقرب زائد ہوگا اسی قدر آؤ بھگت زیادہ ہوگی یہ تو عام بات تھی۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات پر نظر ڈالئے حضرت صلعم اللہ تعالے کے نور سے پیدا ہوئے اور تمام عالم حضرت کے نور سے پیدا ہوا اور حق تعالے فرماتا ہے اگر آپ نہ ہوتے تو افلاک کو بھی پیدا نہ کرتا اور اس کے سوا بہت ساری خصوصیات ہیں جن کا حال کسی قدر ہم نے انوار احمدی میں لکھا ہے۔ اب کہئے کہ کون چیز ایسی ہو سکتی ہے کہ حضرت کے حال سے واقف ہونے کے بعد سرتابی کر سکے؟ ایسے امور کا علم صرف جن و انس کو نہیں دیا گیا اس لئے کہ یہ معرض امتحان میں ہیں عقل اور شہوت ان کو دی گئیں اور غیبی امور پر اطلاع بھی دی گئی تاکہ عقل کی رہبری سے یہاں منزل طے کریں یعنے توحید اور نبوت کی ضرورت ثابت کریں بخلاف دوسری اشیاء کے کہ ان سے کوئی امتحان متعلق نہیں اسلئے ابتداہی میں ان کو ان امور کا علم دیا گیا جو الوہیت اور عبودیت سے متعلق ہے غرضکہ کل عالم کی اشیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیادت کو تسلیم کئے ہوئے ہیں چنانچہ اس پر قرینہ یہ روایت ہے جس کو ہم نے انوار احمدی میں نقل کی ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف فرما ہوئے بمجرد ولادت مبارک ایک ابر نمودار ہوا اور آپ کو لیکر تمام بر و بحر میں اور خدا جانے کہاں کہاں لیگیا جس سے مقصود صاف ظاہر ہے کہ جو اشیا اپنے مقام سے حرکت کر کے حاضر خدمت نہیں ہو سکتے تھے وہ اپنے آقائے نامدار کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہو جائیں اور معلوم ہو جائے کہ ایک زمانہ سے جن کی آمد آمد کا شہرہ اور انتظار تھا وہ تشریف فرما ہو چکے جس سے ظاہر ہے کہ تمام ذرات عالم کو اس عالم میں انکی تشریف فرمائی کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ جب اُن درختوں اور پتھروں کو یہ خبر پہنچائی گئی کہ بنفس نفیس یہاں تشریف فرما ہوں گے تو اس نعمت غیر مترقبہ کے حصول پر ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی مارے خوشی کے اپنے میں پھولے نہ سماتے ہوں گے۔ ابھی آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت کی مفارقت سے ستون مسجد کو کس قدر غم کا صدمہ تھا۔ اسی طرح حضرت کی وصال کی مسرت کا اثر اُن پر نمایاں ہوا کہ اس مژدۂ جاں فزا کے سنتے ہی فوراً حرکت کر کے تعمیل حکم میں مشغول ہو گئے۔ الحاصل جمادات کا ادراک اور ان کا غم و شادی ان روایات سے ثابت ہے اسی طرح ان کو ایذا پہنچنی بھی ثابت ہے چنانچہ کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی بندہ مسجد میں تھوکنے کا ارادہ کرتا ہے تو مسجد کے ستون مضطرب ہو جاتے ہیں اور مسجد ایسی سکڑ جاتی ہے جیسے چمڑا آگ میں سکڑتا ہے۔ انتہی ملخصاً۔

یہ امر مشاہد ہے کہ کوئی مکروہ چیز کسی پر ڈالی جائے تو وہ اس سے بچنے کی غرض سے سمٹ جاتا ہے منشا اس کا یہ ہے کہ اس مکروہ چیز کے جسم پر لگنے سے روحانی اذیت ہوتی ہے اور اس میں ایک دوسری روایت ہے کہ ریٹ کی وجہ سے بھی مسجد کا یہی حال ہوتا ہے۔ یہ بات ظاہر بینیوں کی سمجھ میں آنے کے قابل نہیں ہے کہ مسجد کے ستونوں کا انقباض اور اس کا سمٹنا کیونکر ہوگا فی الحقیقت یہ امور محسوسات سے خارج ہیں مگر ایمانی دنیا میں ان امور کا وجود گو محسوس نہ ہو مگر قابل تصدیق ہے۔

جس طرح فلسفی دنیا میں تمام عالم کا اجزائے دیمقراطیسیہ سے مرکب ہونا مسلم ہے اور اس قابل سمجھا گیا ہے کہ اس میں کلام کرنے کی ضرورت ہی نہیں حالانکہ ابتک کسی نے نہ اجزائے دیمقراطیسیہ کو دیکھا نہ اُن کے نظر آنے کی اُمید ہے نہ اس کی صلاحیت کیونکہ پتھر پانی ہوا اور روشنی انہی اجزا سے مرکب ہیں پتھر کے کتنے ہی باریک اجزا نکالے جائیں ہر جزو پتھر کی ماہیت میں شریک ہوگا اور پانی کے کتنے باریک اجزا کئے جائیں ہر جزو پر پانی کا اطلاق ہوگا روشنی کا کوئی جزو ایسا نہ ہوگا کہ روشنی کی ماہیت اس میں نہ پائی جائے۔ اجزائے دیمقراطیسیہ تو ایسے سخت ہیں کہ ٹوٹ پھوٹ نہیں سکتے چاہئے کہ ان کے مجموعہ میں بھی یہی بات ہو مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہوا کو ہاون میں کوٹیں تو ذرا بھی سختی نہیں معلوم ہوتی حالانکہ کروڑہا سخت اجزا اس میں موجود رہتے ہیں جب فلسفی دنیا میں اُن غیر محسوس اجزا کا بغیر اس کے کہ کوئی قرینہ اُن کے وجود پر قائم ہو مان لیا گیا تو ایمانی دنیا میں جمادات کی

بغیر حصول برکت پانی پینے میں کون چیز مانع ہے فرق ہے تو اسی قدر ہے کہ وہاں فلاسفہ
کا قول ہے اور یہاں خدا و رسول کا اگر اہل اسلام فلاسفہ کے قول کے برابر بھی خدا
و رسول کے قول کی وقعت نہ کریں تو پھر دعوے اسلام سے فائدہ ہی کیا شعر

آں کس کہ ز قرآن و خبر زو نرہی ۔ آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی

ان تمام روایات اور پھر دوسری روایت سے ثابت ہے کہ جمادات اور نباتات کو
ادراک ہے اور ان کو اذیت بھی ہوا کرتی ہے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ جس نے میرے بال کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی
خدا تعالے کو ایذا دی۔

مشکوٰۃ شریف کے باب الطب والرقی میں بخاری شریف سے ایک روایت
منقول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ عثمان بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میری زوجہ نے مجھکو
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پیالہ پانی کا دیکر بھیجا اور ان کی عادت
تھی کہ جب کسیکو نظر لگتی یا کوئی مرض ہوتا تو ایک بڑے برتن میں پانی دیکر حضرت
ام سلمہؓ کے پاس بھیجتیں کیونکہ اُن کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موے مبارک
ایک چاندی کی نلی میں رکھا ہوا تھا وقتِ ضرورت اس کو نکال کر پانی میں ہلا دیتیں
اور مریض وہ پانی پی لیتا۔ انتہیٰ

بخاری شریف کی روایت سے بھی ثابت ہوگیا کہ صحابہ موے مبارک تبرکاً اپنے
مکان میں رکھتے اور عموماً لوگ اس کی برکت حاصل کرتے اور امراض سے شفا

پاتے تھے۔

خصائص کبریٰ میں سنان بن طلق یمانی سے روایت ہے کہ وہ وفدِ بنی حنیفہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اسوقت حضرت سر مبارک دھو رہے تھے فرمایا تم بھی اپنا سر دھولو۔ چنانچہ حضرت کے بچے ہوئے پانی سے میں نے اپنا سر دھویا اور اسلام لایا۔ پھر حضرت نے مجھے کچھ لکھدیا۔ جاتے وقت میں نے عرض کی کہ قمیص مبارک کا اگر ایک ٹکڑا عنایت ہو تو میں اُس سے انست حاصل کرونگا۔ حضرتؐ نے مجھے عنایت فرمایا۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ کپڑا اُن کے پاس تھا جب کوئی بیمار بغرض شفا آتا تو اُسے دھوکر اُس کو پانی پلایا کرتے تھے۔ انتہیٰ

موئے مبارک کی زیارت سے ہر کس وناکس مستفید نہیں ہوسکتا اس کے اہل وہ لوگ ہیں جن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوری عقیدت اور محبت ہو پھر جس قدر عقیدت ہوگی اُسیقدر فوائد ہوں گے۔

مولانا شاہ سید محمد عمر صاحب نے رسالہ استشفاع والتوسل میں کتاب انفاس العارفین مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے والد یعنے شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ نے مجھ سے کہا کہ میں ایکبار ایسا سخت بیمار ہوا کہ زندگی کی امید نہ تھی شیخ عبدالعزیزؒ میرے خواب میں آئے اور کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمہاری عبادت کیلئے

تشریف لاتے ہیں شاید اس دروازہ سے تشریف لائیں جدھر تمہارے پاؤں ہیں۔ میں اشارہ کرکے لوگوں سے کہا کہ پلنگ کا رخ پھیر دیں چنانچہ پھیر دیا گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے لڑکے تمہارا کیا حال ہے اس کلام جاں فزا کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ وجد کی سی حالت طاری ہوئی اور اتنا رویا کہ قمیص مبارک حضرت کا میرے اشکوں سے تر ہو گیا کیونکہ حضرت مجھے اپنے گود میں لئے ہوئے تشریف رکھتے تھے اس طرح پر کہ ریش مبارک میرے سر پر تھی جب وہ حالت فرو ہوئی تو میرے خیال میں آیا کہ ایک مدت سے مجھے موئے مبارک کی آرزو ہے اگر اسوقت عطا ہو جائے تو کیا اچھا ہوگا اس خیال کے ساتھ ہی ریش مبارک کے دو بال مجھے عطا فرمائے مجھے اسوقت یہ فکر ہوئی کہ یہ موئے مبارک عالم شہادت میں بھی میرے پاس رہیں گے یا نہیں اس خیال کے ساتھ ہی ارشاد ہوا اس عالم میں بھی رہیں گے چنانچہ میں جب بیدار ہوا وہ دونوں موئے مبارک موجود تھے میں نے اُن کو محفوظ رکھا اور اُسی روز مجھے صحت ہو گئی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد نے آخر عمر میں جب تبرکات تقسیم فرمائے مجھے بھی اُس میں سے ایک موئے مبارک عطا فرمایا۔ انتہٰی۔

شاہ صاحب کے والد بزرگوار کس پایہ کے بزرگ ہونگے اور کس درجہ کا اُن کو عشق موئے مبارک سے ہوگا کہ اس حالت میں بھی اُن کو موئے مبارک کا خیال لگا ہوا تھا جس کے طفیل میں اس دولت عظمیٰ سے مشرف ہوئے۔

یہاں ایک بہت بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ بھی حل ہو گیا وہ یہ کہ خواب میں
فقط خیالی صورتیں نظر آتی ہیں جو جسم نہیں ہو سکتیں کیونکہ خیال کا خزانہ دماغ کا
ایک حصہ ہے اس میں اجسام کو کہاں گنجائش مگر موئے مبارک جو عطا ہوئے
وہ جسم تھے۔ اور شاہ عبدالرحیم صاحب نے بچشم خود دیکھا کہ ریش مبارک سے علیحدہ
کر کے وہ دیئے گئے جس سے ثابت ہے کہ ریش مبارک بھی خیالی نہ تھی بلکہ
مجسم تھی پھر ریش مبارک کا حسی تعلق حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے
تھا جس سے ظاہر ہے کہ اُسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت خیالی
محسوس نہیں ہوئی بلکہ جسم مقدس کے ساتھ وہاں تشریف فرما ہوئے تھے گو دوسروں
نے نہیں دیکھا جس طرح جبرئیل علیہ السلام مجلس اقدس میں بذات خود آتے تھے
اور سوائے حضرتؐ کے اُن کو کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ اب اگر آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کا بنفس نفیس وہاں تشریف فرما ہونا تسلیم نہ کیا جائے تو شاہ ولی اللہ صاحب
اور ان کے والد بزرگوار کی تکذیب ہوئی جاتی ہے ہمارا دل تو اس کو گوارا نہیں کر سکتا
کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تکذیب کیجائے کیونکہ ایک عالم نے ان کے
علم و فضل اور تقدس کو مان لیا ہے اور ان کو جھوٹ کہنے کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی
کیونکہ اس واقعے سے کوئی اُن کا فائدہ متصور نہیں اب ان قرائن اور اسباب سے
اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بنفس نفیس مع جسم تشریف لانا ثابت کیا جائے تو
معمولی عقلیں گو اس کو نہیں مان سکتیں مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی عقلیں اکثر

خا... کی کرتی ہیں جیسا کہ ہم نے کتاب العقل میں ثابت کر دیا ہے تو اب ہمارا فرض ہے کہ ایمانی راہ سے اپنی عقلوں کو مجبور کریں جس سے بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ حدیث شریف میں جو وارد ہے من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لا یتمثل بی یعنے جس نے خواب میں مجھے دیکھا وہ مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا اس حدیث پر پورا ایمان آجائیگا اور کوئی خلجان باقی نہ رہیگا۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ رضی جو علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ تھیں اُن کو میں نے اپنا قمیص دیا تاکہ جنت کا لباس اُن کو پہنایا جائے انتہی ملخصاً۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کے لباس مبارک میں یہ برکت تھی کہ اُس عالم میں اس کا اثر ظاہر ہوا حالانکہ لباس مبارک کو کوئی ذاتی تعلق حضرت سے نہ تھا پھر موئے مبارک جو جزو بدن تھا اس کے برکات کس قدر ہوں گے بہر حال جب شارع علیہ السلام نے تبرک کی علت اور وجہ کی تصریح فرمادی تو اب کسی دوسرے کو کیا حق کہ اس میں کلام کر سکے کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ابو صالح سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس مشک تھا آپ نے وصیت کی کہ اپنے کفن میں وہ لگایا جائے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کفن کو وہ لگایا گیا تھا اس کا وہ بقیہ ہے۔ انتہی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کسی پر مخفی نہیں باوجود اس کے آپ نے وہ تبرک

اُٹھا رکھا تھا کہ قبر میں اس کو اپنے ساتھ لیجائیں پھر اُس تبرک کی یہ کیفیت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک اُسے لگا تھا نہ کفن مبارک کو لگنے کا اُسے شرف حاصل ہوا تھا صرف اس خیال سے وہ تبرک بنایا گیا کہ جو مشک حضرت کے لئے لایا گیا تھا اس کا وہ بقیہ ہے اگر کہیں کہ کفن مبارک کو تو نہیں لگا مگر ایک نسبت اس میں لگ گئی تھی تو وہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر نسبت تھی تو اس میں جو استعمال ہیں آیا تھا۔ البتہ نسبت ہے تو اِس قسم کی کہ بقیہ مشک مستعمل یعنے منسوب کی طرف منسوب تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اتنی ہی نسبت کو تبرک بنانیکے لئے کافی سمجھا آپ خلفائے راشدین سے ہیں جن کے ارشاد پر عمل کرنا اہل ایمان کے لئے ضروری ہے جب آپ کو اس قسم کے تبرکات میں اسقدر اہتمام تھا تو معلوم ہوا کہ دین میں تبرکات کی کیسی وقعت ہے ایسی چیز کو جو لوگ بت پرستی وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں کسقدر ان کی زیادتی ہے خدا تعالیٰ ایسے عقیدوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں نافع رحہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضہ کی عادت تھی کہ جہاں جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اُن مواقع کو تلاش کرتے یہاں تک کہ ایک درخت کے نیچے حضرت صلعم نے نماز پڑھی تھی اُس درخت کی نگہداشت کرتے اور اس کو پانی دیتے تاکہ وہ سوکھ نجائے۔ انتہی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اُن کا کامل اعتقاد تھا کہ اُن مقامات میں ضرور برکت آگئی ہے اور تلاش کر کے اُن مقامات کی زیارت کیا کرتے تھے اور یہ بھی خیال تھا کہ

آیندہ نسلوں کے لئے وہ مقامات حتی الامکان باقی رکھنے کی کوشش کیجائے جیسا کہ درخت کو پانی دینے سے معلوم ہوتا ہے۔

کنزالعمال کی کتاب الفضائل میں روایت ہے کہ ابواسما کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرت نے مجھ سے مصافحہ فرمایا اسوقت میں نے قسم کھائی کہ اب میں کسی سے مصافحہ نکرونگا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ صحابہ مصافحہ کو مسنون سمجھتے تھے اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے تھے مگر ان بزرگوار نے قسم کھائی کہ حضرت کے مصافحے کی دولت جب نصیب ہو گئی تو اب کسی سے مصافحہ نہ کریں گے معلوم نہیں انہوں نے کیا سونچا تھا کیا یہ خیال کیا تھا کہ دوسرے کا ہاتھ لگ جائے تو حضرت کے ہاتھ کی برکت جاتی رہیگی یا دوسرے کے ہاتھ کے اثر سے اُس برکت کا اثر کم ہو جائیگا حالانکہ عقلاً کوئی بات اس قابل نہیں معلوم ہوتی کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ایک سنت ترک کردی جائے اُس قسم نے اُن پر کیسی مصیبتیں ڈالی ہونگی جب کسی سے ملاقات ہوتی ہوگی اور وہ اپنا ہاتھ کھینچ لیتے ہوں گے لوگوں میں کیسی بدنامی ہوتی ہوگی خود ان کا دل اس کو کیونکر قبول کرتا ہوگا۔ مگر وہ حضرات اپنے دھن کے پکے تھے وہاں نیکنامی اور بدنامی کے خیال کو کیا دخل۔ اُن کے حسب حال یہ شعر ہے

گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں ؎ مانمیخواہیم ننگ و نام را

اصل یہ ہے کہ یہ سارے کرشمے عشق کے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ ان حضرات کو عشق تھا ہر وقت ایک نئی شکل میں ظہور کرتا تھا۔

یک قصہ بیش نیست غم عشق وایں عجب ؛ از ہر کسیکہ می شنوم نامکرر است

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ بحیریہ کہتی ہیں کہ میرے چچا خداش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ پیالہ مانگ لیا جس میں حضرت صلعم کو کھاتے دیکھا تھا۔ وہ پیالہ ہمارے یہاں تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ اکثر ہمارے یہاں آتے اور اس کو نکلواتے ہم اس میں زمزم بھر کے ان کو دیتے اور وہ پانی پیکر تھوڑا پانی اپنے چہرے اور سر پر ڈال لیتے تھے۔ انتہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ اس قسم کے امور میں بہت کچھ احتیاط کرتے تھے مگر اس پیالے کی برکت کے وہ بھی قائل تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ پیالہ کئی بار دھویا گیا اگر دست مبارک اس کو لگا بھی تھا تو کئی بار کے دھونے اور استعمال کرنے سے وہ اثر باقی نہیں رہ سکتا مگر ان کے اعتقاد میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ ایک بار دست مبارک لگ جانا ہمیشہ کی برکت کا باعث ہے۔ اور مقام متبرک پر جو پانی لگ جائے اس سے سر اور چہرہ کو مشرف کرنا باعث سرفرازی اور سرخروئی ہے اسی خیال سے عمر رضی اللہ عنہ خداش کے گھر جا کر یہ برکت حاصل کیا کرتے تھے۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ ایک بار سخت امساک باران ہوا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ استسقاء کے لئے عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے اور چادر مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ پر تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ

چادر مبارک کو آپ نے نزولِ رحمت الٰہی کا ذریعہ قرار دیا۔ اب غور کیا جائے کہ چادر مبارک اگر اس قابل سمجھی نہیں جاتی کہ باعثِ نزولِ رحمت ہو تو اس موقع خاص میں خاص طور پر اُس کو لیجانا فضول ہوتا پھر وہاں صحابہ کا مجمع تھا اگر وہ کوئی خلاف شرع بات ہوتی تو راست گو صحابہ صاف کر دیتے کہ یہ بدعت آپ نے کیوں ایجاد کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ تبرکات کو باعثِ رحمت الٰہی سمجھنا باجماع صحابہ ثابت ہے۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ محمد بن سیرین رح فرماتے ہیں کہ انس رض کے پاس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک چھڑی تھی جب اُن کا انتقال ہوا تو وہ چھڑی اُن کے کفن میں رکھدی گئی اس طرح کہ قمیص اور جسم کے درمیان میں تھی۔ دیکھئے انس رض جیسے جلیل القدر صحابی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی چھڑی جس کو دست مبارک میں رکھنے کا شرف حاصل ہوا تھا اس کی عمر بھر حفاظت کی اور تبرک بنا کر رکھا اور اس تبرک کو ہمراہ لے گئے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اگرچہ وہ چھڑی عالم جسمانی کی ہے مگر جو برکت اسکو حاصل ہے وہ جسم ہی تک محدود نہیں بلکہ عالم روحانی میں بھی اسکی تاثیر ہونے والی ہے اگر اس زمانے کے موحدین سے فتوے لیا جائے تو وہ صاف لکھدیں گے کہ لکڑی پتھر کفن میں رکھنا بدعت ہے۔ کل بدعۃ فی النار۔ مگر صحابہ ایک لکڑی سے ہانکنے والے نہ تھے وہ ہر چیز کا مرتبہ جانتے تھے اُن کو یقین کامل تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تبرک جس قسم کا ہو اس کی برکت جو کچھ خیال کیجائے وہ کم ہے۔ انس رض کے جنازے میں کیسے کیسے کبار تابعین ہیکے

انس رض کا کفن

ہوئے ہوں گے مگر کسی نے اس فعل میں کلام نہیں کیا اور ابتک یہ روایت کتابوں میں منقول ہوتے ہوئے ہم تک پہنچی کسی محدث نے اس فعل کو برا نہ کہا اس سے ظاہر ہے کہ سلف نے ایسے امور کو مان لیا ہے ۔ اب مسلمانوں کو کیا ضرورت کہ آخری زمانے کے ملاؤں کی بات سنکر تبرکات کے برکات سے محروم رہیں ۔

کنز العمال کی کتاب الشمائل میں یہ روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا فرماتے تو اہل مدینہ کے خادم ظروف میں پانی لاتے اور حضرت دست مبارک اُنمیں ڈباتے ۔ انتہیٰ ۔

عقل کی راہ سے تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ پانی جس میں کوئی دوا شریک نہ تھی صرف ہاتھ لگ جانے سے کسی بیماری کی دوا ہو سکے مگر جمیع امراض کے لئے وہ ایک مجرب نسخہ تھا کہ صبح ہوتے ہی جوق جوق طالبینِ شفائے امراض جسمانی و روحانی اس آب حیات کے لینے کو درِ دولت پر حاضر ہو جاتے اور حضرت بھی تکلیف گوارا فرماتے تھے خصوصاً سردی کے موسم میں صبح کے وقت پانی میں ہاتھ ڈبونا کوئی آسان بات نہیں ہے مگر شان رحمۃ للعالمین تھی کہ کسیکو محروم نہ فرماتے اس فعل سے ثابت ہے کہ حضرت تاثیرِ تبرکات کے اعتقاد کو جائز رکھتے بلکہ عملی طریقے سے اس کی ترغیب فرماتے تھے اور حق تعالیٰ بھی لوگوں کے اعتقاد بڑھانے کے لئے اس سے شفاء عنایت فرماتا تھا ۔ اب یہ خیال کرنا کہ تبرکات پر اعتقاد رکھنا بودا اعتقاد ہے یا دین میں اس کی کوئی اصل نہیں خلاف طریقۂ ایمان ہے ۔

منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند امام احمد

کنز العمال کی کتاب الشمائل میں ہے کہ ایک فقیر اعرابی آنحضرت صلے اللہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا آپ نے اس کو ایک چھوہارا عطا فرمایا اس نے کہا کہ یہ عطا ایک نبی کی ہے جب تک میں زندہ رہوں کبھی اس کو اپنے سے جدا نہ کرونگا اور ہمیشہ اس کی برکت کا امیدوار رہونگا۔ راوی کہتے ہیں کہ تھوڑے روز نہیں گذرے تھے کہ وہ شخص غنی ہو گیا۔ انتہی۔

حضرت کے روبرو اس بزرگوار کا یہ کہنا کہ وہ تبرک ہے اور اس کی برکت کا امیدوار رہنا صاحبؐ اس بات پر دلیل ہے کہ شریعت میں تبرک کو خاص قسم کی وقعت حاصل ہے اور اس کا حسی اثر ہونا بھی ثابت ہے مگر اعتقاد کو بھی دخل ہے کیونکہ برکت دینے والا خدائے تعالیٰ ہے جب کوئی اس کی برکت کا قائل ہی نہ ہو تو خدائے تعالیٰ کو کیا غرض کہ خواہ مخواہ اس کے برکات ظاہر فرمائے۔ اس لئے اس کے برکات سے وہ محروم کر دیا جاتا ہے۔

کنز العمال کی کتاب الشمائل میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کفن کے واسطے ایک حلہ خرید اگیا تھا مگر بعد یہ تجویز قرار پائی کہ تین سفید کپڑے لئے جائیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اس حلے کو لیکر کہا کہ اسے میں اپنے کفن کے لئے رکھتا ہوں مگر اس کے بعد ان کی رائے بدل گئی اور کہا کہ اگر یہ حلہ خدائے تعالیٰ کو پسند ہوتا تو اسی کا کفن شریف ہوتا اس خیال سے اس کو بیچ کر اس کی قیمت خیرات کر دی۔ انتہی ملخصاً۔

اس سے صحابہؓ کے خیالات کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ کیسے کیسے لطیف اجتہاد کرتے تھے۔ پہلے یہ خیال متمکن ہوا کہ وہ حلہ متبرک ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ کفن مبارک کے لئے خریدا گیا اپنی نسبت بھی لگ جانا غنیمت ہے گو اس کا وقوع نہ ہوا ہو کیونکہ نسبت سے بڑے بڑے عقدے حل ہو جاتے ہیں جن کا بیان موجب تطویل ہے اسی کو دیکھ لیجئے کہ صحابیت ایک نسبت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے حاصل ہوئی تھی پھر اس کا کس قدر اثر ہے کہ قیامت تک وہ تمام اہل اسلام بلکہ تمام اولیاء اللہ سے ان کو مکرم و معزز بنادی اور قیامت میں بھی ان کو وہی افتخار حاصل رہیگا جو باعث ترقی مدارج ہے۔ غرض کہ اس نسبت نے ان کو اس کے لینے پر مجبور کیا۔ پھر اس کے بعد جب غور کیا کہ وہ حلہ کفن مبارک کے لئے خریدا تو گیا تھا مگر اس برکت کو اس نے حاصل نہ کر سکا اگر اس میں صلاحیت ہوتی تو ضرور جسم اقدس سے تقرب کا اعزاز حاصل کرتا اور محروم و مردود نہ ہوتا ایسی مردود چیز اس قابل نہیں کہ اس سے برکت حاصل ہو سکے۔ غرضکہ یہ خیال متمکن ہوا کہ جو چیز بارگاہ احمدی سے مردود ہو وہ کسی کام کی نہیں۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ایسے خیالات سے بچائے جو کہ بارگاہ نبوی سے مردود بنادیتے ہیں۔

کنز العمال کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ ابو محذورہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حنین کو تشریف لیجا رہے تھے ہم دس شخص جوان جوان بھی ہمراہ ہو گئے ایک مقام میں موذن اذان کہا ہم لوگ تمسخر کی راہ سے موذن کی طرح پکارنے لگے تو حضرت نے

ہماری آواز سنکر ہمیں بلوایا اور دریافت فرمایا کہ جس کی آواز میں نے سنی وہ تم میں کون ہے چونکہ میں بلند آواز تھا سب نے مجھے بتلادیا حضرتؐ نے سب کو چھوڑ کر مجھ سے فرمایا کہ اٹھو اذان کہو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اٹھا تو سہی لیکن اس وقت میری یہ حالت تھی کہ دنیا میں حضرتؐ سے زیادہ کوئی مکروہ اور اذان سے زیادہ کوئی چیز بری میرے خیال میں نہ تھی۔ حضرتؐ ایک ایک کلمہ اذان کا مجھے سکھلاتے اور میں کہتا جاتا تھا اس کے بعد مجھے ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں تھوڑی چاندی تھی اور دست مبارک میرے سر اور منہ اور جگر پر پھیرا اور دعا دی اس کے ساتھ ہی جتنی کدورت اور کراہت میرے دل میں تھی وہ محبت سے مبدل ہو گئی اور خود میں نے خواہش کی کہ یارسول اللہ مجھے حکم دیجئے کہ میں مکے میں اذان کہا کروں حضرتؐ نے قبول فرمایا چنانچہ وہاں کے موذن قرار پائے۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ سر کے اگلے حصے کے بال جن پر دست مبارک پہنچا تھا نہ ان کو کبھی کٹوایا اور نہ ان میں مانگ نکالی۔ یہ دست مبارک کی تاثیر تھی کہ ادھر کافر کے سینے پر دست مبارک پہنچا ادھر تمام کفر و نفاق کی کثافتیں محو ہو گئیں اور دل آئینے کی طرح نور ایمان سے چمکنے لگا۔ صحابہ اسی اثر کے دلدادہ تھے وہ جانتے تھے کہ جس چیز کو دست مبارک یا جسم شریف لگ گیا اس میں برکت ضرور آ گئی پھر کوئی اس برکت کو اپنے ساتھ قبر میں لیجاتا اور کوئی مسلمانوں کی خیر خواہی کے لحاظ سے اس عالم میں چھوڑ جاتا اگر ابو محذورہ وہ متبرک بال

کٹواتے تو دست بدست تقسیم ہو جاتے اور وہ تبرک اُن کے پاس نہ رہتا اس لئے انہوں نے کٹوانا تو در کنار مانگ بھی کبھی نہ نکالی کہ کہیں اُس حالت میں جو دست مبارک کے لگنے کے وقت تھی فرق نہ آئے۔ سبحان اللہ کیا احتیاط تھی اور کیسی عقیدت جس کے سننے سے عقل حیران ہوتی ہے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وقال لھم نبیھم ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک اٰل موسیٰ واٰل ھرون تحملہ الملٰئکۃ ان فی ذٰلک لاٰیۃ لکم ان کنتم مومنین۔ ترجمہ اُن کے نبی نے اُن سے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائیگا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں کہ جن کو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے ہیں۔ اُس کو فرشتے اُٹھا لائیں گے۔ بے شک اس میں تو تمہارے لئے پوری نشانی ہے۔ اگر تم ایماندار ہو۔

تفسیر ابن جریر اور در منثور وغیرہ میں ہے کہ تابوت سکینہ میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی لکڑی اور کچھ کپڑے اور نعلین اور ہارون علیہ السلام کے ہاتھ کی لکڑی اور عمامہ اور الواح کے چند ٹکڑے تھے۔ انتہیٰ۔

یہی تبرکات تھے کہ جس کی وجہ سے طالوت کی فتح ہوئی۔ کیونکہ روایات سے ثابت ہے کہ طالوت کے ساتھ بہت کم لوگ تھے جیسا کہ قرآن شریف

میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔ کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔

تفسیر ابن جریر و کبیر میں ہے کہ تابوت سکینہ قدیم سے محترم و متبرک سمجھا جاتا تھا اور لڑائیوں میں اس سے مدد ہوتی تھی جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی کفار عمالقہ اُن پر غالب ہوئے اور تابوت سکینہ لے گئے اور اس سے بے ادبی کرتے تھے۔ چنانچہ مزبلہ میں اُسے ڈال دیا تھا۔ مگر جو شخص اُس پر بول و براز کرتا بواسیر میں مبتلا ہو جاتا۔

تفسیر ابن جریر میں لکھا ہے کہ جب اُس قوم میں بیماری پھیلی اُس وقت کے بنی نے اُنسے کہا کہ اگر تم عافیت چاہتے ہو تو اس صندوق کو اپنے یہاں سے نکالو انہوں نے کہا اس کی کیا نشانی ہے۔ کہا کہ تم دو بیل ایسے لاؤ کہ نہایت قیمتی ہوں اور کبھی جوتے نہ گئے ہوں۔ اگر وہ اس صندوق کو دیکھ کر گردن جھکا دیں تو تم اُس کو ایک گاڑی پر رکھ کر اُن کو جوت کر چھوڑ دو۔ جدھر چاہیں وہ چلے جائیں۔ لوگ راضی ہوئے اور ایسا ہی کیا۔ وہ بیل سیدھے بیت المقدس پہنچے اور وہاں رسیاں تڑا کر بھاگ گئے۔ داؤد علیہ السّلام نے جب تابوت کو دیکھا نہایت خوشی سے ناچتے ہوئے اس کی طرف گئے۔ اُن کی بیوی نے کہا تم نے یہ کیسی حرکت کی۔ لوگ کیا کہیں گے۔ آپ نے فرمایا تو مجھے میرے رب کی طاعت سے روکنا چاہتی ہے۔ میں تجھے اب اپنے نکاح میں رکھنا نہیں چاہتا۔ چنانچہ

اُس کو طلاق دیدی ۔ انتہی ۔

یہی طریقہ رقص بزرگان دین میں بھی جاری ہے کہ سماع کے وقت جب آثار فیضان پاتے ہیں تو مارے خوشی کے ناچنے لگتے ہیں ۔ اگر ان کی حالت صحیح اور تصنع سے خالی ہے تو وہ رقص داؤد علیہ السلام کے رقص کے جیسا ہوگا ورنہ نقالی ہے جسے دین سے کوئی تعلق نہیں ۔ آپ نے دیکھ لیا کہ تابوت سکینہ جس کی وہ عظمت تھی اور من جانب اللہ اس سے وہ آثار صادر ہوتے تھے کہ لوگ خود اُس کی عظمت کریں ۔ اُس میں کیا تھا ۔ وہی موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کے نعلین ولباس وغیرہ تھے دیکھنے کو یہ چیزیں معمولی ہیں ۔ مگر جب اُن کو اُن حضرات کے ساتھ نسبت لگ گئی تو خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہ اشیاء باوقعت ہوگئیں اس لئے اس کی توہین کرنیوالے مردود بے دین ٹھہرے ۔ اور تعظیم کرنے والے دین دار اور کامیاب ہوئے ۔

اب ذرا غور کیا جائے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے جوتے وغیرہ تبرکات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک وغیرہ سے کیا نسبت ۔ خود موسیٰ علیہ السلام کو آرزو تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہوں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اگر وہ آرزو پوری ہوتی تو حضرت کے تبرکات کی خود وہ اس قدر تعظیم کرتے اور باوقعت سمجھتے جیسے اُن کی امت اُن کے تبرکات کی تعظیم کرتی اور باوقعت سمجھتی تھی ۔ پھر جب اُن کے تبرکات کو خدائے تعالیٰ نے وہ وقعت دی کہ جس کا ذکر قرآن شریف میں اس تصریح سے فرمایا کہ بقیۃ مما ترک آل

موسیٰ وآل هٰرون تحمله الملٰئكة ان فی ذلك لاٰية لكم ان كنتم مؤمنين
یعنی اُن تبرکات کو فرشتے اٹھاتے تھے تو اب کہئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے تبرکات کس درجہ خدائے تعالےٰ کے نزدیک قابل وقعت ہوں گے اگر
ایسے تبرکات کی بے وقعتی کی جائے تو کیا تعجب کہ عمالقہ کا بے وقعتی کرنے سے
جو حال ہوا تھا وہی حال ان کا بھی ہو۔

صحابہ قرآن شریف میں روزانہ یہ مضامین پڑھتے ہونگے اور یہ روایات
ایک دوسرے سے سنتے ہوں گے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے
میں کس قدر اُن کے حوصلے بڑھتے ہوں گے خصوصاً جب خود حضرت اُن کو
تبرکات عطا فرماتے تھے اور اُس کے آثار بھی نمایاں ہوتے تھے تو کہئے کہ کون
چیز اُن کو تبرکات کی تعظیم و توقیر اور اُن کے برکات حاصل کرنے سے مانع ہوتی
ہوگی منع کرنے والوں کا اثر تو اس آخری زمانے کے جاہل مسلمانوں پر پڑتا ہے کہ
جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ وہ بدعت بلکہ ایک قسم کی بت پرستی ہے تو بیچارے
ڈر جاتے ہیں۔ اگر اسلامی دنیا کو دیکھتے اور اسرار شریعت پر واقف ہوتے اور
اسباب ترقی روحانی پر نظر ڈالتے تو ایسے خیالی اور وہمی باتوں کا اُن پر اثر
نہ ہوتا اور نہایت قوی دل اور قوی ایمان رہتے۔

شفا میں یہ روایت ہے کہ ابن عمرؓ باوجود کمال تورّع کے منبر شریف
کے اُس مقام پر جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے ہاتھ پھیر کر

اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر لیتے تھے۔ گویا اُس مقام متبرک کی برکت کو اپنے ہاتھ کے ذریعہ سے چہرے تک پہنچاتے تھے۔ اس حرکت سے وہ ثابت کرتے تھے کہ جو برکت اُس مقام پر تشریف رکھنے کے وقت تھی وہی اب بھی موجود ہے۔ انقضائے مدت سے اُس میں کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا ہوا۔

شفا اور اُس کی شرح میں لکھا ہے کہ ابو عبد الرحمٰن اسلمی یعنے امام قشیری نے لکھا ہے کہ احمد بن فضلویہ جو زاہد تھے اور اکثر جہاد کیا کرتے تھے اور بڑے تیر انداز تھے وہ کہتے ہیں جب سے میں نے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک میں کمان لی تھی میں نے کبھی کمان کو بے وضو ہاتھ نہیں لگایا انتہی۔

اب غور کیجئے کہ اگر تبرک ہو سکتی ہے تو وہ کمان ہوگی۔ جسے دست مبارک لگا تھا۔ عموماً کمانوں کو یہ شرف کیونکر حاصل ہو سکیگا کہ بغیر طہارت کے چھونا جائز نہ سمجھا جائے۔ مگر بات یہ ہے کہ ادب کے احکام ٹھیرانیکا کوئی قاعدہ نہیں ان غازی صاحب کو تیر اندازی میں کمال تھا۔ یہ امر پیش نظر تھا کہ تیر اندازی سے دین کی پوری تائید کریں۔ اس کے لئے باطنی امداد کی ضرورت تھی۔ خدا تعالے کو خوش کرنے کا یہ طریقہ نکالا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان کو ہاتھ میں لیا تھا۔ اس لئے میں اُس کی یہ تعظیم کرتا ہوں کہ بے وضو کبھی اُسے ہاتھ نہ لگاؤنگا اس کے صلے میں الٰہی بہ طفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تائید فرما کہ تیر اندازی میں

کمال حاصل ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس فن میں وہ سربرآوردہ مشہور تھے۔ اور یہ اُسی ادب کا نتیجہ تھا جو انہوں نے التزام کیا تھا کہ کمان کو بھی بغیر طہارت کے ہاتھ نہ لگائیں گے۔ اگر اس زمانہ کے موحدین اُس وقت ہوتے تو اُن کو کافر بنانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے اور اُس کی وجہ یہ بیان کرتے کہ انہوں نے ایک معمولی لکڑی کی اتنی تعظیم کی کہ قرآن شریف کے برابر اس کو بنا دیا۔ لایمسہ الا المطھرون قرآن شریف کی شان میں نازل ہے۔ انہوں نے اُس کو کمان کی شان میں قرار دیا اور عملاً بھی ثابت کیا کہ کبھی بغیر طہارت کے کمان کو چھونا بھی نہیں۔ ایک بدعت سیئہ کو واجب بنانا ضرور حد کفر کو پہنچا دیتا ہے غرضکہ معلوم نہیں کیسی کیسی سخت گالیاں کر کر کے کس کس طریقہ سے اُن کو کافر بناتے۔ مگر اُس زمانہ خیر القرون والے علما نے اُن کے اس فعل کی وہ قدر کی کہ اُس سے بڑھ کر ممکن نہیں بلا انکار بلکہ بطور تحسین جس طرح حدیثوں کی روایت کرتے ہیں حدیثوں کی کتابوں میں داخل کر دیا تاکہ آیندہ آنے والی نسلیں اُن کی قدر کریں اور اُن سے طریقہ ادب سیکھیں شفا میں لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عصائے مبارک تھا۔ جہجاہ نے غصہ سے لیکر اُسے گھٹنے پر رکھا۔ تاکہ زور کر کے توڑ دے۔ ہر طرف سے شور ہوا کہ ارے یہ کیا کرتا ہے۔ مگر اُسے نہ سُنا۔ اور توڑ ہی ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی گھٹنے میں اُس کے ایک پھوڑا پیدا ہوا جس کو آکلہ کہتے ہیں جو جسم میں سرایت کرتا جاتا ہے تھوڑے عرصے میں پاؤں کاٹنے کی

ضرورت ہوئی اور ایک سال بھی نہیں گذرا کہ اُسی بیماری سے وہ مرگیا۔ انتہی۔

یہاں یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ عصا میں کوئی سمی مادہ تھا جس کا اثر اُس کے پاؤں میں ہوا۔ بلکہ یہ اس بے ادبی کا اثر تھا جو اُس متبرک عصا کے ساتھ کی گئی اور اصل سبب پوچھئے تو یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ اپنے دوستوں کا حامی ہے اگر اُن سے کوئی شخص بے ادبی کرے تو باطن میں تو اُس کی تباہی ضرور ہوجاتی ہے یعنے قساوت قلبی پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی عبرت کے لئے ظاہرا بھی وہ تباہ کیا جاتا ہے۔ پھر اُن حضرات کی حمایت اس درجہ ہوتی ہے کہ اُن کی طرف کوئی چیز منسوب ہو اُس کے ساتھ بے ادبی کرنے والا بھی مردود اور مورد عتاب ہوتا ہے۔

اگرچہ یہ مضامین بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں مگر بہ نظر اختصار ان چند روایات پر اکتفا کیا گیا۔ اہل ایمان کو خدائے تعالےٰ توفیق دے تو یہی کافی ہو سکتے ہیں فقط